Sajid Nizam Qureshi
LIBRARY
No. 3427
3427
19/05/2001

هُوَالعلیُّ الکبیر

اِفادۂ کبیر

مفصل

شرح مُوجز القانون

سنہ ۱۹۴۷
۱۳۶۷ھ

طبع ہفتم | بہ تنقیح جدید

Supplyed by Haziq & Mohi
20-4-319, Chowk Mosque
Hyd-2 A. P. India
Rare Book Seller & Exporters
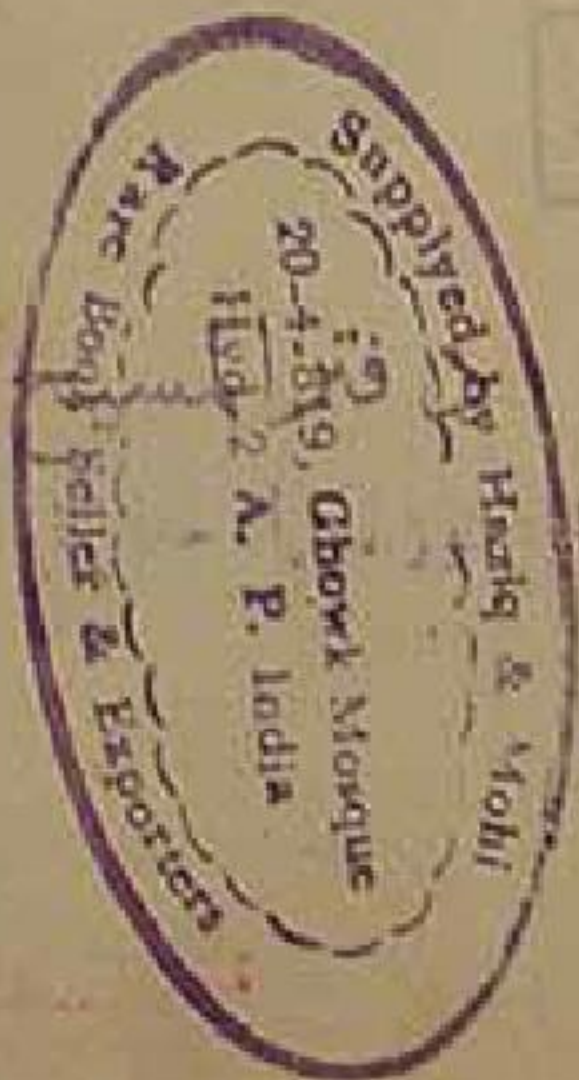
مؤلفہ
حکیم محمد کبیر الدین

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

اِفادۂ کبیر

کی

اشاعتیں

۱	اشاعت اول	سنہ ۱۹۱۶ء
۲	اشاعت دوم	سنہ ۱۹۱۹ء
۳	اشاعتِ سوم	سنہ ۱۹۲۳ء
۴	اشاعتِ چہارم	سنہ ۱۹۲۷ء
۵	اشاعت پنجم	سنہ ۱۹۳۲ء
۶	اشاعت ششم	سنہ ۱۹۳۷ء
۷	اشاعت ہفتم	سنہ ۱۹۴۷ء

مطبوعہ

مطبع اسلامی بازار نورالامراء

حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۷ف

فہرست
افادۂ کبیر

اِفادۂ کبیر

طبعِ ہفتم

افادۂ کبیر، جیسا کہ سب جانتے ہیں، مُوجزالقانون کا ترجمہ اور اُس کی شرح ہے، جو علمِ طِب کے مبتدی کے لئے لکھی گئی ہے۔ چنانچہ اکثر طبّی مدارس و معاہد کی ابتدائی جماعتوں میں یہ داخلِ نصاب ہے؛ اور یوں بھی عام طور پر اس کو پسند کیا گیا، اور مقبول نگاہوں سے دیکھا گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ کتاب اب تک چھ بار شائع ہو چکی ہے۔

اب ساتویں مرتبہ جب اِس کی اشاعت کی نوبت آئی، تو یہ خیال پیدا ہوا کہ اِس کی موجودہ شرح بہت ہی مختصر ہے جس سے علم کے پیاسوں کی تشنگی بجھتی نہیں، اِس لئے ضرورت ہے کہ اس کی ایک سیر حاصل شرح کی جائے، جس میں طبّی مسائل پر بسط و تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

چنانچہ اس ارادہ سے جب کام شروع کیا گیا، تو وہ بیان (ضبط و تحدید کی کوشش کے باوجود) اتنا وسیع ہوگیا، کہ اس کو اِفادۂ کبیر کے نام سے شائع کرنا دوستوں نے نامناسب سمجھا، اور بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ اِفادۂ کبیر کے نام سے سردست جو کتاب شائع کی جائے، اُس میں علمِ طِب کے ضروری مسائل بہ اختصار لکھے جائیں، اور تفصیلی مباحث دوسری فرصت کے لئے اُٹھا رکھے جائیں، جو آئندہ مستقل بڑی تالیف میں درج کئے جائیں۔

لیکن اس تلخیص و ایجاز کی کوشش کے باوجود افادہ کے مضامین اب بھی اتنے پھیلے ہوئے ہیں، اور کتاب اتنی ضخیم ہوگئی ہے کہ ساری کتاب کو ایک جگہ شائع کرنا "بارِ گراں" ہے۔ اس لئے اسے ایک سے زائد حصّوں میں تقسیم کرنا ضروری سمجھا گیا۔

چنانچہ یہ حصّہ جو محض اُمُورِ طبیعیّہ کے مسائل پر مشتمل ہے اور جو تقریباً (۳۰۰) صفحات پر ختم ہوا ہے، یہ افادۂ کبیر کا پہلا حصّہ ہے۔

یہ معلوم ہے کہ مُوجزُ القانون کی حیثیت، علمِ طب میں قاعدۂ بغدادی کی ہے، جس سے طبّی تعلیم کی بِسمِ اللہ ہوتی ہے۔ یہ علامہ علاءالدین قرشی کی تالیف ہے، جو دیارِ مصر میں ایک نہایت بلند پایہ صاحبِ تصانیف گزرے ہیں، اور جو مجتہدینِ فن کی صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔

علامہ قرشی کی یہ کتاب، یا رسالہ، اگر قانونِ شیخ کا خلاصہ ہے، (مُوجز: خلاصہ) تو انھوں نے قانون کی ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے، جو کافی شہرت رکھتی ہے۔

اِن کا سنہ وفات بعض لوگوں نے ۶۸۷ھ بتایا ہے، اور بعض لوگوں نے ۶۹۶ھ۔

مُوجز کی شرح دیگر شارحین کے علاوہ، علامہ بُرہانُ الدّین نفیس[1] نے بھی کی ہے، جو نفیسی کے نام سے مشہور ہے، اور جو سب سے زیادہ معزز و مقبول ہوئی، اور ہمارے اکثر طبّی اداروں میں داخلِ درس ہے۔

نفیسی کا درس دیتے ہوئے مجھے یہ شدّت سے محسوس ہوا کہ

(ا) قدمائے فن کے شیوہ کے خلاف علامہ نفیس بعض غیر طبّی مسائل میں بُری طرح اُلجھ گئے ہیں، جو عملاً طلبائے علم کے لئے کچھ زیادہ سود مند نہیں؛ درانحالیکہ شیخ الرئیس، صاحبِ کامل، ربّن طبری، ابوسہل مسیحی، صاحبِ معالجات بقراطیہ، جیسے قدیم مصنفین — جو

[1] زمانۂ حیات تقریباً ۸۴۲ھ

جو نفیس کے مقابلہ میں أئمۂ فن کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ کی کتابیں ایسے غیر طبی مباحث سے بہت حد تک پاک ہیں۔

(ب) بعض مقامات پر علامہ نفیس کی شرح میں تشنگی ہے: یعنی بعض ضعیف خیالات کو قوی، اور بعض قوی رایوں کو ضعیف کر کے پیش کیا ہے، جس سے پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کے دماغ میں عجیب قسم کی اُلجھن پیدا ہوجاتی ہے۔

(ج) بعض مقامات میں اسلوب بیان اور طریقۂ تفہیم دلکش نہیں، اس لئے طلبار کے سادہ دماغ میں ایسے مسائل جگہ نہیں بناتے، اور مبتدی فن کے دل میں فن سے کَمَاحَقُّہٗ محبت نہیں پیدا ہوتی۔

اِن وجوہ سے

ذہن اِس طرف منتقل ہوا کہ اِس زمانہ میں ایک

جدید نفیسی

کی ضرورت ہے، یعنی مُوْجز کی ایک ایسی شرح کی ضرورت ہے،

(۱) جس میں طِبّ عَرَبیؔ کی صحیح ترجمانی کی گئی ہو، اور طِبّ اِسلامی کو اپنے خط و خال میں پیش کیا گیا ہو۔

(۲) جس کا طرز بیان سادہ، اور دلکش ہو جس سے پڑھنے والوں کے دماغ میں اُلجھن حاصل ہونے کی بجائے، دل میں فن سے اُلفت پیدا ہو۔

(۳) جس میں طبی مسائل کی تنقیح و تحقیق کا خاص خیال رکھا گیا ہو، جو فن کے احیاء، اور علم کی ترقی کی روح ہے، اور جس کو اجمل اعظم (روحی فداہ) نے "طب یونانی کے لئے بمنزلۂ اساس" قرار دیا ہے۔

اِس کتاب کے مطالعہ کرنے والے نمایاں طور پر یہ محسوس کریں گے کہ اس کتاب کی تالیف میں سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی ہے کہ علامہ نفیس کے اقوال جس حد تک باقی رہ سکتے ہیں، وہ زیادہ سے

زیادہ قائم رکھے جائیں۔ اس کے بعد دوسرے مصنفین کے پاکیزہ بیانات اور ستھرے اقوال علامہ نفیس کی تائید میں یا اضافۂ معلومات کی غرض سے پیش کئے گئے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ میری یہ حقیر خدمت کس نوعیت کی ہے؛ اور یہ کہ میں اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، یہ میں اربابِ بصیرت کی نگاہ جوہر شناس کے لئے چھوڑتا ہوں۔

آخر میں خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ اپنی نوازشِ کریمانہ سے میرے اس کام میں ایک ایسی معجز نما دلفریبی پیدا کردے کہ لوگوں کی نگاہ میں وہ مقبول و محبوب بن کر کھپ جائے۔

شکریہ

اس موقع پر آخر میں اپنے دو عزیزوں (مولوی حکیم سید محمد شبلی صاحب، طبیب ماہر، مولوی حکیم علی حسین صاحب، طبیب ماہر) کے نام شکریہ کے ساتھ درج نہ کروں، تو یہ مقدمہ ناتمام رہ جائیگا، جن کی مخلصانہ اور پُرجوش معاونت برابر شریکِ کار رہی؛ اور اس علمی کام کی تکمیل میں مجھے بہت بڑی مدد ملی؛ فجزاهما الله احسن الجزاء

محمد کبیر الدین

حیدرآباد دکن

۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم

شیخ، امام عالم، حبر[1] کامل، علاء الدین، بن حزم قرشی متطبب فرماتے ہیں:

میں نے اس کتاب (موجز القانون) کو چار فنون میں ترتیب دیا ہے:

فنِ اوّل

چنانچہ فنِ اول میں علم طب کے ہر دو اجزاء، جزء علمی اور جزء عملی کے اصول و قواعد کا عام بیان (کلی بیان)، لکھا جائے گا۔

(علامہ علاء الدین قرشی)

علم طب کی تعریف،

علم طب وہ علم ہے، جس سے بدنِ انسان کے حالات

[1] حبر: عالم فاضل۔

صحت اور حالات مرض معلوم ہوتے ہیں، اور جس کی غرض وغایت یہ ہے، کہ اگر صحت ہے، تو اس کی نگہداشت کی جائے، اور مرض پیدا نہ ہونے دیا جائے، اور اگر مرض ہے تو حتی الامکان اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔

علم طب کی تقسیم

علم طب کے دو حصے ہیں:

اول حصۂ علمی (جزء نظری) جس میں محض اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں، جن کو عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ ان سے محض چند اشیاء کا علم اور ان کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ مثلاً انسان کا بدن اتنی چیزوں سے مرکب ہے، یا مثلاً بدن کے اندر اتنی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

دوئم حصۂ عملی

(جزء عملی) جس میں عمل سے متعلق مسائل ہوتے ہیں، یعنی جس میں عمل کے طریقے بتائے جاتے ہیں، مثلاً ورم میں کیا کرنا چاہیئے، بخار ہو تو علاج کیا ہونا چاہیئے، وغیرہ۔

قواعد کلیہ (کلیات)

اب یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جزء علمی اور جزء عملی دونوں کے مسائل دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ایسے خاص مسائل جن کا تعلق کسی خاص حالت یا کسی خاص مرض سے ہو، مثلاً ہیضہ میں ایسا کرنا چاہیئے، طاعون کا علاج یہ ہے۔ ایسے مسائل قواعد جزئیہ کہلاتے ہیں۔

(۲) ایسے عام مسائل جن کا تعلق کسی ایک حالت اور کسی خاص مرض سے نہ ہو، مثلاً یہ کہ تمام مرضوں کا علاج بالضد اور برعکس ہوتا ہے، یعنی گرمی میں سردی پہونچائی جاتی ہے، اور سردی میں گرمی۔ ایسے مسائل قواعد کلیہ (بڑے قواعد: عام اصول) اور **کلیات** کہلاتے ہیں۔

چنانچہ فن اول میں یہی دوسرے قسم کے مسائل ہوں گے۔

فن دوئم میں مفرد اور مرکب دواؤں اور غذاؤں کا بیان ہوگا۔

(قریشی)

مفرد دوائیں (اَدْوِیَۂ مُفْرَدَہ) وہ کہلاتی ہیں، جو دوسری دواؤں سے ملائی نہ گئی ہوں، بلکہ اپنی قدرتی حالت پر ہوں، مثلاً خطمی، گاؤزبان وغیرہ؛

اور **مرکب دوائیں** (اَدْوِیَہ مُرَکَّبَہ) وہ ہیں، جو چند دواؤں کی ترکیب سے تیار کی گئی ہوں، مثلاً شربت بنفشہ، جوارش جالینوس وغیرہ۔

فن سوئم میں اُن امراض کا ذکر ہوگا، جو خاص خاص اعضاء میں مخصوص طور پر پیدا ہوتے ہیں، (جن کو امراض خاصّہ کہتے ہیں) نیز ان کے اسباب، علامات اور معالجات کا بیان ہوگا۔

فن چہارم میں ان امراض کا ذکر ہوگا، جو مخصوص طور پر کسی خاص عضو میں نہیں پیدا ہوتے ہیں (ان کو امراض عامّہ کہتے ہیں) نیز ان کے اسباب، علامات اور معالجات کا بیان ہوگا۔

(علامہ قریشی)

امراضِ خاصّہ ان امراض کو کہتے ہیں، جو خاص خاص اعضا میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً "بہراپن" کان میں "نابینائی" آنکھ میں "خفقان" یعنی اختلاج قلب میں۔ وعلیٰ ہذا دوسرے اعضا کے خاص امراض؛

اور **امراض عامّہ** اُن امراض کو کہتے ہیں، جو کسی خاص عضو کے ساتھ مختص نہیں ہوتے، بلکہ جب پیدا ہوتے ہیں، تو سارا بدن اَن میں شریک ہوتا ہے، مثلاً بخار، یا یہ کہ جب پیدا ہوتے ہیں، تو ہوتے تو کسی خاص عضو ہی میں ہیں، مگر یہ عضو اس مرض کے لئے مخصوص نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے اعضا میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جیسے ورم، پھوڑے پھنسی وغیرہ۔

انتباہ خاص

میں نے اِس کتاب میں (بہ سلسلۂ علاج) پابندی کے ساتھ مشہور باتوں کا لحاظ رکھا ہے، یعنی مشہور دوائیں، مشہور غذائیں، اور استفراغ کے مشہور اصول و قوانین وغیرہ میں نے پابندی کے ساتھ لکھے ہیں

(قرشی)

اِسْتِفْرَاغ: بدن سے مواد خارج کرنے کا نام استفراغ ہے، خواہ دستوں کی راہ سے خارج ہو، یا قے، پیشاب، پسینہ، بخارات، تھوک، نزلہ، خون وغیرہ کی صورت میں ہو۔ استفراغ کے مقابلہ میں احتباس ہے۔

"مشہور باتیں": اس سے مراد وہ باتیں ہیں، جو طبقۂ اطبا میں مشہور ہیں، جس کو دوسری اصطلاح میں مُجرّب (آزمودہ) کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن چیزوں کا تجربہ و مشاہدہ

زیادہ کیا جاتا ہے، اُن ہی چیزوں پر اعتماد زیادہ ہوا کرتا ہے، اصول و قوانینِ طبیہ کا تمام تر دار و مدار مشاہدہ و تجربہ ہی پر ہے۔

دعا و التماس

خدا سے میرا سوال ہے کہ وہ مجھے اِس کارِ خیر (تالیفِ کتاب) کی توفیق دے، اور خطا و غلطی سے بچائے، اور دوستوں سے التماس ہے، کہ میری لغزشیں معاف فرمائیں، اور رخنے پُر کردیں۔

(قرشی)

فنِّ اوّل

فنِ اول کی تقسیم دو جملوں میں کی گئی ہے :

جملہ اول

جملہ اول میں علم طب کے جزء علمی (جس کو جزء نظری بھی کہتے ہیں) کے اُصول و قواعد (کلیات) بتلائے جائیں گے، اور اس جملہ کو چار اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔

جزء اوّل

جزء اول میں "اُمُورطبیعیہ" کا عام بیان (کلّی بیان) ہوگا۔

(قرشی)

امورطبیعیہ کی تعریف: مندرجہ ذیل سات اُمور اُمورِ طبیعیہ کے نام سے نامزد ہوتے ہیں: ارکانؔ ، مزاجؔ ، اخلاطؔ ، اعضاءؔ ، ارواحؔ ، قوٰیؔ اور افعالؔ۔

امور طبیعیہ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ " اُمورطبیعیہ" وہ چند چیزیں ہیں، جن سے انسان کا بدن تیار ہوا ہے، اور انسان کا وجود انھیں چیزوں پر موقوف ہے؛ چنانچہ ان میں سے اگر ایک چیز بھی معدوم ہوجائے، تو انسان کا بدن بھی معدوم ہوجائے گا۔

یہ چیزیں درحقیقت اجزاءِ بدن ہیں، اور ان ہی چیزوں کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ عِلمِ مَنَافِعِ الأعضاء میں اِن ہی اُمور

کا تذکرہ ہوا کرتا ہے۔

امورِ طبیعیہ اور طبیعت:

اُمورِ طبیعیہ طبیعت کی طرف منسوب ہیں۔
طبیعت کو قُوّتِ مُدَبِّرہ کہا جاتا ہے۔ فی الحقیقت یہی دو لفظ طبیعت کی جامع تعریف کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ طبیعت ہی بدنِ انسان کی مُدبّر ہے، یعنی بدن کے اندر تدبیر و اصلاح کے سارے کام طبیعت ہی کے سپرد ہیں، اور امراض کا مقابلہ یہی کرتی ہے، اور مقابلہ کے دوران میں ایسے عجیب و غریب اور حیرت انگیز اعمال انجام دیتی ہے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

ہماری طب کو جو خصوصی امتیازات حاصل ہیں، اُن میں سب سے اہم انسانی طبیعت کے وجود کا اقرار ہے۔ چنانچہ جب طبیعت کمزور ہو جاتی ہے، تو کوئی تدبیر، کوئی علاج، اور کوئی دوا، کارگر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امراضِ مزمنہ میں آخر وقت اور بڑھاپے میں غایتِ پیری کے وقت دیکھا جاتا ہے۔
ہماری طب کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"مُعالج حقیقت میں طبیعت ہے"

طبیب معالج نہیں ہے؛ طبیب بیچارا تو محض خادم کی حیثیت رکھتا ہے، جو اصلی معالج کی امداد و اعانت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

طبیب کا دوسرا نام طَبَائِعِی، جو طبیعت ہی سے ماخوذ و مشتق ہے۔ اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ طبیب محض طبیعت کی نگرانی و خدمت کرتا ہے۔

طِبّ کے دونوں اجزاء علم ہیں:

اِس فہرست کتاب کے بیان کرنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ "علم طب" دو حصوں میں منقسم ہے، (حصۂ اول کو جزءِ نظری یا جزءِ علمی، اور حصۂ دوئم کو جزءِ عملی کہتے ہیں)، اور طب کے یہ دونوں حصّے فی الحقیقت علم ہی ہیں، (اگرچہ حصۂ دوئم کا نام "عملی" ہے)۔

(قرشی)

کیونکہ جس حصہ کا نام "عملی" ہے، وہ بھی ایک علم ہی ہے، جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے علم طب کو علم اور عمل سے مرکب سمجھنا غلطی ہے۔ جیسا کہ بعض مصنّفین نے کیا ہے۔ لیکن جن مصنفین نے ایسا کیا ہے، اُس کا راز یہ ہے کہ وہ علم طِب میں عَمَل کی اہمیت بتانا چاہتے ہیں، جو ایک امرِ حق ہے، اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

جزءِ نظری (یا جزءِ علمی) کے پھر چار اجزاء ہیں:-

اول: امورِ طبیعیہ کا علم،

دوئم: بدنِ انسان کے حالات کا علم،

سوئم: اسباب کا علم،

چہارم: علامات کا علم

(قرشی)

امورِ طبیعیّہ

اُمورِ طبیعیہ کی تعداد سات ہے۔

(قرشی)

ذیل میں ایک ایک کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) اَرکان

Elements

امورِ طبیعیہ میں سے پہلی چیز اَرکانؔ ہے

(قرشی)

تعریف

اَرکان وہ بسیط اور سادہ اجسام ہیں، جن سے ترکیب پاکر حیوانات، نباتات اور جمادات، دنیا کی ساری چیزیں بنتی ہیں۔ اور یہ چیزیں مرکّب کہلاتی ہیں۔

بَسِیْط ہونے کے معنی یہ ہیں، کہ اس کے اندر جُداگانہ خواص کے اجزاء نہیں پائے جاتے، خواہ کسی طرح اس کا تجزیہ کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں مُرکّب ہے، جو مختلف خواص کے چند اجزاء سے مِل کر بنتا ہے۔

أرکان کو عناصِر اور اَسطقسّات بھی کہتے ہیں۔

عناصر میں اختلاف

عناصر کے بنیادی مسئلہ میں علمار عنصریات کی رائیں ہر دور علم میں بدلتی رہی ہیں۔ علم کے اِس جدا ہیں دور میں بھی عناصِر اور اُن کی تعداد کو ثبات نہیں۔ آج جس چیز کو بسیط تسلیم کر کے تعداد محدود کی جاتی ہے، کل وہ مرکب ثابت ہوتی ہے، اور اس میں سے مزید عنصر نکل کر تعداد بڑھا دیتا ہے۔

ایک عنصر

عہدِ قدیم میں خیال تھا کہ عنصر محض ایک ہے، لیکن عنصرِ وحید بخار (ہوا جیسی لطیف چیز) کو (۱) ایک گروہ قرار دیتا تھا، اور (۲) دوسرا ارض (مٹی) کو۔ بقیہ گروہ بہ سبیل ترتیب (۳) نار (آگ)، (۴) ماء (پانی) اور (۵) ہوا کو مانتے تھے۔

الغرض پانچوں گروہ ایک ہی عنصر کے قائل تھے۔ اور دُنیا کی ساری چیزوں کو مفروضہ عنصر کے استحالہ کا نتیجہ یا اُس کی بدلی ہوئی صورت تسلیم کرتے تھے۔

دو عناصر

(۶) چھٹا گروہ قائل تھا کہ آگ اور مٹی اصلی عناصر ہیں۔

(۷) ساتویں گروہ کا عقیدہ تھا کہ مٹی اور پانی بنیادی عناصر ہیں۔

(۸) آٹھواں گروہ تسلیم کرتا تھا کہ ہوا اور مٹی اصلی عناصر ہیں۔

یہ تینوں گروہ دو عناصر کے قائل تھے۔

تین عناصر

(۹) نواں گروہ قائل تھا کہ عناصر تین ہیں: آگ، ہوا اور خاک۔ پانی ان کے نزدیک ہوا کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

(۱۰) دسواں گروہ اگرچہ تین ہی عناصر کا قائل تھا، مگر ان کے نزدیک وہ تین ہوا، پانی، اور خاک ہیں۔ آگ اُن کے نزدیک ہوا ہے جس میں شدید حرارت لاحق ہو گئی ہے۔

(۱۱) گیارھویں گروہ کا عقیدہ تھا کہ ساری کائنات تین خاص قسم کے اجزاء دُھن (روغن)، مِلح (نمک)، اور کِبریت (گندھک) سے مرکب ہے۔

یہ اہل اکسیر کا مذہب ہے۔

چار عناصر

(۱۲) بارھواں گروہ وہی ہے، جس کا ذکر علامہ علاء الدین قرشی، مصنف کتاب، نے کیا ہے۔ اور جس کو دنیائے علم میں حیرت انگیز شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ:

عناصر کی تعداد چار ہے: اوّل آگ، جو گرم و خشک ہے؛ دوم ہوا، جو گرم و تر ہے؛ سوم پانی، جو سرد و تر ہے؛ چہارم خاک (مٹی) جو سرد و خشک ہے۔ (قرشی)

یہ مذہب یونان کے مشہور فلاسفہ مَشّائین کا تھا، اس کتاب (مُوجَزُ القَانُون) کی بنیاد اسی فلسفہ پر قائم کی گئی ہے۔

(۱۳) تیرھواں گروہ ان مذکورہ چار عناصر کے علاوہ، ایک

پانچویں عنصر ایتھر کا قائل تھا، جس کو سنسکرت میں اکاش کہتے ہیں۔

عناصرِ کثیرہ

(۱۴) چودھواں گروہ اَصحابِ خَلیط کہلاتا ہے، جن کے نزدیک عناصر کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن اس گروہ نے کسی خاص تعداد پر ان کی حد ختم نہیں کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عناصر خالص صورت میں تقریباً پائے ہی نہیں جاتے، بلکہ کائنات کی ساری چیزیں ملی جُلی یعنی مرکب ہی ہوا کرتی ہیں۔ (خَلیط: مرکب، ملا جُلا)

اس گروہ کے نزدیک موجودہ آگ، پانی، ہوا، اور خاک میں سے کوئی شئے عنصر بسیط نہیں، سب کی سب ممزوج، مخلوط، یعنی مختلف عناصر کی ملی جلی چیزیں ہیں۔

انتباہ: عناصر کے بارے میں ان دنوں جو خیال مشہور ہے، غور سے دیکھا جائے، تو وہ اصحابِ خلیط کے مذہب کی شرح و تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

---

(۲) مزاج

دوسری چیز "مزاج" ہے۔

(ترشی)

قدماء قائل ہیں کہ دو چیزوں میں جداگانہ خواص کی وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ دونوں کے مزاج باہم مغائر ہوتے ہیں، یعنی دونوں کے اندر عناصر ایک ہی تناسب اور مقدار سے نہیں پائے جاتے۔

اُلفت و نَفرت:

حکماء قدیم اس کے بھی قائل ہیں کہ بعض عناصر میں بعض دوسرے عناصر سے "ملنے" کی خاص کشش پائی جاتی ہے جس کو اُلفت (اُلفت کیمیاویہ) کہا جاتا ہے۔

اور بعض عناصر میں کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے، اس لئے وہ کسی طرح باہم ترکیب نہیں پاتے۔ اس کو بُغضت (نفرت کیمیاویہ) کہا جاتا ہے۔

عناصر میں باہم ملنے کی کشش کم و بیش ہوا کرتی ہے، سب میں یکساں نہیں ہوتی۔ باہمی الفت رکھنے والے عناصر ہی کے باہمی امتزاج سے ہمیشہ "مزاج" حاصل ہوا کرتا ہے۔

امتزاج سادہ وحقیقی

پھر امتزاج (باہم ملنے) کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر دو یا زیادہ عناصر باہم سادہ طور پر مل جائیں، اور ان کے سابقہ خواص بدستور قائم رہیں، تو اس کو امتزاج ساذج (سادہ آمیزش) کہتے ہیں، مثلاً پانی اور شکر کا مل جانا۔

(۲) لیکن اگر چند عناصر باہم اس طور پر ملیں، کہ ان کے سابقہ خواص وکیفیات بدل کر بالکل نئے خواص پیدا ہوجائیں، تو اسے امتزاج حقیقی (سچی آمیزش) کہتے ہیں۔

غذاؤں سے خون کا بننا اور اس کے مختلف اجزاء سے مختلف اعضاء کا بننا حقیقی امتزاج کی صورتیں ہیں۔

تعریف

مزاج: اس نئی کیفیت کا نام ہے، جو عناصر کے ملنے کے بعد مرکب میں حاصل ہوتی ہے۔

تقسیم مزاج

امزاج کی قسمیں نو ہیں: ایک معتدل اور آٹھ غیر معتدل۔

قرشی

معتدل اور غیر معتدل

کسی مرکب میں جو عناصر داخل ہیں، ان کا تناسب اگر اس مرکب کے مطلوبہ افعال وخصوصیات کے عین مطابق ہے، تو

ایسے مزاج کو علم طب میں مزاج معتدل کہتے ہیں؛ اور طب میں اسی سے بحث کی جاتی ہے، اسی وجہ سے اس کا نام معتدل طبی ہے۔

اس لحاظ سے سارے حیوانات، نباتات اور جمادات معتدل ہیں، بشرطیکہ وہ طبعی حالت پر ہوں؛ اگرچہ ان سارے مرکبات میں عناصر کی مقداریں مختلف تناسب سے داخل ہیں۔ کسی میں ایک عنصر غالب ہے، تو دوسرے میں دوسرا عنصر اسی طرح ہڈی، گری، گوشت اور چربی وغیرہ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ معتدل ہیں۔ بشرطیکہ یہ اپنے طبعی مزاج یعنی طبعی تناسب عناصر پر قائم ہوں۔

اور جب کسی مرکب کی ترکیب میں کوئی خرابی آجاتی ہے، یعنی عناصر کا طبعی اور موزوں تناسب معدوم ہوجاتا ہے، تو اسے غیر معتدل کہا جاتا ہے، جس کے بعد اس مرکب کے مطلوبہ افعال میں خلل لاحق ہوجاتا ہے؛ اور اگر وہ مرکب انسان، حیوان، یا نبات ہے، تو وہ مریض بن جاتا ہے۔ اسی مدعا کی طرف مصنف نے ذیل میں اشارہ کیا ہے۔

معتدل

علم طب میں معتدل کی اصطلاح تعادُل سے مشتق نہیں ہے، جس کے معنے ساری قوتوں کے برابر ہونے کے ہیں، کیونکہ ایسے معتدل کا بیرونی دُنیا میں کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ اصطلاح عدل فی القِسْمَة سے ماخوذ ہے، جس کے معنے "قدرتی تقسیم میں عدل و انصاف کرنے" کے ہیں)۔

(علامہ قرشی)

چونکہ معتدل طبعی میں قدرت کی طرف سے مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے عناصر بقدرِ ضرورت عطا ہوتے ہیں یعنی اس کی قدرتی تقسیم میں عدل و انصاف پایا جاتا ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ لفظ معتدل "عَدْل فِي الْقِسْمَة" سے نکلا ہے — تعادُل سے نہیں نکلا ہے، جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام ارکان کی قوتیں (تاثیرات) اور ان کی مقداریں برابر برابر ہوں، کیونکہ ایسا کوئی مزاج خارجاً پایا ہی نہیں جاتا۔

غیر معتدل

مزاج غیر معتدل کی دو قسمیں ہیں: مفرد اور مرکب۔

غیر معتدل مفرد کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حار (گرم) (جس میں گرمی ضرورت سے زیادہ ہو)۔
(۲) بارد (سرد) (جس میں سردی ضرورت سے زیادہ ہو)۔
(۳) یابس (خشک) (جس میں خشکی ضرورت سے زیادہ ہو)۔
(۴) رطب (تر) (جس میں تری ضرورت سے زیادہ ہو)۔

غیر معتدل مرکب کی چار قسمیں یہ ہیں:

(۱) حار یابس (گرم خشک) (جس میں گرمی اور خشکی کی زیادتی ہو)۔
(۲) حار رطب (گرم تر) (جس میں گرمی اور تری کی زیادتی ہو)۔
(۳) بارد یابس (سرد خشک) (جس میں سردی اور خشکی کی زیادتی ہو)۔
(۴) بارد رطب (سرد تر) (جس میں سردی اور تری

کی زیادتی ہو)۔
(قرشی)

مزاج مفرد یا غیر معتدل مفرد اُسے کہتے ہیں، جس میں ایک ہی کیفیت ضرورت سے زیادہ ہو، مثلاً محض گرمی یا محض سردی کی زیادتی۔

اور مزاج مرکب یا غیر معتدل مُرکب اُسے کہتے ہیں جس میں دو کیفیتیں ایک ساتھ ضرورت سے زیادہ ہوجائیں، مثلاً گرمی وخشکی دونوں کی زیادتی ہوجائے۔

سوءمزاج

سوءِ مزاج ایک مشہور طبی اصطلاح ہے، جس کے معنی ہیں: مزاج کا بگاڑ — اس سے یہی مزاج غیر معتدل مراد ہے۔ اسی وجہ سے سوءِ مزاج کی بھی آٹھ ہی قسمیں ہیں: چار مفرد اور چار مرکب۔

تمام مزاجوں میں زیادہ معتدل انسان کا مزاج ہے۔
(قرشی)

یہ مسئلہ طب کے مباحث اور اُس کے اعمال سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا، کیونکہ علم طب کے لحاظ سے ہر حیوان، ہر نبات اور ہر مرکب جماد، جبکہ یہ طبعی حالت پر ہوں، معتدل ہے: یعنی ایک تندرست انسان کی طرح ایک تنومند گدھا بھی معتدل ہے۔

اس مسئلہ کا تعلق دراصل یونانیوں کے قدیم فلسفہ سے ہے، کہ مرتب ہیں تمام کمالات و محاسن مزاج کی شرافت کے تابع ہوا کرتے ہیں، جب تک مزاج اشرف و اعلیٰ نہ ہو، اس کے

کمالات بلند و بالا نہیں ہو سکتے۔ اور اشرف مزاج وہی ہو سکتا ہے، جو بالکل معتدل ہو (جس میں عناصر کی مقداریں مساوی ہوں) یعنی معتدل حقیقی ہو، مگر چونکہ معتدل حقیقی کا وجود محال ہے، اِس لئے اس کے بعد سب سے اشرف مزاج وہی ہوگا، جو اِس سے قریب تر ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے، کہ کیا کوئی ذی حیات چیز افراطِ حرارت یا افراطِ برودت کو برداشت کر سکتی ہے؟

مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے کہ افراطِ حرارت یا افراطِ برودت' دونوں، دشمنِ حیات وزندگانی ہیں۔ کھولتے ہوئے یا جمے ہوئے پانی میں نہ کوئی پودا زندہ رہتا ہے' اور نہ کوئی کیڑا؛ لُو اور پالے سے جس طرح جانور مرجاتے ہیں، اسی طرح کھیتیاں بھی تباہ ہوجاتی ہیں۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ نہ حرارت کی زیادتی مناسبِ حیات ہے۔ اور نہ برودت کی، بلکہ اِن دونوں کے درمیان کی کیفیت ہی، جس کو **مزاج معتدل**، یا **مُتوسّط** کہنا چاہیئے، جاندار چیزوں کے لئے موزوں ہے۔ اس لحاظ سے یہی مزاج اشرف ہے۔

اب یہ قرینِ قیاس ہے کہ ذی حیات مرکب جس قدر اشرف و اعلیٰ ہوگا، اُس کے مزاج میں اُسی قدر اعتدال زیادہ ہونا چاہیئے۔

حرارت و رطوبت اور مناسبتِ حیات

شیخ الرئیس بوعلی سینا نے انسان کا مزاج معتدل ترین امزجہ میں سے تسلیم کرتے ہوئے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حرارت و رطوبت حیات کے لئے زیادہ موزوں و مناسب

ہیں، اس لئے جن چیزوں میں حیات ہے، یعنی سارے نباتات وحیوانات (بہ شمول انسان) حرارت و رطوبت کی طرف مائل ہیں۔"

حَرَارتِ غَرِیْزِیّہ

انسان اور دیگر حیوانات کے بدن میں طبعًا جو حرارت پائی جاتی ہے، اُسے حرارتِ غَرِیزِیّہ (حرارت طبعیّہ) کہا جاتا ہے۔
(غَرِیزَة: طبیعت)

یہ حرارت ہمارے بدن میں روح سے اور خون کے مخصوص اجزاء کے احتراق سے پیدا ہوتی ہے۔

روح تو تنفس کی ہواء سے حاصل ہوتی ہے، اور خون کے مخصوص اجزاء غذا سے۔ تولیدِ حرارت کے لئے غذاء اگر وَقُود (ایندھن) کے قائم مقام ہے، تو روح ہواء کے قائم مقام۔ اور یہ ظاہر ہے کہ چراغ کے جلنے میں جس طرح تیل کی ضرورت ہے، اُسی طرح ہواء کی بھی۔ (کامل الصناعة)

یہی حرارت اگر بدن میں غیر معمولی طور پر زیادہ پیدا ہونے لگے جیسا کہ بخار میں دیکھا جاتا ہے، تو اُسے حَرَارتِ غَرِیبہ کہا جاتا ہے۔

معتدل ترین ممالک

اس بارے میں حکماء قدیم کے دو گروہ ہیں:
(۱) ایک گروہ کا قول ہے، جس میں بو علی سینا شریک ہیں کہ

انسان کے مختلف اصناف میں خطِ استواء کے باشندے زیادہ معتدل ہیں، اس کے بعد چوتھی اقلیم کے باشندے۔ (قرشی)

(ب) دوسرا گروہ کہتا ہے، جس میں امام رازی داخل ہیں کہ "چوتھی اقلیم کے باشندے سب سے زیادہ معتدل ہیں اور خطِ استواء کے باشندے بہت زیادہ گرم ہیں"
یعنی معتدل سرزمین چوتھی اقلیم ہے، اور خطِ استواء بہ افراطِ حار۔

خطِ استواء

خطِ استواء وہ فرضی خط یا دائرہ ہے، جو زمین کے گولے (کرۂ زمین) پر پورب سے پچھم تک جاتا ہے، اور پھر گھوم کر پچھلے سرے سے مل جاتا ہے۔ اس دائرہ کی وجہ سے کرۂ زمین دو برابر کے حصّوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ یہ دونوں حصّے نصف شمالی اور نصف جنوبی ہوں گے۔
اس کو خطِ استواء اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں دن رات تقریبًا مساوی (برابر) ہوا کرتے ہیں۔ (استواء: برابر ہونا)
کرۂ زمین کے اسی خط (خطِ استواء) کی سیدھ میں، یعنی اس کے محاذی ایک خط اگر آسمان پر فرض کیا جائے، تو اُسے مُعَدِّلُ النَّہار (دن کا برابر کرنے والا) کہتے ہیں، کیونکہ جب سورج اس خط پر پہنچ جاتا ہے، تو دن رات بالکل برابر ہوجاتے ہیں۔

رُبعِ مسکون اور سات اقلیم

قدیم علمائے جغرافیا کا یہ خیال تھا کہ کرۂ زمین کی محض ایک چوتھائی آباد ہے، اس لئے اس کو رُبعِ مَسکُون کہتے ہیں۔
(رُبع: چوتھائی۔ مَسکُون: آباد)
کرۂ زمین کی اس چوتھائی کو خطِ استواء سے شمال کی طرف قطبِ شمالی تک سات ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، پہلی اقلیم

خطِ استوار کے قریب ہے؛ اور ساتویں اقلیم قطب شمالی کے قریب:

نقشہ اقالیم سبعہ (ہفت اقلیم)

مزاجِ اقالیم
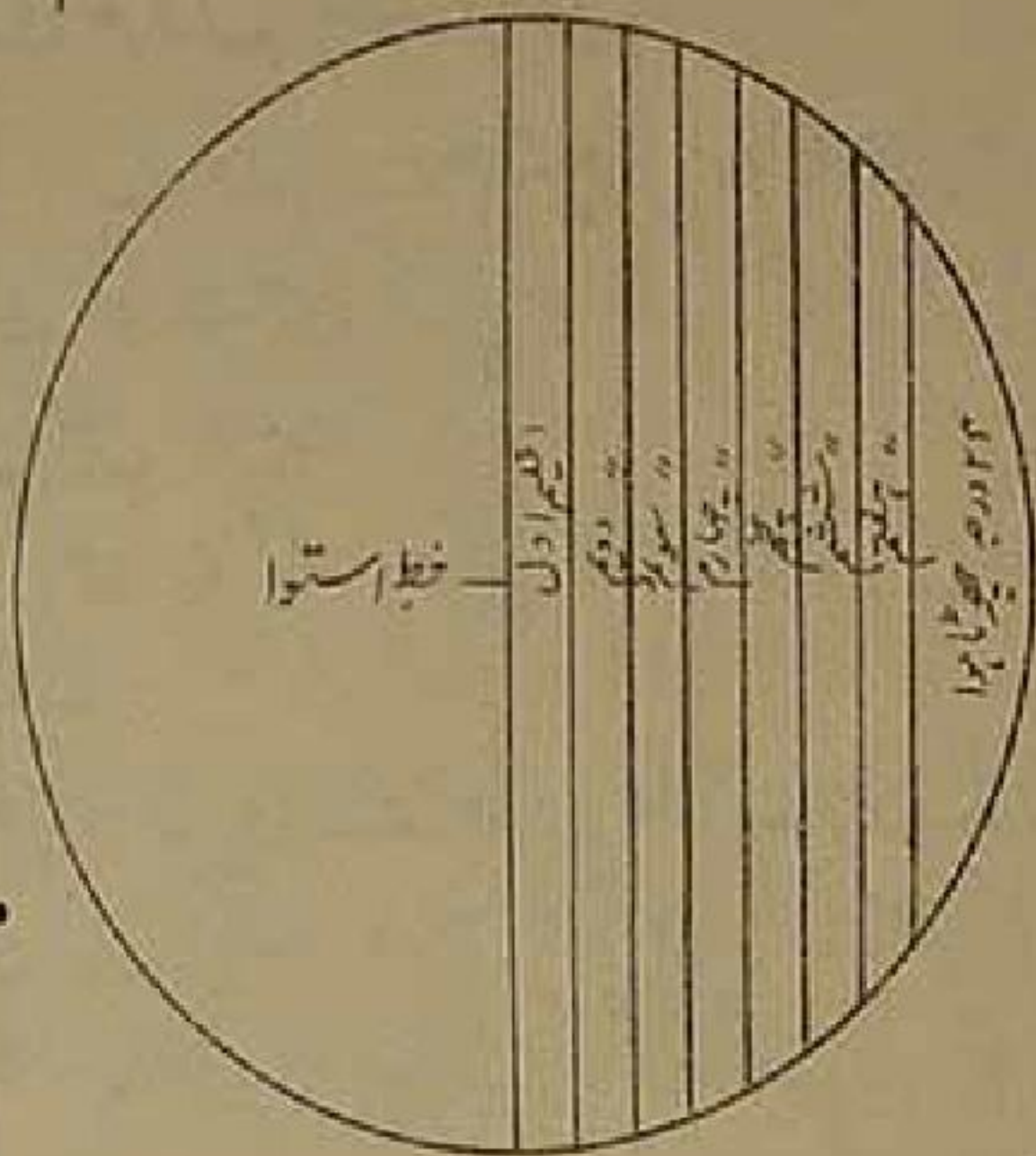
ساتوں اقالیم میں سے اخیر کی اقلیمیں، جو قطبِ شمالی سے قریب ہیں، سرد ہیں، جہاں آفتاب کی شعاعیں ترچھی پڑا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے یورپ کی سرزمین میں برودت کافی ہوا کرتی ہے؛ اور روس کا وہ علاقہ جو قطب شمالی سے قریب ہے بہت ہی ٹھنڈا ہے، مثلاً سائبیریا۔

اسی طرح ابتدائی اقالیم، جو جنوب کی طرف خطِ استوا، سے قریب واقع ہیں، وہاں سورج کی کرنیں کم و بیش سیدھی پڑا کرتی ہیں، (سَمت الراس پر پڑا کرتی ہیں)، اس لئے وہاں گرمی کی شدت ہوتی ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ شمال کی اقلیمیں ٹھنڈی ہیں، اور جنوب کی گرم، تو درمیان کی اقلیم (چوتھی اقلیم) کو لامحالہ معتدل ہونا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ چوتھی اقلیم سب سے زیادہ آباد ہے۔

مختلف عمروں کے مزاج

عمروں کے لحاظ سے جوان زیادہ معتدل ہوتے ہیں، اور بچے حرارت میں اگرچہ جوانوں کے برابر ہوتے ہیں، مگر بچوں میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے بچوں کی حرارت نرم اور ہلکی، اور جوانوں کی حرارت تیز ہوتی ہے۔

ادھیڑ اور بوڑھے سرد و خشک ہوتے ہیں، مگر بوڑھوں میں ایک عارضی اور اوپر سے تر کرنے والی رطوبت (رطوبۃ غریبہ بالّۃ) زیادہ ہوتی ہے۔

(علامہ قرشی)

عمر کے درجات

اَسنَان، یعنی عمروں کو چار درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے، جیسا کہ عوام میں بھی مشہور ہے۔

(۱) سنِ نمو، (۲) سنِ وقوف، (۳) سنِ کہولت، (۴) سنِ شیخوخت

یہی اَسْنَانِ اَرْبَعَہ ہیں (اَسْنَان: عمریں۔ اَرْبَعَہ: چار)

(۱) سِنِّ نُمُو (نشو و نما کا زمانہ): اس عمر میں اعضا بڑھتے رہتے ہیں، یہ تقریباً ۳۰ سال تک کا زمانہ ہے۔ مصنف کے قول میں "بچے" سے یہ پورا زمانہ مراد ہے؛ جو جوانی سے پہلے واقع ہے، نہ کہ بچپن کا ابتدائی زمانہ، جبکہ بچہ گود میں رہتا ہے۔

(۲) سِنِّ وُقُوف: اس میں نہ اعضا بڑھتے ہیں، اور نہ گھٹتے

ہیں۔ اس کو سنِ شباب (جوانی کی عمر) کہتے ہیں۔ یہ سن نمو کے بعد تقریباً ۳۵ یا ۴۰ سال تک کا زمانہ ہے۔
(وُقوف: ٹھہراؤ۔ شباب: جوانی)

(۳) سنِّ کہُولت (ادھیڑ عمر): اس عمر میں نقصان اور قوائے کا انحطاط ہوتا ضرور ہے، مگر زیادہ نمایاں نہیں ہوتا یہ وقوف کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک کا زمانہ ہے۔
(کہُولت: ادھیڑ ہونا)

(۴) سنِّ شیخوخت (بڑھاپے کی عمر): اس عمر میں نقصان اور انحطاطِ قوائے محسوس طور پر ہوتا ہے؛ رطوبت غریزی اور حرارتِ غریزی بدن میں کم ہوجاتی ہے۔ یہ سنِ کہولت کے بعد آخر عمر تک کا زمانہ ہے۔ (شیخوخت: بوڑھا ہونا)

انتباہ: چاروں عمروں کی مدتِ ابتدا و انتہا، جو اوپر لکھی گئی ہے، یہ تقریبی ہے۔ اور مردوں کے لحاظ سے بتائی گئی ہے۔ عورتوں میں یہ مدتیں کچھ چھوٹی ہوتی ہیں، اس لئے ان میں لازماً فرق ہوگا۔

Temperament of body organs

مزاجِ اعضاء

جالینوس کی ترتیب

مزاج اعضاء کے سلسلے میں جالینوس نے ایک خاص ترتیب قائم کی ہے، جسے شیخ الرئیس، صاحبِ کامل، اور دیگر مصنفین نے اتباعاً نقل کردیا ہے، اور علامہ علاء الدین قرشی صاحب موجز نے بھی ان ہی مصنفین کی پیروی کی ہے۔

چونکہ یہ ترتیب کمزور قیاسات پر مبنی ہے، اس لئے شیخ الرئیس

نے اس پر پورا اعتماد نہیں کیا ہے، جیسا کہ حکیم علی حسین گیلانی، شارح قانون نے اس کی تصریح کی ہے۔
جالینوس کی بتائی ہوئی ترتیب یہ ہے:

اعضاء معتدلہ

تمام اعضاء میں زیادہ معتدل، شہادت کی اُنگلی (سبّابہ) کے اگلے پورے کی جلد ہے۔ اس کے بعد دوسری انگلیوں کے اگلے پوروں کی جلد، اس کے بعد عام انگلیوں کی جلد، اس کے بعد ہتھیلی کے گڑھے (راحہ) کی جلد، اس کے بعد پنجہ (کَفّ) کی جلد اس کے بعد ہاتھ کی جلد، اور اس کے بعد سارے بدن کی عام جلد۔

(علامہ قرشی)

راحہ اس گڑھے کو کہتے ہیں، جو ہتھیلی میں ہوتا ہے، اور جس کے اندر پانی وغیرہ ٹھہر جاتا ہے

جلد کا اعتدال

شیخ نے جلد کے معتدل ہونے پر چند دلائل بیان کئے ہیں لیکن علامہ علی حسین گیلانی، شارح قانون نے ان پر متعدد شکوک بھی وارد کئے ہیں، الغرض جلد کو معتدل اگر کہا جا سکتا ہے، تو محض ظن و تخمین کے ساتھ، نہ کہ اذعان و یقین کے ساتھ

اعضائے حارّہ

تمام اعضاء میں زیادہ گرم قلب ہے، اس کے بعد

جگر، اور اس کے بعد گوشت۔

(علامہ قرشی)

اعضائے حارّہ (گرم اعضاء) سے مراد وہ اعضاء ہیں جن میں حرارت نسبتۃً زیادہ پیدا ہوتی ہے؛ اور حرارت اُن ہی اعضاء میں زیادہ پیدا ہوتی ہے، جن میں خون زیادہ پہونچتا ہے۔

ابو سہل مسیحی نے خوب کہا ہے:

"جن اعضاء میں خون کی مقدار زیادہ ہے، وہ گرم ہیں، اور جن میں خون کی مقدار کم پہونچتی ہے، وہ سرد ہیں۔"

قلب کی حرارت: قلب کا اصلی جوہر بھی دراصل ایک قسم کا گوشت (لَحْم) ہے، جو ہمہ دم متحرک رہتا ہے؛ اور یہ مسلّم ہے کہ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرکت میں بدن کا کوئی عضلہ قلب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

جگر کی حرارت کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بدن کے اندر سب سے بڑا مَطْبَخ (باورچی خانہ) ہے، جہاں تقریباً تمام اعضاء کے لئے غذا پکتی ہے۔ اسی عمل کو **ھَضْمِ کَبِدِی** کہا جاتا ہے۔ **ھَضْم** کے معنی تغیّر و تبدّل کے ہیں، جس کو **اِسْتِحَالَہ** بھی کہا جاتا ہے، اور کَبِد عربی میں جگر کو کہتے ہیں۔

اطبّاء سچ کہتے ہیں کہ "جس طرح ہضم و استحالہ حرارت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ ہضم و استحالہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پھر ہضم و استحالہ کی رفتار اور مقدار جس قدر زیادہ ہوگی، اُسی قدر حرارت زیادہ پیدا ہو گی۔"

الغرض جو اعضاء زیادہ کام کرتے ہیں، وہیں تغیّرات بھی زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ مسلّم ہے کہ جو اعضاء زیادہ کام کرتے ہیں، وہ روح اور خون بھی زیادہ مانگتے ہیں؛ اور جہاں روح اور

خون زیادہ صرف ہوں گے، وہاں حرارت کی تولید بھی زیادہ ہوگی۔

گوشت کی حرارت

گوشت جس کو عربی میں لَحْم کہتے ہیں، وسیع مفہوم رکھتا ہے:

(۱) عضلات کے اندر عروق، اعصاب اور رباطات کے علاوہ ایک لحمی جوہر پایا جاتا ہے۔ جسے لَحْم عَضَلِی کہا جاتا ہے، خواہ ارادی ہو، یا غیر ارادی۔

(۲) گلٹیوں کے اصلی جوہر میں بھی (عروق و اعصاب و رباطات کے علاوہ) ایک مخصوص لَحْم پایا جاتا ہے، جسے لَحْم غُدّی کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عضلات ہوں یا گلٹیاں، سارے گوشت گرم ہیں، یعنی کم و بیش فرق کے ساتھ سب میں خون اور روح کی کافی مقدار پہونچتی ہے۔ اور کافی تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں عروق کی بھی کثرت ہوتی ہے۔

چربی اور رواج (شحم اور سمین)

شیخ الرئیس (بوعلی سینا) نے اَدْوِیَۂ مُفْرَدہ میں شحم و سمین کو گرم لکھا ہے، اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ بدنی حرارت کے لئے یہ بہترین وَقُود (ایندھن) ہے۔

علامہ محمود آملی کہتے ہیں کہ چربی بدن میں حرارت اس طرح پیدا کرتی ہے، جس طرح سوکھے تنکے اور گھاس پھونس جو خواہ بالفعل بارد ہوں، جب آگ پر ڈالے جاتے ہیں، تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ بدن کے اندر چربی کو جلانے کے لئے

مخصوص حرارت کی ضرورت ہے۔ اگر وہ حرارت نہ ہوگی، تو تہ
ایندھن جلنے اور صرف ہونے کی بجائے اکٹھا ہوتا چلا جائیگا۔
چنانچہ کسی شخص کے بدن میں چربی کی جب بڑی مقدار جمع
ہوجاتی ہے، تو اسے بلغمی اور باردالمزاج کہا جاتا ہے۔
اسی مُدّعا کو ابو سہل اس طرح بتا رہا ہے:۔
"بدن کے اندر چربی کا بنانے والا سبب (سبب فاعل)
برودۃ ہے، یہی وجہ ہے کہ ابدان حارّہ (گرم مزاجوں)
میں یہ نہیں پیدا ہوتی"۔ (یعنی کم پیدا ہوتی ہے)۔

اعضاء بارده

تمام اعضاء میں زیادہ بارد (سرد) ہڈی ہے،
اس کے بعد کرّی (غضروف)۔ اس کے بعد رباط،
اس کے بعد پٹھے (اعصاب)، اس کے حرام مغز
(نخاع)، اور اس کے بعد دماغ،

(علامہ قرشی)

یعنی یہ اعضاء وہ ہیں، جن میں حرارت نسبتہً کم پیدا
ہوتی ہے؛ اور اسی لحاظ سے ان کو "اعضائے بارده" کہا
جاتا ہے۔

یہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ اعضائے حارّہ، بارده وغیرہ کی
یہ ترتیب جالینوس کی قائم کی ہوئی ہے، جس کو دلائل
سے ثابت کرنا آسان نہیں۔

یہ بھی اوپر واضح کردیا گیا ہے کہ جن اعضاء میں تغیرات
و استحالات کی رفتار تیز ہے، وہی زیادہ حارّ ہیں؛ اور جن

اعضاء میں تغیرات کی رفتار سست ہے، وہاں حرارت کم پیدا ہوتی ہے، اور وہ "بارد" کہلاتے ہیں۔

چنانچہ یہ سارے اعضاء اسی قسم کے ہیں، جہاں تبدیلیاں نسبۃً کم واقع ہوتی ہیں۔

رباط: پٹھوں کے مانند سفید مستحکم اور بے حس عضو ہے۔ جس سے علی العموم ہڈیاں اور ان کے جوڑ بندھتے ہیں، عضلات کے اوتار (لنسوں) میں بھی رباطی جوہر کی کثرت ہوتی ہے، جو عضلات کو دوسرے متصلہ اجزاء کے ساتھ باندھتے ہیں۔

رباط ربط سے مشتق ہے، جس کے معنی باندھنے کے ہیں۔ یہ بہت ہی کثیر الوقوع اور عام ساخت ہے۔ مذکورہ اعضاء کے علاوہ بیشتر جھلیاں[1] اسی سے بنتی ہیں، شرائین و اوردہ کی دیواروں میں بھی یہ پائی جاتی ہے، اور جگر، گردہ، طحال، شش وغیرہ کی ترکیب میں بھی رباطی ساخت پائی جاتی ہے

اعصاب: سفید ڈوریاں ہیں، جو دماغ اور حرام مغز سے نکل کر اعضاء میں پھیلتی، اور حس و حرکت کی قوت منتقل کرتی ہیں۔

اعضاءِ رطبہ

تمام اعضاء میں زیادہ رطب سمین (رواج)

---

[1] علامہ نفیس نے بحث اعضاء میں تصریح کی ہے کہ وتر، اغشیہ، شرائین اور اوردہ کی ساخت میں اعصاب اور مرابطات پائے جاتے ہیں۔ یعنی یہ ان دونوں چیزوں سے بنتے ہیں۔

ہے، اس کے بعد شَحْم یعنی گاڑھی چربی، اس کے بعد ڈھیلا گوشت، یعنی گلٹی، اس کے بعد دماغ، اس کے بعد حرام مغز (نخاع)۔

(علامہ قرشی)

سمین (رواج) وہ چربی ہے، جو علی العموم گوشت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے اندر روغنی مادّہ معمولی حالات میں نیم منجمد ہوتا ہے، یعنی اس کے انجماد میں (بمقابلہ شحم کے) زیادہ برودت کی ضرورت ہوتی ہے۔

شحم (گاڑھی چربی) چربی کی وہ مخصوص قسم ہے، جو عموماً جھلیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ اس کے اندر جو روغنی مادّہ ہوتا ہے، وہ معمولی حالات میں منجمد ہوتا ہے۔

سمین و شحم دونوں اعضاء ہیں، جن کے اندر روغنی مادّہ بطور ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ ان سے خود روغن مراد نہیں ہے۔

اعضائے یابسہ

تمام اعضاء میں زیادہ خشک بال ہیں، اس کے بعد ہڈی، اس کے بعد کری، اس کے بعد رباط، اور اس کے بعد اعصاب۔

(قرشی)

یابس: وہ اعضاء ہیں جن میں رطوبت نسبتہً کم ہوتی ہے، خواہ کسی صورت میں ہو۔ چنانچہ بال اور ہڈی کا مقابلہ کرتے ہوئے علامہ نفیس لکھتے ہیں:

"اگر ہڈی اور بال کی مساوی مقداریں لے کر قرع انبیق کے ذریعہ الگ الگ عرق چلائیں، تو بالوں کی نسبت ہڈی سے پانی اور روغن زیادہ نکلے گا، اور تھوڑا سا کلسی (چونا) باقی رہ جائے گا۔"

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہڈی کے مقابلہ میں بال زیادہ خشک ہیں۔

اِس قسم کے تجارب کے علاوہ اطباء نے یبوست کے لئے عام طور پر **صلابت** (سختی) کو معیار قرار دیا ہے، یعنی جو اعضاء قوام میں زیادہ سخت ہیں، وہ زیادہ خشک ہیں۔

شیخ نے اعضائے یابسہ کا شمار دوسری ترتیب سے کیا ہے، لیکن یہ واضح رہے، کہ اس قسم کے مسائل کا طبیب کے طبی فرائض و اعمال کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

مزاجِ اَدویّہ

دواءِ حار، بارد، اور معتدل سے کیا مراد ہے

شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

"اطباء جب کسی دواء کے متعلق کہتے ہیں کہ "یہ معتدل ہے" تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوا کرتی کہ یہ دوا حقیقت میں معتدل ہے، کیونکہ یہ تو غیر ممکن ہے، کہ دنیا میں کوئی چیز حقیقی طور پر معتدل ہو۔"

"بلکہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ دواء جب وارِدِ بدن ہو کر بدن کی حرارتِ غریزی سے متاثر ہوتی ہے، اور اعضاء کی قوتِ ہاضمہ سے اس کے اجزاء نکل آتے ہیں، جن کو عمل کرنے کا موقعہ مِل جاتا ہے، تو بدنِ انسان میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جو انسانی کیفیت (انسانی مزاج) سے کسی طرف ہٹی ہوئی نہیں ہوتی، اس لئے اِس سے

بدن میں کوئی ایسا اثر نہیں پیدا ہوتا، جو اعتدال سے ہٹا ہوا ہو؛

"گویا کہ وہ اپنے فعل کے لحاظ سے معتدل ہے۔"

"اسی طرح مثلاً جب اطباء کسی دوار کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ دوار گرم ہے، یا سرد ہے، تو اس سے اُن کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اِس دوار کا جوہر نہایت درجہ ٹھنڈا یا گرم ہے۔"

"اور نہ اس سے اُن کی یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کا جوہر بدن انسان سے گرم یا ٹھنڈا ہے۔

بلکہ اس سے اُن کی یہ مراد ہوا کرتی ہے کہ اِس دواء کے عمل کی وجہ سے بدنِ انسان کی حرارت درجۂ اعتدال سے بڑھ جاتی یا گھٹ جاتی ہے۔" اگر حرارت بڑھ جاتی ہے، تو دوار کو حارّ کہتے ہیں، اور اگر گھٹ جاتی ہے، تو دوار کو بارد کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر حرارت نہ گھٹتی ہے، اور نہ بڑھتی ہے، تو دواء کو معتدل کہتے ہیں۔

اخلاط (۳)

اُمور طبیعیہ میں سے تیسری چیز اخلاط ہے۔

(قرشی)

اخلاط کا مفہوم

جس طرح بیرونی دنیا میں مادہ کی محض تین شکلیں پائی جاتی ہیں : (۱) بخاری (ہوائی) — (۲) سیال (مائع) — (۳) جامد

اسی طرح بدن انسان میں بھی مادہ کی یہی تین شکلیں پائی جاتی ہیں، اور ان ہی تین قسم کی چیزوں کا مجموعہ انسانی جسم کہلاتا ہے۔

چنانچہ :-

(۱) جسم انسان کے اندر بخاری (ہوائی) شکل کے اجزاء اَرواح کہلاتے ہیں۔

(۲) سیال اجزاء اَخلاط اور رطوباتِ بدن کہلاتے ہیں۔

(۳) جامد اجزاء اَعضاء کہلاتے ہیں۔

(ابوسہل مسیحی)

خلط کے لغوی معنے :

خلط کے لغوی معنے "ملی ہوئی چیز" کے ہیں۔

بدن کے اندر جو رطوبات پائی جاتی ہیں، ان میں خون، بلغم، صفراء یا سوداء، بحیثیت ایک جزء یا ملی ہوئی چیز کے شریک رہتا ہے،

اسی لئے اِن سب کو اخلاط کہا جاتا ہے۔

ابوالطب بقراط اخلاطِ چہارگانہ کو "رطوباتِ اَصلیہ" کی اصطلاح سے یاد کرتا ہے۔

خِلط کی تعریف:

خِلط وہ بدنی رطوبت ہے، جو غذا کے تغیر واستحالہ (استحالۂ جوہری) سے حاصل ہوتی ہے۔

بہ الفاظِ دیگر

خلط بدنِ انسان کا وہ جسم رطب سیّال ہے، جو غذا کے ہضم و تغیر (انقلاب) سے پیدا ہوتا ہے۔

توضیح: انواع و اقسام کی غذائیں جو انسان کھاتا ہے، منہ ہی سے اِن میں ہضم و تغیر شروع ہوجاتا ہے؛ اور معدہ وامعاء میں اعضاء کی حرارت اور رطوباتِ ہاضمہ کی امداد سے مزید تغیرات واقع ہوکر ان کا خلاصہ (کَیلُوس) بن جاتا ہے۔

پھر یہ خلاصہ رگوں میں منجذب ہوکر جگر اور دوسرے اعضاء تک پہنچ جاتا ہے، جہاں قسم قسم کی اور بے شمار تبدیلیوں کے بعد مختلف قسم کے مواد و رطوبات حاصل ہوجاتے ہیں۔ ان ہی کو "اَخلاط" کہا جاتا ہے۔

اخلاط کے بنانے میں بہت سے اعضاء (تقریباً سارے اعضاء) حصہ لیتے ہیں، مگر ان سب میں جگر کا حصہ سب سے زیادہ اور سب سے اہم ہے۔

غذائیہ غذا کے بیشتر اجزاء معدہ اور آنتوں سے ان کی مخصوص رگوں (وریدوں: ماساریقا) اور بابُ الکَبِد کے ذریعہ راست جگر میں داخل ہوتے ہیں؛ اور کچھ اجزا عروق مَصّاصہ (عروقِ جاذبہ) کی راہ وریدوں میں داخل ہوکر، اور خون کے عام سیلاب میں

ملنے کے بعد جگر تک پہنچتے ہیں۔

ہضوم اربعہ (چار ہضوم)

یہ واضح ہونا چاہیئے کہ بدن کے ہر حصے میں ہر لحہ تغیر و استحالہ جاری رہتا ہے (علامہ نفیس)

اِن سارے اَن گنت ہضوم و تغیرات کو بہ ترتیب هَضْمِ مِعْدِی[1]، هَضْمِ کَبِدِی[2]، هَضْمِ عُرُوقی[3]، اور هَضْمِ عُضْوِی[4] میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

ہضم معدی وہ تغیر ہے، جو غذا میں منہ، معدہ اور امعاء کے اندر واقع ہوتا ہے۔

اِن چہار گانہ ہضوم سے کارخانۂ بدن میں بے شمار چیزیں پیدا ہوکر خون کے بہاؤ میں شامل ہوتی رہتی ہیں؛ اور ان ہی غیر محدود چیزوں کے مجموعہ کا نام عرفِ عام میں خون ہے۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اخلاطِ خون یا اجزاءِ خون کے بنانے میں کم و بیش سارے اعضاء شریک ہیں۔

اخلاط کے اس مجموعہ میں ہر عضو کی خوراک کا سامان ہوا کرتا ہے، اور ہر عضو کے فضلات بھی اس میں موجود ہوتے ہیں۔

اخلاط کے مقامات:

اخلاط کے مقامات دو ہیں:۔

(۱) عروق، مثلاً شریانیں، اور وریدیں، اور اِن دونوں کے بیچ میں عروق شعریہ۔ اسی طرح اور بھی نالیاں اور مَجاری ہیں، جن میں صفراء، اخلاط بولیہ، مائیت خون وغیرہ بھری رہتی ہیں۔

(۲) عروق سے باہر اعضاء کے رخنے اور خلائیں، جن کو خَلَلِ اَعْضَاء اور تَجَاوِیفِ بَیْنَ الْاَعْضَاء کہا جاتا ہے۔

اعضاء کا تغذیہ اخلاطِ خون سے اس طرح ہوتا ہے کہ رگوں کے اندر جو رطوبات موجود ہیں، ان کا رس، یا قیمتی جوہر (شفاف پانی جیسی رطوبت) عروقِ شعریہ کی دیواروں سے مترشح ہوکر ان دخنوں یا خلاؤں میں چلا جاتا ہے، جو اعضاء کی ساخت میں پائی جاتی ہیں، اور وہاں شبنم یا ننھی ننھی بوندوں کی طرح پڑا ہوتا ہے: پھر اعضاء کی **قوتِ جاذبہ** ان کو اپنے جوہر میں جذب کرکے، اور **قوتِ مُغَیّرہ** ان میں استحالہ پیدا کرکے اِن اعضاء کے رنگ، قوام اور مزاج میں تبدیل کرلیتی ہے۔

اخلاط کی تعداد

اخلاط کی تعداد میں متعدد مذاہب ہیں، اِن میں پہلا اور سب سے مشہور مذہب یہ ہے:

> **اخلاط تعداد میں چار ہیں:**
> (۱) سب سے بہتر خلط خُون ہے۔ —— (۲) اس کے بعد بلغم، —— (۳) پھر صفراء، —— (۴) اور آخر میں سوداء۔
>
> علامہ قرشی

اخلاط کے چار ہونے کی سب سے بڑی دلیل تجربہ ومشاہدہ ہے جس کو استقراء کہا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ نفیس، علی گیلانی، اور محمود آملی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

اس جماعت بندی کا ذریعہ مادہ کی نمایاں خصوصیت — رنگ کو قرار دیا گیا ہے، جس میں بدن کی ہر رطوبت ملبوس نظر آتی ہے۔

الغرض جب رنگ منشائے تقسیم قرار پایا، تو متقدمین کے استقراء نے بدن کی ساری رطوبتوں کو، بلحاظِ رنگ، چار بڑے خانوں میں منقسم کردیا:

(۱) سُرخ (خلط اَحْمَر) — خون، یا حَمْراء۔

(۲) زَرد (خلط اَصْفَر) — صفراء۔

(۳) سیاہ (خلط اَسْوَد)، جس میں نیلے رنگ کی رطوبات بھی شامل ہیں — سَوْداء۔

(۴) سفید (خلط اَبْیَض) جس میں بے رنگ رطوبتیں بھی داخل ہیں — بَلغم، یا بَیْضاء۔

نظریۂ اخلاط اور بقراط

نظریۂ اخلاط کے بانی بُقراط[1] نے سب سے پہلے یہ تعلیم دی کہ:

(۱) خون میں سُرخ اجزاء کے ساتھ سفید، زرد اور سیاہ اجزاء بھی پائے جاتے ہیں، جو سُرخ رنگ میں دبے رہتے ہیں، یہی چاروں اجزاء "اَخلاطِ اَربعہ" کہلاتے ہیں، جن سے انسان کی صحت و بیماری وابستہ ہوتی ہے۔

(۲) یہ سارے اجزاء خون میں ایک خاص تناسب سے ملے جلے رہتے ہیں، جس سے صحت قائم رہتی ہے۔ اور جب اِس تناسب میں بلحاظ کمیّت یا کیفیت فرق واقع ہوتا ہے، تو صحت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ (۲)

اخلاط کی یہ تقسیم ایک کُلّی تقسیم ہے

بقول علامہ گیلانی اخلاط کی یہ چہارگانہ تقسیم ایک کلی

---

[1] بقراط: ولادت سنہ ۴۶۰ قبل مسیح

[2] بقراط کے دونوں اصلی اقوال اس کی اپنی کتاب طبیعۃ الانسان میں ہیں، جن کے ترجمے عربی زبان میں کامل الصناعۃ میں اور اُردو میں سلطان الحکمۃ میں درج ہیں۔

تقسیم ہے، جس کے معنے یہ ہیں کہ اس تقسیم کی اور بھی ذیلی تقسیمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک قسم سفید کا نام اگر بلغم، اور ایک قسم زرد کا نام اگر صفراء ہے، تو اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ بلغم ایک واحد نوع ہے، جس کے ذیل میں مختلف الماہیتہ چیزیں نہیں نکل سکتیں۔ اور صفراء ایک منفرد رطوبت ہے، جس کی ماہیت و حقیقت اور ترکیب و مزاج میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف ترکیب و مزاج کی رطوبتیں اگر سفید ہیں، تو سب کی سب جنس بلغم ہی کی فہرست میں شمار کی جائیں گی۔ اسی طرح مختلف خواص کی رطوبتیں اگر زردی میں متحد ہیں، تو اس پوری جماعت کو جنس صفراء ہی کا لقب بخشا جائے گا۔ الغرض چار اخلاط دراصل چار گروہ ہیں، اور ہر گروہ مختلف الحقائق اقسام پر مشتمل ہے۔

مرکب اخلاط کا تصفیہ دو یا زیادہ خلطیں باہم مل کر جب کوئی نیا رنگ پیدا کرلیتی ہیں، تو تلاش و تحقیق کے بعد جس خلط کا غلبہ کسی طور پر نمایاں ہوتا ہے، اسی خلط کے خانہ میں اسے داخل کردیا جاتا ہے۔

خون اخلاط کا آمیزہ (مزیج) ہے

ابو سہل مسیحی فرماتے ہیں،

"سارے اخلاط خون کے ساتھ مخلوط اور متحد ہوتے ہیں"

"وہ جسم (جسم سیال) جو عروق کی تجویف میں گھرا ہوا، اور چاروں اخلاط جس میں ملے جلے ہوتے ہیں، خون کہلاتا ہے"

یہ مجموعہ "خون" اس لئے کہلاتا ہے کہ اس کا جزو سرخ یعنی خلطِ خون (حمراء) کی سرخی باقی اخلاط کے رنگ کو چھپا لیتی ہے۔

خون اور دُودھ کی مشابہت

ابوسھل اور صاحب کامل دونوں نے خون کو دودھ سے تشبیہ دی ہے۔

ابوسہل کے الفاظ یہ ہیں :-

" دودھ جو بچہ کی غذا ہے، اس خلط سے مشابہ ہے، جو عروق میں محصور ہوتی ہے، اور جو چاروں اخلاط سے مرکب ہوتی ہے۔"

دوسرے مقام پر امام موصوف فرماتے ہیں :-

" خون میں ایک چیز زرداب (صدیں، آب خون) جیسی پائی جاتی ہے، جو اس مائیت کے مانند ہے، جو دودھ میں پایا جاتا ہے (اور دودھ کے جمنے پر اس سے الگ ہوجاتا ہے)۔"

یہ خلط صفراء ہے

" نیز اس میں ایک چیز ثُفل اور گاد کی سی پائی جاتی ہے، جس کی نظیر دودھ میں پنیر ہے۔"

اس سے مُراد خون کا جما ہوا لوتھڑا (عَلَقَہ) ہے۔

" گاہے خون میں خُیوط (دھاگے) بھی نظر آتے ہیں؛ اور گاہے اس کی بالائی سطح پر ایک باریک سفید چیز (تیرتی ہوئی) نظر آتی ہے۔" (غَمَامَۃٌ بَیضَاء)؛

یہ دونوں چیزیں جنس بلغم میں داخل ہیں،

" بسا اوقات ایک غلیظ چیز تلے میں بیٹھ جاتی ہے۔"

جو سیاہ ہوتی ہے، اور جس کو علامہ علی حسین گیلانی نے دوات کی سیاہی سے تشبیہ دی ہے؛ یہ جنس سوداء میں داخل ہے۔

اخلاط اربعہ اور علی گیلانی کا مشاہدہ

علامہ علی حسین گیلانی فرماتے ہیں :

"اخلاط کے چار ہونے پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان سب میں بہترین دلیل مُشاھَدَہ ہے۔"

"چنانچہ فصد کے ذریعہ جو خون خارج ہوتا ہے (اور اُسے ایک مدت کے لئے کسی ظرف میں چھوڑ دیا جاتا ہے) اس کا رُغوہ یعنی بالائی حصّہ صفراء ہے۔" (گیلانی)

(۱) اسی کو ابو سہل مسیحی نے صدید (آب خون) کہا ہے:

(۲) یہ سیال زردی مائل ہوتا ہے۔

"اس لطیف حصے کی مغایرت خون سے ظاہر ہے" (گیلانی)

جو جمے ہوئے لوتھڑے (عَلَقَہ) کی صورت میں ہوتا ہے۔

"اور جب فصد کا خون گرم پانی میں لیا جاتا ہے، تو (مذکورہ بالا ہر دو اجسام کے علاوہ) دو اور اجسام بھی ظاہر ہوتے ہیں: ایک سفید جسم انڈے کی سفیدی کے مانند، اور دوسرا سیاہ غلیظ جسم، جو تلے میں ہوتا، اور جس کی سیاہی دوات کی سیاہی کے مانند ہوتی ہے۔" (گیلانی)

سفید جسم بلغم ہے، اور سیاہ جسم سوداء۔

انتباہ: یہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ خون کے متعدد اجزاء میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ متغیر ہو کر سیاہ ہو جاتے ہیں پھر یہی سیاہ اجزاء خلطِ سوداء کہلاتے ہیں۔

اس قسم کے تغیرات جس طرح بدن سے باہر ہوا کرتے ہیں، اسی طرح جسم کے اندر بھی؛ اور خلط سَوْدَاء کا وجود طبعی اور غیر طبعی دونوں حالات میں ثابت ہے۔:

جلد، بال، طبقہ مشیمیہ، خون وغیرہ میں سوداء کا وجود طبعی ہے۔ اور ورم سوداوی، بول سوداوی، براز سوداوی، اور جلد کی سوداویت وغیرہ میں اس کا وجود غیر طبعی۔

خلط طبعی اور غیر طبعی

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

"خلط محمود (خلط طبعی) وہ ہے، جو اس قابل ہو کہ وہ تنہا، یا غیر کے ساتھ مل کر جوہر مغتذی (جوہر عضو) کا ایک جزو بن جائے، اور اس کے مشابہ ہو جائے (یعنی وہ اپنی ترکیب جوہری پر قائم ہو، اس کے مزاج اور اس کی کیفیت میں تغیر نہ ہو گیا ہو) خلاصہ یہ کہ جو چیز اس عضو مغتذی سے تحلیل ہو جایا کرتی ہے، یہ خلط اس کا بدل (بَدَلِ مَا يَتَحَلَّلُ) بن جائے۔"

"اور خلط ردی میں، جس کو فضلہ بھی کہتے ہیں، یہ صلاحیت نہیں ہوتی۔"

خون (دَم)

خون کا مزاج

خون کا مزاج گرم تر (حارّ رطب) ہے"۔

(قرشی)

خون کے گرم ہونے سے مراد یہ ہے کہ خون کے اندر ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں، جو تولید حرارت میں حصّہ لیتے ہیں۔

خون کا فائدہ

خون کا فائدہ بدن کا تَغْذِیَہ (غذا پہونچانا) ہے۔

(قرشی)

تَغْذِیَۂ بدن

اِس بارے میں (بقول علامہ گیلانی) دو گروہ ہیں:-

ایک گروہ کا خیال ہے کہ خون دوسرے اخلاط کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے، اور یہ اخلاط کم و بیش (حسبِ مزاج) مختلف اعضاء کے تغذیہ میں داخل ہوتے ہیں۔

یہی مذہب حق ہے، اور اسی کو جالینوس اور دیگر اطبّاء نے پسند کیا ہے۔

ابو سہل مسیحی اور خون کے منافع

ابو سہل مسیحی نے خون کے منافع حسب ذیل بتائے ہیں:

(۱) خون غذا و بخشتا ہے، یعنی بدن سے جو اجزاء تحلیل ہو کر گھٹ جاتے ہیں ان کا بدل بہم پہنچاتا ہے۔

(۲) سنِ نمو میں اعضاء کو بڑھاتا ہے۔

(۳) بدن میں حرارت پیدا کرتا ہے، جس سے بیرونی برودت کی اذیت جسم سے دُور ہو جاتی ہے — نیز یہ احشاء کو گرم رکھتا ہے، جس سے قوائے طبعیہ، حیوانیہ اور نفسانیہ کے افعال بہتر صادر ہوتے ہیں۔

(۴) بشرہ میں جمال اور رنگ میں حُسن پیدا کرتا ہے۔

خون طبعی اور غیر طبعی

طبعی خون سرخ رنگ، بدبو سے خالی، معتدل القوام اور (در حقیقت) شیریں ہوتا ہے۔

اور غیر طبعی خون رنگ، بو، قوام، یا مزے کے لحاظ سے طبعی خون کے مخالف ہوتا ہے۔

(قرشی)

لیکن ابو سہل مسیحی نے مختصر اور نہایت جامع تعریف اس طرح کی ہے:

طبعی خون وہ ہے، جس کے اندر یہ اخلاط (بلحاظ کیفیت اور کمیت) قدر مناسب (مقررہ تناسب) میں ہوں۔"

طبعی خون کا سرخ رنگ ہونا

شریانی خون کا رنگ شوخ سُرخ، اور وریدی خون کا رنگ گہرا سُرخ (قدرے سیاہی مائل) ہوتا ہے۔

اخلاطِ خون کے تناسب میں فرق آجانے سے رنگ میں بھی کم و بیش تغیر ہو جانا ظاہر ہے۔ ابیضاضِ دم اور خون سوداوی اس کی اچھی مثالیں ہیں۔

بدبو سے خالی ہونا

خون میں جب عفونت لاحق ہوتی ہے، تو اس میں بدبُو (نَتَن) وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔

بُری بُوؤں کے ساتھ حمُوضت (ترشی) کو بھی علامہ نفیس نے بجا طور پر عفونت کے حکم میں داخل کر دیا ہے، کیونکہ حمُوضت تخمُّر کا اگر نتیجہ ہے، تو عفونت بھی تخمّر ہی کا ایک درجہ ہے۔

معتدل القوام

طبعی خون کا معتدل القوام ہونا ضروری ہے، چنانچہ سُوءُالقِنیہ (فقرُالدّم) کی بعض قسموں میں رقیق ہونے کی وجہ سے خون کے منافع حاصل نہیں ہوتے، اور ہیضہ میں چونکہ دستوں کی راہ خون کا بہت سا پانی خارج ہو جاتا ہے، اس لئے گاڑھا ہو جانے کے باعث خون باریک رگوں میں نفوذ نہیں کر سکتا۔

شیریں ہونا

اس سے مراد، جیسا کہ علامہ نفیس نے بتایا ہے، یہ ہے کہ،

"خون حقیقۃً شیریں ہے"

یعنی خون کی ترکیب جوہری میں درحقیقت میٹھے اجزاء کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے اندر نمکین اجزاء بھی ہوتے ہیں۔

اور خون کا مزہ بہ ظاہر نمکین بنا دیتے ہیں، کیونکہ:-

(۱) نمکین غذائیں جو ہم استعمال کرتے ہیں، اس کے نمکین اجزاء منجذب ہو کر خون میں پہنچ جاتے ہیں۔

(۲) ربّن طبری نے بتایا ہے کہ بدن کے اندر نمکین اجزاء (مُلُوحَة) پائے جاتے ہیں، جو چند فوائد رکھتے ہیں:

"بدن میں مُلُوحَة (شوریت، نمکینی) جو پائی جاتی ہے، اُس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ رُطُوبَة (بلغم) کو گھلاتی ہے"— بدنی اعتدال کو قائم رکھتی ہے،— اور گندگی (نَتْن) اور عُفُونَة کو روکتی ہے۔ (مانِع عُفُونَة و مانِع نَتْن ہے)"۔

"اور ہر معتدل چیز لذیذ، اور بدن کی محافظ ہوا کرتی ہے؛ اور ہر مفرط شئی باعثِ الم اور مفسدِ بدن"۔

(فردوس الحکمة)

خون میں انگوری شکر

علامہ برہان الدین نفیس نے شرح اسباب (بحث خُناق) میں صاف لکھا ہے کہ:

"خون میں عصارۂ انگور (انگور کے رس) جیسی میٹھی چیز پائی جاتی ہے۔ جب اس میں تغیر لاحق ہو جاتا ہے، تو یہ جوہر شراب جیسی چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے"۔

انجمادِ خون (تَکَبُّد)

عروق سے باہر نکلنے کے بعد خون کیوں منجمد ہو جاتا ہے، اس کا جواب قدماء نے یہ دیا ہے:

"عروق کے اندر خون کی محافظ عروق کی طبیعت ہے"۔

انجماد کی صورت میں تغیر یہ واقع ہوتا ہے کہ خون جب عروق سے باہر آجاتا ہے، یا رگوں کی اندرونی سطح کسی وجہ سے

خراب ہوجاتی ہے، تو ایک مادہ منجمد ہوکر اَلْیاف (ریشوں) کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جس کو ابو سہل مسیحی نے خُیُوط (دھاگے) کی اصطلاح سے یاد کیا ہے۔ (جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے)۔

بلغم (بیضاء)

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بلغم، یا خلطِ سفید ایک جنس ہے، جس کی مختلف انواع ہیں، اور ہر نوع اپنا جداگانہ مزاج اور علیحدہ ترکیب رکھتی ہے۔ جس سے بدن میں جداگانہ آثار ظاہر ہوتے، اور الگ الگ وظائف انجام پاتے ہیں، مثلاً سفیدیِ بیضہ (ماح) جیسی رطوبت، مادّہ دُہنیہ، مادّہ مُخیوط وغیرہ۔

بلغم کا مزاج

بلغم کا مزاج سرد تر (بارد رطب) ہے۔

(علامہ قرشی)

یہ واضح رہے، کہ خلط سفید کی بعض قسمیں بارد ہیں، اور بعض حارّ؛ یعنی بدنی حرارت پیدا کرنے میں یا بعض کم حصہ لیتی ہیں، اور بعض زیادہ۔

چنانچہ بَلغمِ مَالِح (بلغم شور) کو خود مصنف نے گرم لکھا ہے، اور تمام اطباء کا اس پر اتفاق ہے۔

علیٰ ہذا بَلغمِ شیریں (بلغم حُلو) کو صاحب کامل الصناعۃ اور ابو سہل مسیحی نے گرم اقسام میں شمار کیا ہے۔

اسی طرح بلغم طبعی کے بارے میں علامہ علی گیلانی نے تصریح کی ہے کہ!

"وہ بارد نہیں ہے"

اسی وجہ سے شیخ الرئیس نے بلغم کو "بارد" نہیں لکھا۔ نیز مُحقّیاتِ قانون میں لکھا ہے کہ: بلغم متعفن سے حُمّی مُحرِقہ لاحق ہوتا ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ حُمّیٰ مُحرِقہ شدید ترین گرم مرض کی ایک بہترین مثال ہے۔

جنسِ بلغم کے فوائد

(۱) بلغم کا فائدہ یہ ہے کہ جب بدن میں غذاء (خون) باقی نہیں رہتی، تو یہ بلغم خون کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ اعضاء کو تر رکھتا ہے، تاکہ وہ حرکت (اور رگڑ) سے خشک ہونے نہ پائیں۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ دماغ جیسے (بلغمی المزاج) اعضا کی غذاء میں داخل ہوتا ہے۔

(علامہ قرشی)

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بلغم خون کے ساتھ مخلوط ہو کر اس کے قوام میں لزوجت (لیس) اور چیک پیدا کر دیتا ہے۔

(ابو سہل مسیحی)

بلغم کا پہلا فائدہ (خون بن جانا)

اس کا مدعا یہ ہے کہ سفید خلط، جس کا نام بلغم ہے، سرخ لباس اختیار کر کے خون میں تبدیل ہو جاتی ہے: یعنی بدن کے اندر جو بے شمار استحالات وانقلابات ہوا کرتے ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ انقلاب بھی ہے کہ سفید جوہر (بیضاء) سرخ جوہر (حمراء) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

بلغم کا دوسرا فائدہ (اعضاء کو تر کرنا)

اس فائدہ سے درحقیقت دو اغراض وابستہ ہیں، جیسا کہ علامہ نفیس نے تصریح کی ہے:

(۱) اعضاء کو مرطوب رکھنا (ترطیب اعضاء)۔

(۲) بلغمی رطوبت جس سطح پر لتھڑی ہوتی ہے، بایں چکنی اور سفید مٔی بیضہ کے مانند لیسدار ہونے کے باعث اُس میں چکناہٹ پیدا کردیتی ہے، جس سے حرکت میں سلاست اور سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس کی نمایاں مثال مفاصل سلسۃ (متحرک جوڑ) کی بلغمی زلالی رطوبت ہے۔

اسی طرح منھ، مری، معدہ، ناک، حلق، حنجرہ، قصبۃ الریہ، شش، مثانہ اور رحم وغیرہ کی اندرونی سطح بھی ایک قسم کی لیسدار بلغمی رطوبت (رطوبت مخاطیہ) سے لتھڑی رہا کرتی ہے۔ جو ان اعضاء کو تر رکھنے کے علاوہ بیرونی سمیّت اور فاسد مواد کو اُن کے اندر نفوذ کرنے سے روکتی ہے، یا اپنے آستر کے ذریعہ فضلات کی مضرت سے اُن کو محفوظ رکھتی ہے۔

بلغم کا تیسرا فائدہ بلغمی المزاج اعضاء کا تغذیہ

اس فائدہ کا مدعا یہ ہے کہ جو اعضاء بلغمی المزاج ہیں، اور جن کے تغذیہ میں مزاج کی بلغمیت کی وجہ سے اس امر کی ضرورت ہے کہ اُن کی غذاء میں بلغم بالفعل کی ایک معین مقدار موجود ہونی چاہیئے، جیسے دماغ، نخاع، اعصاب، رباطات، اغشیہ وغیرہ؛ اُن کے تغذیہ میں وہ صرف ہوسکے۔

تغذیہ بدن اور بلغم بہ خیال جالینوس

لیکن جالینوس کا خیال ہے کہ "طبعی بلغم" جو رگوں میں خون کے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہتا ہے، یہ خون سے مشابہت قریبہ رکھتا ہے، اور سارے اعضاء اِس کے محتاج ہیں۔

صاحب کامل الصناعۃ کہتے ہیں:

"طبعی بلغم جو رگوں میں پایا جاتا ہے، یہ منہضم ہوکر اور نضج پاکر اعضا کی غذاء بن جاتا ہے۔"

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بدن کے ہر جزء میں قدرتاً قوتِ مغیّرہ پائی جاتی ہے۔ جب بلغمی اجزاء ان کے پاس بہتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں، تو یہ اپنی قوتِ مغیّرہ سے ان میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرکے اپنے تغذیہ میں صرف کر لیتے ہیں۔

فاقہ کے وقت بلغم کا ذخیرہ

قلتِ غذاء کے وقت طبیعت بلغم کے ذخیرے کو خرچ کیا کرتی ہے، اس طرح کہ قوائے طبعیہ اور حرارت غریزیہ کی امداد سے اُسے ہضم کرکے اُس سے غذاء کا کام لیتی ہے (محمود آملی)

یہی وجہ ہے کہ فاقہ کی حالت میں بدن کی چربی تحلیل ہو جاتی ہے، اور جن لوگوں کی توند بڑی ہو، وہ چھوٹی ہو جاتی ہے۔

بلغم طبعی

بلغم طبعی وہ ہے، جس کا خون بننا آسان ہو۔
(قرشی)

یعنی نضج وہضم کے جن مراحل سے بلغم کو گزرنا پڑتا ہے، اس میں کمی اور خامی نہ رہی ہو۔ بہ الفاظِ دیگر باقی اخلاط کی طرح بلغم طبعی بھی اُسے کہتے ہیں جس سے مطلوبہ فوائد حاصل ہوں۔

بلغم غیر طبعی

اس کو بلغم مُتغیّر بھی کہتے ہیں، یہ وہ بلغم ہے جس

کے طبعی صفات (مزہ، قوام وغیرہ) بدل گئے ہوں۔ لیکن بلغم غیر طبعی کی بعض قسموں کے بارے میں اطباء نے تصریح کی ہے، کہ وہ اصلاح پاکر بلغم طبعی کی صورت میں منقلب ہوسکتی، اور جو منافع ان سے وابستہ ہیں، وہ پورے ہو سکتے ہیں۔

مزے کے لحاظ سے

چنانچہ مزے کے لحاظ سے غیر طبعی بلغم کی قسمیں یہ ہیں:

(۱) بلغم مالح (نمکین بلغم: بلغم شورا)؛ یہ گرمی اور خشکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۲) بلغم حامض (ترش بلغم): یہ سردی اور خشکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۳) بلغم مسیخ، یا تفہ (پھیکا بلغم): یہ بالکل سرد اور بہت ہی گیلا ہوتا ہے۔

۴ بلغم عفص (کسیلا بلغم): یہ سردی اور خشکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(علامہ قرشی)

(۵) بلغم حُلو (بلغم شیریں) یہ گرم اور تر ہوتا ہے (صاحب کامل و ابوسہل)

بلغم کی ملوحت اور حموضت

"جس طرح بیرونی دنیا میں تغیر و احتراق سے ملوحت پیدا ہوا کرتی ہے، اسی طرح ان ہی اسباب سے بدن کے اندر شوریت لاحق ہوا کرتی ہے۔"

"علیٰ ہذا نباتی عصارات (انگور کا رس، گنے کا رس وغیرہ) میں جس طرح پہلے تخمیر و غلیان (جوش) پیدا ہوا کرتا ہے، اس کے بعد

اُن میں تُرشی لاحق ہو جاتی ہے (تَحَمُّض)" اسی طرح بلغم میں بھی اسی نوع کے تغیرات سے ترشی لاحق ہو جاتی ہے۔" (شیخ الرئیس)

جالینوس نے بلغم کے نمکین ہونے کی وجہ عفونت قرار دی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عفونت سے ملوحت پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ تعفن و تخمیر سے حموضت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

نمکین بلغم میں اس کے نمکین ہونے کی صورت بیشتر یہی ہوتی ہے کہ خون کے بورقی اجزا مل جایا کرتے ہیں۔

قوام کے لحاظ سے

قوام کے لحاظ سے غیر طبعی بلغم کی قسمیں یہ ہیں:

(۱) بلغم مائی (پانی جیسا بلغم)، جو نہایت رقیق ہوتا ہے۔ (ماء: پانی)

(۲) بلغم جصّی (گچ جیسا بلغم)[1] جو نہایت غلیظ ہوتا ہے۔

(۳) بلغم خام اور مُخَاطی، اِن دونوں کا قوام مختلف ہوتا ہے۔

(ترشی)

(۴) بلغم زُجاجی، جس کا قوام پگھلی ہوئی کانچ کی طرح لیسدار اور گاڑھا، اور مزہ گاہے ترش اور گاہے پھیکا ہوتا ہے۔ (شیخ)

بلغم کی غلاظت

بلغم کے غلیظ ہونے کی ایک وجہ (بقول ملا نفیس) یہ ہے کہ زیادہ دیر تک کہیں پڑے رہنے سے، اور اعضاء کی کثرتِ حرکت سے بلغم کے لطیف و رقیق اجزاء تحلیل ہو جاتے اور غلیظ

[1] جصّی: گچ۔ گلایا ہوا چونہ۔ جو قوام میں جمے ہوئے دہی سے متشابہ ہوتا ہے۔

اجزاء رہ جاتے ہیں۔

اختلافِ قوام خام اور مخاطی میں باہم فرق یہ ہے کہ مخاطی میں اختلاف قوام نمایاں طور پر محسوس ہوتا، اور خام میں یہ اختلاف نمایاں نہیں ہوتا۔

بُو کے لحاظ سے

بُو کے لحاظ سے بلغم غیر طبعی کی محض ایک قسم بَلْغَم مُنْتِنْ (بلغم مُتَعَفِّن) ہے، جس میں عفونت کی وجہ سے گندگی لاحق ہوجاتی ہے۔ (مُنْتِنْ: بدبودار، گندہ بُو)

عفونت کے اسباب ہر تعفن کے لئے مناسب **مادّہ** کے علاوہ (حسبِ تصریح شیخ الرئیس) تین چیزوں کی ضرورت ہے:

(۱) مناسب حرارت،

(۲) ایک اندازے کی رطوبت،

(۳) اجسامِ خبیثہ (مُعَفِّنَہ) کی آمیزش۔

مادّہ: بلغم تعفن کے لئے ایک مناسب مادہ ہے، یعنی تمام اخلاط کی نسبت عفونت کی سب سے زیادہ صلاحیت بلغم اور خون میں پائی جاتی ہے، جس طرح کہ تمام اخلاط میں صفراء کو سب سے بعید العفونت کہا گیا ہے۔

حرارت و رطوبت: حرارت و رطوبت کے بغیر دنیا کی کوئی چیز متعفن نہیں ہوسکتی، پھر حرارت کی افراط جس طرح مانع عفونت وتخمیر ہے، اسی طرح عدمِ حرارت بھی عملِ عفونت کو روک دیتا ہے۔ علیٰ ہذا خشک جسم کبھی متعفن نہیں ہوا کرتا، اس لئے اگر کہیں یہ مقصود

ہو کہ عفونت کو روک دیا جائے، تو اس کی ایک سہل تدبیر یہ ہے
کہ اس مادہ کو کسی صورت سے خشک کر دیا جائے۔
گوشت اور مچھلی وغیرہ کو جب ایک عرصہ تک رکھنا مقصود ہوتا
ہے، تو انھیں سکھا لیا جاتا ہے، اور مزید برآں نمک مَل دیا جاتا
ہے، کیونکہ نمک مانعِ عفونت ہے، جیسا کہ ربّن طبری نے
بتایا ہے۔

اجسامِ خبیثہ

اجسامِ خبیثہ کی آمیزش تعفن کے لئے ضروری ہے، جیسا
کہ شیخ ابن سینا نے بحث وباء میں تصریح کی ہے کہ:
"جب تک کوئی رطوبت خالص ہوتی ہے، اور اُس کے ساتھ
اجسامِ خبیثہ کی آمیزش نہیں ہوتی، اُس وقت تک وہ عفونت
سے بری اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح سادہ پانی، اور خالص ہَوا"
"یہ اجسامِ خبیثہ اُن سڑی گلی انسانی نعشوں، اور حیوانی مُردوں
سے آتے ہیں، جو کسی وباؤ یا جنگ وغیرہ کے سلسلے میں مر گئے
ہوں، اور جن کو جلایا یا دفنایا نہ جاسکا ہو ــــ یا سڑی گلی
مچھلیوں سے؛ خواہ ان کا محل نزدیک ہو یا دُور۔"
نیز شیخ کہتا ہے کہ:۔
"گاہے زمین کے اندر ایسے اسباب سے عفونتیں لاحق ہو جاتی
ہیں، جن کی تفصیلات کا ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ عفونتیں
پانی اور ہَوا میں سرایت کر جاتی ہیں۔"
علیٰ ہذا عفونت کے یہ اجسامِ خبیثہ شہر کی گندگیوں، اورام
و قروح کی رطوبتوں، اور دوسری چیزوں میں ہوا کرتے ہیں، جو پانی،
ہَوا، اور دوسرے اجسام کے ذریعہ نامعلوم طور پر نزدیک و دور
پھیل جاتے ہیں۔
ان اجسام کو گاہے مادۂ مُعَفِّنہ کی اصطلاح سے یاد

کیا گیا ہے (نفیس)؛ اور گاہے مُعفّن غریب کی اصطلاح سے (علی گیلانی). علیٰ ہذا گاہے انھیں مُخالطاتِ عُفونۃ (عفونت کی آمیزشیں) کہا جاتا ہے (محمود آملی)؛ اور گاہے مادّہ عفنۃ
(قرشی۔ شرح فصول)

ایک وہم کا ازالہ

بلغم میں حدّت — بلغم میں تعفن وغیرہ سے بعض اوقات اتنی حدّت پیدا ہوجاتی ہے، کہ جس جلد یا غشاء پر بہتا ہے، پہلے اُسے سُرخ کردیتا ہے، پھر وہ مقام چھِل جاتا، متورم ہوجاتا، اور آخر میں متقرح ہوجاتا ہے.

امراض بلغمیہ

اس موقع پر مثالاً چند بلغمی امراض کے نام درج کئے جاتے ہیں، جس سے دیگر فوائد کے علاوہ یہ علم بھی حاصل ہوگا کہ قدماء کن کن مواد کو جنس بلغم میں شمار کرتے ہیں:

(۱) ورم تہبّج، جس کو یونانی اصطلاح میں اُذیما کہا جاتا ہے۔حنین بن اسحٰق اس کا مادّہ بلغم رقیق بتاتے ہیں. علامہ علی گیلانی اور محمود آملی کہتے ہیں کہ ترہّل کا ترجمہ تہبّج ہے، اور ترہّل تَرَهتُل کے قریب ہے، جو رقیق بلغم سے اعضاء کے ضعیف ہضم کے وقت پیدا ہوتا ہے.

(۲) سَلعۂ عَسَلِیّہ: وہ ورم جس کے جوف میں شہد (عَسَل) جیسی چیز ہو۔حسب تصریح حُنین یہ غلیظ بلغم سے پیدا ہوتا ہے.

(۳) سَلعۂ شَحمیّہ: وہ ورم جس کے جوف میں چربی (شحم)

جیسا مادہ ہو، اس کا مادّہ بھی حسب تصریح حُنین غلیظ بلغم ہے۔

(۴) **سلعہ آرد ھالیہ**، وہ ورم جس کے جوف میں آرد ھالہ[1] جیسا مادہ ہو، حسب تصریح حُنین اس کا بلغم عسلیہ سے زیادہ غلیظ ہوتا ہے۔

(۵) **جُسأ**، جس کو **صَلَابَۃ** اور **سقیروس** کہا جاتا ہے، یہ سرطان کے گروہ کا ایک سخت ورم ہے، جس کو اگر کاٹیں تو کچی ناشپاتی کی طرح کٹتا ہے۔ اور کٹی ہوئی سطح سفید ہوتی ہے، بہ قول حُنین اس کا مادہ نہایت غلیظ اور خشک بلغم ہے۔

اس سے زیادہ کوئی دوسرا ورم سخت نہیں ہوتا۔

بَرَدہ[2]، بَرَص، بہَق مُضرِط، بول بلغمی (بول زلالی)، اسہال بلغمی، نزلہ و زکام، قے بلغمی وغیرہ امراض بلغمیہ ہی کی فہرست میں داخل ہیں۔

---

[1] آردھالہ، وہ حریرہ جو آٹے اور گھی سے بنایا جاتا ہے۔

[2] بَرَدہ : ایک بلغمی رطوبت ہے، جو بالائی پپوٹے کے اندر غلیظ اور سخت ہو جاتی ہے اس کا رنگ سفیدی مائل ہوتا ہے، اور سختی میں اولے (بَرَدہ) سے مشابہ ہوتی ہے (برہان الدین نفیس)

صفراء

صفراء کا مزاج

صفراء کا مزاج گرم خشک ہے۔

(علامہ قرشی)

بہ افراط انصباب صفراء کے وقت معدہ میں سوزش کا ہونا، اور براہ اسہال خارج ہونے پر مبرز کے گرد جلن کا ہونا صفراء کے گرم و خشک ہونے کی دلیل ہے۔

صفراء کے فوائد

صفراء کے فوائد متعدد ہیں:

(۱) خون کو لطیف بناتا، اور تنگ راستوں میں نفوذ کراتا ہے۔ (ترقیق خون)۔

(۲) پھیپھڑے جیسے بعض اعضاء کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے (تغذیہ)۔

(۳) صفراء کا ایک حصہ آنتوں پر گر کر ان کو ثقل اور لیسدار بلغم سے دھو ڈالتا ہے (غسل امعاء)۔

(قرشی)

(۴) آنتوں کی قوتِ دافعہ میں اخراجِ براز کی تحریک پیدا کرتا ہے۔

(تحریکِ براز) (نفیس)

(۵) بعض غذاؤں کے ہضم کرنے میں امداد کرتا ہے (ہضمِ غذاء) (دونوں لکبرتی اور صاحب کامل)

(۶) صفراء اپنی مخصوص حدت، تلخی اور مزاج کے باعث کیڑوں کو مار ڈالتا ہے (قتلِ دیدان) (نفیس)

پہلا فائدہ:- ترقیقِ خون رگوں سے باہر خون کے جمنے کے بعد ایک زرد پانی بڑی مقدار میں الگ ہو جاتا ہے، اُصولاً ظاہر لون (زردی) کی وجہ سے اِسے صفراء کہا جاتا ہے۔ اگر یہ رقیق جزء خون میں نہ ہو تو خون اتنا گاڑھا ہو جائے کہ یہ عروقِ شعریہ کے باریک راستوں میں نفوذ نہ کرسکے، حالانکہ اعضاء کی حیات و غذاء اسی نفوذ و جریان پر موقوف ہے۔ ہیضہ میں کثرتِ قے و دست سے خون کی غلظت باعثِ ہلاکت ہے۔

دوسرا فائدہ، بعض اعضاء کا تغذیہ اِس فائدہ کا تعلق دو چیزوں سے ہے:

(ا) صفراء میں تغذیۂ اعضاء کی صلاحیت پائی جاتی ہے؟

(ب) پھیپھڑے کی غذاء میں صفراوی مادہ کا کوئی جزء داخل ہوتا ہے؟

پہلی چیز سے انکار صرف اُن لوگوں کو ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ "غاذی محض خون ہے"۔ دوسرے اخلاط کو تغذیہ میں کوئی دخل نہیں، مگر میرے نزدیک اُس گروہ کا خیال صحیح ہے، جو تغذیہ میں سارے اخلاط کو شریک کرتے ہیں۔

دوسری چیز سے انکار ابن ابی صادق کو ہے، مگر ان کا اعتراض کمزور ہے۔

پھیپھڑے سے مشابہ دوسرے اعضاء جن کے تغذیہ میں صفراء داخل ہو سکتا ہے۔ پھیپھڑے کی اصلی ساخت میں جس طرح زرد رنگ کے لچکدار ریشے پائے جاتے ہیں، اسی طرح مندرجۂ ذیل

اعضاء بھی اس بارے میں پھیپھڑے کے مشابہ ہیں:

(۱) غضاریف صفراء (زرد کریاں، ریشہ دار لچکدار کریاں)، مثلاً کان کی کری، اور حنجرہ کی غضروف مکبتی۔

(۲) رباطات صفراء (زرد رباطات)، جو مہروں کے صفائح کے مابین ہوتے، اور ان کو باہم ربط دیتے ہیں۔

(۳) لسان المزمار، جن کو آواز کی ڈوریاں (اَوتارُ الصَّوت) کہا جاتا ہے۔

(۴) قَصَبَۃُ الرِّیَہ (ہوا کی نالی)

(۵) عروق دمویہ (خون کی رگیں)، یعنی وریدیں اور شریانیں۔

ان سارے اعضاء کی ساخت میں کم وبیش زرد رنگ کے لچکدار ریشے پائے جاتے ہیں، جو اس امر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ پھیپھڑے کی طرح ان اعضاء کے تغذیہ میں بھی صفراء بہ قرینۂ غالب داخل ہوتا ہے — بلکہ بہت ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور دوسرے اعضاء بھی صفراوی غذاء سے مستفید ہوتے ہوں؛ یہ اور بات ہے کہ استحالات کی اس اندھیری کوٹھری میں اپنی کوتاہ بصری کے باعث ہم کوئی صاف حکم لگا نہیں سکتے۔

تیسرا فائدہ، غسلِ امعاء[1]

یہ فائدہ صفراء کے اس جزء سے وابستہ ہے، جو جگر سے مرارہ اور آنتوں کی طرف جاتا ہے:

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

صفراء کا جو حصہ پتہ (اور امعاء) کی طرف جاتا ہے، اُس کی دو منفعتیں ہیں:

(۱) آنتوں کا ثفل اور لیسدار بلغم سے دھونا؛

(۲) آنتوں میں، اور عضلات مقعد میں لذع (ہیجان، تحریک، تنبیہ) پیدا کرنا، تاکہ انھیں حاجت کا احساس ہو، اور انسان کو بہ غرض تبرُّز[2] اُٹھنے کے لئے مجبور کردے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صفراء کی

---

[1] غسلِ امعاء: آنتوں کا دھونا (غسل: دھونا) | [2] تبرُّز: پاخانہ پھرنا۔

اُس نالی میں سُدّہ پیدا ہو جاتا ہے، جو پتّہ سے آنت کی طرف اترتی ہے، تو بسا اوقات قولنج (جیسا شدید مرض) لاحق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ وقوعِ سدّہ کی علامت یہ ہے کہ پاخانہ میں طبعًا جو زرد رنگ پایا جاتا ہے، وہ غائب ہو جاتا ہے۔"

الغرض صفراء غاسِلْ (دھونے والا) بھی ہے، اور فطری و طبعی مُسْہِل بھی۔ (نفیس و گیلانی)

چنانچہ اسہال کی غرض سے امراض احتباس میں جانوروں کے پتّے، مثلًا مرارۂ گاؤ حقنہ کے طور پر دواءً استعمال کئے جاتے ہیں۔ (فردوس الحکمۃ)

| چوتھا فائدہ، تحریک براز | تیسرے فائدہ کے ذیل میں اس کی تقریر آگئی۔

| پانچواں فائدہ، ہضم غذاء | ترابنؔ طبری نے صفراء کے فوائد میں لکھا ہے کہ "وہ معدہ کو گرم کرتا، اور ہضمِ غذاء پر معدہ کو قادر کرتا ہے۔"

"یہ واضح ہو کہ یہاں "معدہ" کی اصطلاح سے وسیع معنے مراد ہیں، جس میں امعاء بھی داخل ہیں۔ قدماء کی عادت ہے کہ وہ ہضم معدی کہہ کر ایک وسیع ہضم مراد لیتے ہیں، جس میں آنتوں کا ہضم شریک ہوا کرتا ہے۔"

صاحب کُنّاشِ طَبَرِیؔ کہتے ہیں کہ "تین مقاصد کے لئے بدن صفراء کا محتاج ہے:

(۱) ہضمِ غذا (اِنْضاجِ طعام) کے لئے؛

(۲) آنتوں کے فضلات کو دھونے کے لئے؛

(۳) اُن فضلات کو دفع کرنے کے لئے، جو آنتوں میں رُکے رہتے ہیں۔"

صاحب کامِل لکھتے ہیں کہ:

"کچھ صفراء معدہ کی طرف روانہ ہوتا ہے، تاکہ اُس سے غذا منہضم ہو۔"

صفراء کن اجزاء غذائیہ کو ہضم کرتا ہے؟

علامہ نفیس لکھتے ہیں کہ "صفراء بلغم کی تقطیع کرتا ہے"

نیز وہ اور دوسرے اطبار لکھتے ہیں کہ

"صفرا، بلغم کو دھوتا ہے۔"

علےٰ ہٰذا اطبار ہضم کی تعریف میں لکھا کرتے ہیں کہ

"اگر وہ شیئ لَزِج (لیسدار) ہے، تو ہضم کے عمل سے اُس میں تقطیع حاصل ہوجاتی ہے۔"

الغرض یہ کہنا کہ صفرا، بلغم کو دھوتا، اصداً اُسے کاٹتا ہے، اور یہ کہنا کہ صفرا، دُسُومَت (چکنائی) کو ہضم کرتا ہے، ان دونوں باتوں میں عملاً کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

چھٹا فائدہ، قتلِ دیدان

علامہ نفیس کرمانی لکھتے ہیں:

"صفرا، نہایت گرم، اور حیات کی مناسبت سے بہت ہی دور ہے، اس لئے کہ یہ نہایت خشک بھی ہے۔ نیز اپنی تلخی، تیزی، اور مزاج کی مخالفت کے باعث زندہ اور پیدا شدہ کیڑوں کو مار ڈالتا ہے، چہ جائیکہ صفرا، سے کیڑے پیدا ہوں، یہی وجہ ہے کہ اطبار تلخ چیزوں سے کیڑوں کا علاج کرتے ہیں۔"

نیز علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ:-

"اُوپر کی آنتوں میں تعفّن نہیں ہوتا، اور نچلی آنتوں میں، علی الخصوص معاءِ مستقیم میں، ثفل نہایت متعفن اور گندہ ہوجاتا ہے۔ اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ صفرار اُوپر کی آنتوں پر گرا کرتا ہے۔ اور ان کی رطوبتوں کو دھو کر، عفونت کے شدید ہونے سے پہلے، خارج کردیتا ہے۔"

"نیز صفرار میں مخصوص حدّت ہوتی ہے، جس سے متعفن مواد کی (جن سے دیدان کی پیدائش ہوسکتی ہے) تقطیع حاصل ہوجاتی ہے۔"

"لیکن نچلی امعار میں تعفن لاحق ہونے اور اس کے بڑھنے کی وجہ یہ ہے

کہ صفرار نیچے جاتے جاتے کمزور ہوجاتا، حتیٰ کہ معار مستقیم تک پہونچنے پر اس کی تیزی اتنی ٹوٹ جاتی ہے کہ یہ ڈھیلی اور بے اثر سا ہوجاتا ہے، اس لئے متعفن رطوبات کے دھونے اور کاٹنے چھانٹنے پر قادر نہیں رہتا۔" (نفیس)

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ

(۱) صفرار مانع حیات ہے، یعنی صفرا، میں اتنی حدت ہوتی ہے کہ اس سے کیڑے مرجاتے ہیں۔

(۲) صفرار مانع عفونت ہے، یعنی اس کی حدت کسی رطوبت کو متعفن ہونے کا موقع نہیں دیتی۔ یہ بھی واضح رہے کہ جتنی چیزیں قاتل دیدان ہیں، وہ سب کی سب مانع عفونت ہیں

صفراء طبعی

صفرار طبعی کے اوصاف ہیں کہ یہ احمر ناصع (اصفر زعفرانی) — خفیف (ہلکا) — اور حاد (تیز) ہوتا ہے۔

(قرشی)

ابو سہل مسیحی نے طبعی صفرار کے اوصاف کسی قدر مختلف بتائے ہیں، وہ کہتے ہیں:

طبعی صفرار کا مزہ کڑوا — رنگ زرد، — نیز وہ تیز، — اور لطیف و رقیق ہوتا ہے۔

صفرار کا رنگ (احمر ناصع)

طبعی صفرار کا رنگ سرخ ہے یا زرد؟ اس سوال کا جواب نفیس کرمانی نے اس طرح دیا ہے:

احمر ناصع — سے مراد خالص سرخ ہے، جو زعفران کی پتی کی طرح زردی مائل ہو۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے صفراء کو

"زرد" کہا ہے: کیونکہ احمر ناصع (شوخ سُرخ) بعینہٖ اصفر زعفرانی (زعفرانی زرد) ہے"۔
الغرض انسان کے صفراء طبعی کا رنگ زردی مائل سُرخ ہے، جیسے اگر پانی میں ملا دیا جائے تو پانی کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

صفراء کا سبز رنگ

صفراء کا دوسرا رنگ سبز ہے، جیسا کہ صفراء کُرّاثی اور صفراء زنجاری میں پایا جاتا ہے، مگر یہ دونوں صفراء انسان میں غیر طبعی ہیں، ہاں بعض جانوروں کا طبعی صفراء سبز ہی ہوا کرتا ہے۔

خفیف۔۔۔ صفراء کی خفّت و لطافت سے مراد یہ ہے کہ اس کا وزن بمقابلہ خون کے ہلکا ہے۔

حَادّ۔۔۔ صفراء کی حدّت کا ثبوت یہ ہے کہ "جیسے صفراوی قے ہوتی ہے، وہ اپنے منہ اور معدہ میں جلن اور سوزش پاتا ہے۔ اور جیسے صفراوی دست آتے ہیں، وہ یہی کیفیت اپنی مقعد میں محسوس کرتا ہے"۔ (نفیس)

صفراء غیر طبعی۔۔

صفراء غیر طبعی کو صفراء مُتَغَیِّر بھی کہا جاتا ہے۔
ہر خلط کے غیر طبعی ہونے کے اُصول پر صفراء کے غیر طبعی ہونے کی بھی دو ہی صورتیں ہیں:
(۱) کوئی بیرونی شئے اس کے ساتھ مل جائے۔
(۲) کوئی تغیّر خود صفراء کے اندر واقع ہو۔
یہ ظاہر ہے کہ جب کسی طرح صفراء میں تغیّر لاحق ہو جائے گا، تو جو فوائد اوپر بتائے گئے ہیں، وہ کماحقہٗ یا قطعیً اس سے حاصل نہ ہوں گے۔

صفراء کے غیر طبعی ہونے کی صورت

(۱) صفراءِ مُحیّیہ یا یہ ہوتی ہے کہ وہ غلیظ بلغم کے ساتھ مل جاتا ہے؛ ایسے صفراء کو صفراءِ مُحیّیہ کہتے ہیں۔
(مُحّ: انڈے کی زردی)

(۲) مِرّۂ صفراء یا وہ رقیق بلغم کے ساتھ مل جاتا ہے، جسے مِرّۂ صفراء کہتے ہیں۔

(۳) صفراءِ مُحترقہ یا وہ جلے ہوئے سوداء (سوداء احتراقی) کے ساتھ مل جاتا ہے، جسے صفراءِ مُحترقہ کہتے ہیں۔
(اِحتراق: جل جانا۔ متغیر ہو جانا)

(۴) (۵) صفراءِ کُرّاثی و زنجاری یا یہ کہ صفراء بذاتِ خود جل جائے، جسے صفراءِ کُرّاثی اور زنجاری کہتے ہیں۔ (زنجار: زنگار)

انتباہ: صفراءِ زنجاری میں چونکہ احتراق زیادہ شدید ہوتا ہے، اس لیئے یہ زہروں کے مشابہ ہے۔
(قرشی)

مرۂ صفراء کی اصطلاحی وسعت اس موقعہ پر مرۂ صفراء کا لفظ ایک خاص غیر طبعی قسم پر اطلاق کیا گیا ہے، مگر یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ یہ لفظ عام صفراء کے لئے بہ کثرت مستعمل ہے۔ چنانچہ صاحبِ کامل، ابو سہل مسیحی، اور دیگر مصنفین کے استعمالات کا اگر مطالعہ کیا جائے، تو اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔
یعنی صاحبِ کامل اور ابو سہل نے گو صفراء غیر طبعی کی اس قسم کا ذکر کیا ہے، جس میں بلغم رقیق صفراء کے ساتھ مل جاتا ہے، مگر

ان دونوں حضرات نے اس کا کوئی نام نہیں بتایا ہے، اور جہاں کہیں "مرہ صفراء" کا لفظ استعمال کیا ہے، وہاں اس سے ان کی مراد خلط اصفر، یعنی عام صفراء ہے۔

صفراء محیّہ اور مرہ صفراء کا مقام پیدائش حسب زعم شیخ و صاحب کامل بیشتر جگر ہے، اگرچہ معدہ اور امعاء میں بھی ان کا تولد ممکن بتایا گیا ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ جہاں بلغم و صفراء کو باہم مخلوط ہونے کا موقعہ مل سکتا ہے، وہاں یہ پیدا ہو سکتے ہیں۔

صفراء کرّاثی (۱) بعض اوقات بقولات (سبزیوں) کے استعمال سے صفراء کا رنگ بدل جاتا ہے، اور کرّاثی ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کم خطرناک اور قلیل الحرارۃ ہوتا ہے۔ (کامل و فتاوائے طب)

(۲) گاہے صفرار کراثی معدہ میں رقیق بلغم کے احتراق سے پیدا ہوتا ہے۔ (فتاوائے طب)

(۳) ابو سہل مسیحی لکھتے ہیں:

"صفراء غیر طبعی کی ایک قسم معدہ میں پیدا ہوتی ہے، جس کا رنگ سبز ہوتا ہے، اس میں حدّت اور لذع ہوتی ہے۔ اس کا نام کرّاثی ہے"

" علیٰ ہذا صفراء غیر طبعی کی ایک اور قسم ہے، جو کراثی اور مرہ حمراء (لال پت) سے اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب اِس میں بہ شدت احتراق و حدّت لاحق ہوجاتی ہے، اس کا رنگ اور اس کی طبیعت زنجار (زنگار) کے مانند ہوتی ہے۔"

صفراء کرّاثی و زنجاری میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کراثی میں سبزی گہری ہوتی ہے، جو کاہی رنگ سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور زنجاری میں ہرا رنگ کھلا اور صاف ہوتا ہے، جیسے دھانی رنگ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

کراث گندنے کو کہتے ہیں، جس کے پتے پیاز کے پتوں کے مانند ہوتے ہیں۔

امراض صفراویہ

مبحث بلغم میں جس طرح بلغمی امراض کی ایک فہرست دی گئی ہے، اسی طرح یہاں بھی "امراض صفراویہ" کے چند نام مثالاً درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) **یرقان اصفر** (زرد یرقان)۔ جس میں خون کے اندر صفراوی مادہ کا تناسب اتنا بڑھ جاتا ہے کہ تمام بدن کی جلد اور آنکھ کا طبقۂ ملتحمہ زرد ہو جاتا ہے۔

(۲) **حَصَاۃُ الکَبِدْ** (جگر کی پتھری، صفراوی پتھری) — یہ عموماً مرارہ کے اندر، اور گاہے جگر اور مجرائے مرارہ میں پائی جاتی ہے، اس کا رنگ اکثر زرد سبزی مائل ہوا کرتا ہے۔

(۳) **خَصَفِ صفراوی** — گاہے جلد، علی الخصوص ہونٹوں پر، غشائے مخاطی، اور غشائے مائی پر زرد رنگ کے ابھار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو التہاب (ورم حار) کے قبیلے سے نہیں ہوتے، بلکہ سلعات کی طرح نئی افزونی ہوتے ہیں۔

(۴) **بُثور صفراویہ** (صفراوی پھنسیاں) — یہ جلد کی باریک باریک زرد پھنسیاں ہیں۔

(۵) **صِغَرِ الکَبِدْ اصفر** (جگر کی زرد لاغری) — جگر کا ذبول بعض صورتوں میں زرد ہو جاتا ہے، یعنی جگر کے جوہر میں ایسا تغیر ہوتا ہے، کہ سرخ جوہر زرد رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ قے صفراوی، اسہال صفراوی، بول اصفر، حمیات صفراویہ، قولنج صفراوی، صفراوی امراض کی فہرست میں داخل ہیں۔

سوداء

خِلطِ سوداوی - مِرّۂ سوداء

"سوداء کے ساتھ بھی بدن کے چند فوائد وابستہ ہیں"۔ (نفیس)

سوداء کا مزاج

سوداء کا مزاج سرد و خشک ہے

(علامہ قرشی)

شیخ الرئیس نے قانون (بحث اخلاط) میں سوداء کے مزاج (بارد یا یبس) کا صراحۃً ذکر نہیں کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کو شاید اس میں کوئی تامّل تھا؛۔۔۔۔۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جنس سوداء کی بعض قسمیں اگر بارد ہیں تو بعض قسمیں حار۔

اگر علامہ قرشی قانون کے اس خلاصہ میں شیخ کا رویّہ اختیار کرتے، تو زیادہ مناسب ہوتا۔ اس کے برعکس ابو سہل مسیحی نے سوداء کو حار لکھا ہے، اور بتایا ہے کہ اس کی حرارت صفراء سے کم اور خون سے زیادہ ہے۔ اور حقیقت ہے کہ طبعی سوداء کا بارد ہونا ثابت کرنا ذرا دشوار ہے۔

سوداء کے فوائد

(۱) سوداء کا فائدہ یہ ہے کہ یہ خون کو گاڑھا کرتا ہے۔

(تغلیظ قوام)

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہڈی (کُرّی وغیرہ) کے مانند بعض اعضاء کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے.

(تغذیۂ اعضاء)

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کچھ سوداء فم معدہ پر گر کر بھوک جگاتا، اور کھانے کی خواہش کو بھڑکاتا ہے.

(تشہیۂ[۵] طعام)

(قرشی)

[پ]ہلا فائدہ، تغلیظِ قوام اس سے مراد یہ ہے (جیسا کہ بلغم و صفراء میں بتایا گیا ہے) کہ خون کا موجودہ معتدل قوام اس [کے] مختلف اجزاء کی آمیزش سے حاصل ہوا ہے: رقیق اجزاء سے [اگ]ر قوام میں رقت حاصل ہوئی ہے. تو غلیظ اجزاء سے غلظت، چنانچہ [خ]ون کے رقیق اجزاء مائیت اور صفراء ہیں، اور غلیظ اجزاء [ب]لغم و سوداء.

[د]وسرا فائدہ، تغذیۂ اعضاء اس سے مراد یہ ہے کہ سوداء بعض اعضاء کے تغذیہ میں بہ لحاظ مزاج خاص خون [کے] ساتھ شریک ہو کر داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ صفراء اور بلغم [کی] بحث میں آچکا ہے. میرے نزدیک اُن لوگوں کا مسلک صحیح []ہے، جو اس امر کے قائل ہیں کہ کم و بیش تمام اخلاط مختلف اعضاء [کے] تغذیہ میں صرف ہوتے ہیں. یعنی بعض اعضاء ایسے مزاج و [ت]رکیب کے بھی ہیں، جن کے تغذیہ میں سوداء کا کوئی جزء شریک [ہ]وتا ہے، مثلاً طبقہ مشیمیہ، عنبیہ، طحال، بال، بشرۂ جلدیہ، علی الخصوص [س]یاہ فام اور سانولے لوگوں کی جلد، ـــــ علیٰ ہذا دماغ کے

۵ تشہیہ: بھوک لگانا

بعض اجزاء وغیرہ۔
یہ اعضاء و اجزاء تو وہ ہیں، جن میں کم و بیش سیاہی پائی جاتی ہے۔ رہے وہ اعضاء جن میں سوداء متغیر ہو کر اور رنگ بدل کر داخل تغذیہ ہوتا ہے، اُن کا گنانا، اور اُن میں تغذیۂ سوداویہ کا ثابت کرنا دشوار ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا کہ ہڈی، کُری، اور رباط وغیرہ کے تغذیہ میں، خون کے دیگر اجزاء کے ساتھ سوداء داخل ہوتا ہے یا نہیں، مشکل ہے۔ مگر متقدمین نے مثال میں ان تینوں اعضاء کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا فائدہ، تشہیۂ طعام | بھوک کس طرح لگتی ہے۔ اس بارہ میں دو خیال ہیں:

(۱) حنین بن اسحٰق قائل ہیں کہ معدہ میں ایک ترش رطوبت (حُمُوْضَتِ مِعْدِیَّہ) ہوتی ہے، جس کے ذریعہ بھوک لگتی ہے۔
اس خیال کی تائید آسان ہے، مگر سوال حل طلب ہے کہ آیا اس کا کوئی تعلق خلط سوداء سے ہے؟
(۲) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ طحال سے براہ عُنُق الطحال (بانقراس) ایک ترش رطوبت روانہ ہو کر معدہ تک پہونچتی ہے، جو بھوک لگاتی ہے۔
یہ ترش رطوبت کس خلط سے اور کہاں بنتی ہے؟
اس کے متعلق دوسرے گروہ کے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ سوداء سے طحال میں بنتی ہے۔
اس دوسرے خیال کی تائید ذرا دشوار ہے، اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بانقراس (عُنُق الطحال) سے ایک رطوبت معدہ تک ضرور پہونچتی ہے۔

سوداء طبعی وغیر طبعی

سوداء طبعی خون کا دُردی (گاد۔ تلچھٹ) ہے۔
سوداء غیر طبعی ہر ایک خلط کے جل جانے (احتراق و تغیر) سے، خواہ کوئی خلط بھی ہو، حتیٰ کہ خود سوداء کے تغیر ہوجانے سے بن جایا کرتا ہے۔

(علامہ قرشی)

سوداء غیر طبعی اور ہر خلط کا احتراق

"سوداء غیر طبعی ہر خلط کے احتراق سے پیدا ہوا کرتا ہے۔"
احتراق سے مراد غیر طبعی تغیر ہے، یعنی وہ استحالہ جو بلحاظ کمیت مفرط ہو، یا بلحاظ کیفیت مزاجِ طبعی کے خلاف ہو۔
ہر خلط کے احتراق سے سوداء کے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح خون (حمراء) کا متغیر ہوکر سیاہ ہوجانا ممکن ہے، اسی طرح صفراء اور بلغم میں بھی اس قسم کا استحالہ ہوسکتا ہے کہ ان کے مادہ میں سیاہی لاحق ہوجائے۔
سوداء طبعی کے احتراق سے مراد یہ ہے کہ اس کے طبعی مزاج میں کوئی تغیر لاحق ہوجائے، جس سے اس کی کیفیت اور حالت بدل جائے۔ لیکن اس صورت میں سیاہی بدستور باقی رہے گی، یعنی طبعی سوداء جس طرح سیاہ ہوا کرتا ہے، اسی طرح غیر طبعی سوداء بھی جو اس سے بنے گا، سیاہ ہوگا۔
اس طرح سوداۓ غیر طبعی کی چار قسمیں ہیں:
(۱) سوداء صفراوی (۲) سوداء بلغمی (۳) سوداء دموی (دم، خون حمراء) (۴) سوداء سوداوی۔

سوداءِ دموی اور دمِ اسود

بعض قدیم مصنفین، مثلاً ابو سہل اور صاحب کامل الصناعہ نے سوداءِ دموی کو، جو خون کے تغیر و فساد سے پیدا ہوتا ہے، سوداءِ دموی کہنے کی بجائے دمِ اَسْوَد (سیاہ خون) کہا ہے، اسی طرح وہ سوداء جو صفراء کے تغیّر و فساد سے پیدا ہوتا ہے، مِرارِ اَسْوَد (سیاہ صفراء) کہلاتا ہے۔ اس قسم کے ناموں میں سابقہ ماہیتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، ورنہ سیاہ خون اور سوداءِ دموی دونوں ایک ہی ہیں۔ سیاہ خون کے ساتھ سوداءِ دموی کا الگ تذکرہ ان مصنفین کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

امراضِ سَوْدَاوِیہ

مبحث بلغم و صفراء کے اواخر میں جس طرح چند بلغمی اور صفراوی امراض کی ایک مختصر فہرست دی گئی ہے، اسی طرح یہاں بھی مثال کے طور پر چند سوداوی امراض درج کیے جاتے ہیں، جن میں سوداویت (سیاہی) نمایاں طور پر پائی جاتی ہے:

(۱) براز سوداوی (خِلفۂ سوداویہ)۔ اس مرض میں پاخانہ کی سیاہی بعض اوقات قار (قیر) سے مشابہ ہوتی ہے

(۲) قے سوداوی، جس میں سوداوی مادہ براہ قے خارج ہوتا ہے۔

(۳) بول سوداوی، اس میں قارورہ کا رنگ سرمئی یا اُس سے زیادہ گہرا سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۴) سوداویت (جلد سوداوی)، جس میں سوداوی مادہ غیر طبعی طور پر جلد میں جمع ہوکر اُسے سیاہ کر دیتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات گورے آدمیوں کی جلد حبشیوں کی طرح سیاہ ہو جاتی ہے۔ اس کے اسباب متعدد ہیں، مثلاً دھوپ سے جلنا، جلدی اورام فرمنہ، آتشک، داد، چمبل، اکوتہ۔ آبلہ، سل و دق۔

ذیابیطس وغیرہ۔

(۵) سلعۂ سوداویہ (سوداوی رسولی) جس کے اندر مادۂ سوداویہ موجود ہو۔

(۶) سرطان سوداوی (سیاہ سرطان)۔

(۷) سقیروس سوداوی، جو سرطان ہی کے قبیلہ سے ہوتا ہے۔

(۸) عرق سوداوی (سیاہ پسینہ) جس میں سیاہ پسینہ جلد سے خارج ہوکر سفید کپڑوں کو سیاہ کردیتا ہے۔

(۹) [1]اوذیمائے سوداوی (سیاہ تہبج)۔

(۱۰) ظُفرۂ سوداویہ (ناخونہ سیاہ)۔

(۱۱) یرقان سوداوی (یرقان سیاہ): اس مرض میں جلد کا رنگ بجائے زرد ہونے کے، جیساکہ یرقان زرد میں ہوا کرتا ہے، سیاہ ہوجاتا ہے؛ علیٰ ہذا پیشاب بھی سیاہ خارج ہوتا ہے۔

(۱۲) اسی طرح بعض امراض میں گردیاں، غشاء مخاطی، قلب کے رباطات واوتار تک سیاہ ہوجاتے ہیں۔

---

[1] اُوذیما (تہبج) وہ ورم ہے، جس میں نہ حرارت ہوتی ہے اور نہ سُرخی، بلکہ ڈھیلا سا ورم ہوتا ہے، جس میں مائیت خون جمع ہوجاتی ہے، چہرہ کی بھربھراہٹ اس کی ایک کثیر الوقوع مثال ہے۔

GOVT. ... LIBRARY
No.......
Date.......
HYDERABAD ...

(۴) اعضاء

سات اُمورِ طبیعیہ میں سے چوتھی چیز "اعضاء" ہیں۔
(قرشی)

اعضاء کے علم کا نام "تشریح" ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بدن کے سیّال اجزاء اگر اخلاط کہلاتے ہیں، اور بخاری اجزاء ارواح، تو بدن کے جامد اجزاء اعضاء کہلاتے ہیں، جو اپنی شکل کی حفاظت خود آپ کرتے ہیں، اور جن میں نہ رطوبات کی طرح بہنے، اور نہ ارواح کی طرح منتشر ہونے کی بالفعل قابلیت ہوتی ہے۔

اعضاء مفردہ اور اعضاء مرکبہ

اعضاء کی دو قسمیں ہیں: اعضاء مُفرَدَہ — اعضاء مُرَکَّبہ۔
(قرشی)

اعضائے مفردہ: وہ اعضاء ہیں، جن کے اجزاء بہ ظاہر یکساں اور مشابہ نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو اعضاء مُتَشَابِہَۃُ الاَجزاء (ایک جیسے اجزا کے اعضاء) اور اعضاء بَسِیطَہ (سادہ اعضاء) بھی کہا جاتا ہے۔

بیشتر اعضائے مفردہ درحقیقت مختلف اجزاء سے مرکب ہوا کرتے ہیں، مگر چونکہ وہ اجزاء نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوتے، اس لئے انھیں

مُفرَدات ہی میں شمار کرتے ہیں، مثلاً وتر، غشاء، ورید، شریان، وغیرہ۔
جالینوس کہتا ہے کہ اگر کسی ایسے عضو کو، جس میں تھوڑی سی ترکیب ہو۔ اعضاء مفردہ میں شمار کیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اعضائے مرکّبہ وہ ہیں، جو ان ہی اعضاء مفردہ سے بنتے ہیں، اور جن کی ترکیب میں یہ مختلف اجزاء نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ اعضائے مرکبہ کو اعضاء آلیہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اعضاء ترکیب کے بعد ہی بدنی افعال کے لئے آلہ بنا کرتے ہیں۔ (شیخ)

اعضاءِ مُفرَدہ یہ ہیں:

(۱) ہڈی (عَظم)؛ (۲) کُرّی (غُضرُوف)؛
(۳) رِباط (بند)؛ (۴) عَصَب (پٹھہ)؛
(۵) وَتَر (نس)؛ (۶) جھلّی (غشاء)؛
(۷) گوشت (لحم)؛ (۸) شَحم وسَمِین (چربی ورداج)؛
(۹) شَرائین؛ (۱۰) اَوْرِدَہ

(قرشی)

ان اعضائے مفردہ میں بعض مصنّفین (صاحب کامل و ابوسہل) نے (۱۱) مُخ (گودہ، مغز) ۔۔۔ (۱۲) ناخن (ظُفر) اور (۱۳) بال (شعر) کا بھی اضافہ کیا ہے، جو قطعاً مناسب اور بجا ہے۔

انتباہ: ابوسہل مسیحی نے بجائے شرائین واَوردہ کے تنہا عُرُوق (رگیں) کہا ہے، جو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ عروق میں شرائین و اوردہ کے علاوہ دوسری رگیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔

ہڈی (عَظم، عظام: ہڈیاں)

ہڈی وہ سفید اور سخت عضو ہے، جس میں اس حد تک سختی

ہوتی ہے کہ اُسے موڑا نہیں جا سکتا (نفیس)۔

یعنی ہڈی میں مُڑنے کی صلاحیت تمام اعضاء سے کم ہے۔

ہڈی کے منافع

(۱) ہڈیاں بدن کے لئے بنیاد اور حرکات کے لئے سہارا ہیں، ان کے باہم اتصال سے ایک سخت ڈھانچہ تیار ہوتا ہے، جس میں اکثر مقامات پر حرکت کرنے والے جوڑ ہیں (مفاصل سلسہ)۔

(۲) بعض ہڈیاں رئیس و شریف اعضاء کی حفاظت کرتی ہیں، مثلاً کھوپڑی اور سینہ کی ہڈیاں۔

(۳) بعض ہڈیاں دوسرے اعضاء کو (مثلاً عضلات و رباطات کو) سہارا بخشتی ہیں، مثلاً عظم لامی۔

(۴) بعض ہڈیاں جوڑوں کے درمیان کی خلاء کو اس طرح پُر کرتی ہیں، کہ عضلات کے اوتار اور ہڈیوں کے درمیان جو رگڑ واقع ہوتی ہے، اس کی اصلاح ہو جائے، اور اُن کی حرکت میں کوئی فرق واقع نہ ہو، مثلاً عظام سمسمانیہ۔

(۵) بعض ہڈیاں دوسرے اہم اعضاء کے افعال مخصوصہ میں امداد کرتی ہیں، مثلاً کان کے اندر کی چھوٹی سماعت کی ہڈیاں (عُظَیمَاتُ السَّمْع)، جو فعل سمع میں امداد کرتی ہیں۔

(۶) بعض ہڈیاں ایسے راستے بناتی ہیں، جو برابر کھلے رہیں، مثلاً ناک کی ہڈیاں۔

انتباہ: ہڈیوں کی ساخت میں کم و بیش چھوٹی بڑی خلائیں ہوتی ہیں جن میں کہیں ہوا، اور اکثر مقامات پر مغز (گودا) بھرا ہوتا ہے۔

کُرکُری (غُضرُوف: غضاریف):

کُرکُری گویا ایک نرم ہڈی ہے، جس میں نرمی اور لچک ہڈی سے

زیادہ، مگر دوسرے اعضاء سے کم ہوتی ہے۔

کری کے منافع

(۱) نرم اور سخت اعضاء کا حُسنِ اتصال، مثلاً پسلیوں کی کریاں، اور غضروف خنجری۔ کریاں چونکہ سخت ہونے کے باوجود مڑنے کی قابلیت رکھتی ہیں، اس لئے سخت و نرم اعضاء کے درمیان یہ بہترین واسطۂ اتصال بن جاتی ہیں۔ پھر خوبی یہ ہے کہ لچک کے باعث چوٹ اور دباؤ سے یہ ٹوٹتی پھوٹتی بھی نہیں ہیں۔

(۲) متحرک جوڑوں میں مفصلی سطوح کا بنانا، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ حرکت کر سکیں۔ ایسی سطحوں کو ایک لیسدار رطوبت سے چکنا بھی کر دیا گیا ہے تاکہ حرکت میں مزید سہولت پیدا ہو جائے۔

(۳) بعض نرم و نازک اعضاء کو ڈھانکنا، مثلاً پپوٹے، جو آنکھ کے لئے ڈھکنے کے مانند ہیں، جو عضلات کی امداد سے حسب ضرورت کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔

(۴) کھلے راستوں کا بنانا، مثلاً حنجرہ اور قصبۃ الریہ (ہوا کی نالی) کی ترکیب میں کریاں رکھی گئی ہیں، جن کی نالیاں تنفس کے لئے ہمہ دم کھلی رہتی ہیں۔ ان میں مزید خوبی یہ ہے کہ اگر یہاں ہڈیاں ہوتیں، تو وہ اپنی سختی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ سکتی تھیں، مگر کریوں میں اس قسم کا اندیشہ نہیں۔

ناک اور کان کی کریاں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

رباط و عَقَب

رباط ایک سفید اور لچکدار عضو ہے، جو دیکھنے اور چھونے میں اعصاب سے مشابہ (عصبانی) ہوتے ہیں (شیخ)

رباط کو "رباط" اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا مقصد رَبط (بندش) یعنی ایک ساخت کو دوسری ساخت سے باندھنا ہے۔ علامہ نفیس کہتے ہیں:

"رباط کا کام ایک چیز کو دوسری چیز سے باندھنا ہے۔"

رباط کے منافع

رباط کے منافع متعدد ہیں:-

(۱) رباط کی مشہور ترین اور ظاہر ترین منفعت ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے باندھنا ہے، جس سے مفصل کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو جس طرح رباط کہتے ہیں، اُسی طرح سے عَقَبْ بھی کہتے ہیں۔ (عَقَبْ: کمان کی تانت، جس سے کمان ٹوٹنے سے محفوظ رہتی ہے۔)

(۲) رباط اور عصب دونوں شاخ در شاخ اور ریشہ ریشہ ہو کر بالکل خانہ دار جال سا بناتے ہیں۔ پھر ان شاخوں اور ریشوں کے درمیان کی فضائیں اور خلائیں گوشت (لَحْمِ عَضَلی) سے پُر ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ایک عَضَلہ بن جاتا ہے۔" (النفیس)

(۳) اوتار کی ساخت میں بھی بیشتر رباطی جوہر ہی ہوا کرتا ہے۔ یعنی اوتار کے بنانے میں بھی رباط شریک ہوتا ہے، جس میں عَصبی ریشے بھی شریک ہوتے ہیں۔ (النفیس)

(۴) جھلیوں کی ترکیب میں بھی رباطات شریک ہوتے ہیں، جن میں حسب موقعہ اعصاب کے ریشے کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ (النفیس)

(۵-۶) یہ معلوم ہے کہ شریانوں اور وریدوں کی ساخت میں بھی رباطی جوہر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نفیس نے تصریح کی ہے کہ "شریانیں اور وریدیں رباط و عصب سے مرکّب ہوتی ہیں۔"

الغرض دُنیائے بدن میں رباطی جوہر کا جال بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ ایسا کہ اس جال سے کوئی عضو بچا ہوا نہیں ہے۔

عَصَب (اَعْصَاب)

اعصاب: وہ سفید اور لچکدار اعضاء ہیں، جو مڑنے میں نرم،

مگر ٹوٹنے میں سخت ہوتے ہیں، یہ دماغ سے اُگتے ہیں، یا نخاع سے جن کی وجہ سے اعضاء میں حس و حرکت کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ (شیخ)

اعصاب کے اُگنے سے مُراد یہ ہے کہ یہ دماغ و نخاع سے اتصال رکھتے ہیں، جس طرح قلبی عروق قلب سے اتصال رکھتی ہیں۔
جو اعصاب نخاع سے نکلتے ہیں، اگر غور کیا جائے، تو وہ بھی دراصل دماغ ہی سے اُگتے ہیں، کیونکہ نخاع کا مبدأ دماغ ہی ہے۔

حُنین بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ

"اعصاب کا جوہر اور دماغ کا جوہر، بلحاظ نوعیت و اصلیت، ایک ہی ہے، کیونکہ اعصاب کا سرچشمہ دماغ ہی ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق و اختلاف اگر ہے، تو محض یہ کہ اعصاب سخت اور دماغ نرم ہے؛ سختی کی وجہ سے عصب میں یہ خوبی پیدا ہوجاتی ہے کہ آفات و نوائب سے یہ دُور ہوجاتا ہے۔"
(کتاب العشر مقالات فی العین)

ابن قُف مسیحی لکھتے ہیں:

"اعصاب کے جوہر میں گو نمایاں طور پر منافذ (چھید اور نالیاں) محسوس نہیں ہوتے، مگر ان میں منافذ ضرور ہوتے ہیں، بَرْدِیٌ نامی گھاس کے منافذ کی طرح، جیسا کہ جالینوس نے کتابُ العِلَلِ والأعْرَاض میں ذکر کیا ہے۔"[1]

اعصاب کے منافع اعصاب کی سب سے بڑی منفعت یہ ہے کہ اُن کی وجہ سے اعضاء میں حِس اور حرکت کی قوت حاصل ہوتی ہے۔" (شیخ)

یعنی حس و حرکت کا مبدأ اگرچہ دماغ و نخاع ہے، لیکن دماغ

---

[1] کتاب العمدۃ فی الجراحۃ جلد اول، مطبوعہ دائرۃ المعارف، صفحہ ۱۰۵۔

دنخاع اور اعضاء کے درمیان اعصاب کی مخصوص ڈوریاں واقع ہیں، جن سے اِن دونوں کے درمیان عصبی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

وَتر (اوتار)

بیشتر عضلات میں ایک حصہ لحمی اور سُرخ نظر آتا ہے، جو حقیقی عَضلہ ہے، اور دوسرا حصہ سفید، اسی سفید حصہ کو وَتر (نس) کہا جاتا ہے، جو عموماً عضلہ کے کسی ایک یا دونوں سرے پر پایا جاتا ہے۔ علی ہذا ان سروں پر گاہے وَتر ایک ہوتا ہے، اور گاہے دو، یا زیادہ۔

وَتر کی ترکیب میں رباط و عصب دونوں داخل ہیں — رباطی الیاف زیادہ، اور عصبی الیاف کم، لیکن یہ دونوں سفید اجزاء ایسے مِلے جلے ہوتے ہیں کہ آنکھوں سے بہ ظاہر ایک دوسرے سے ممتاز نظر نہیں آتے، اسی وجہ سے ان کو اعضائے مفردہ میں شمار کیا گیا ہے۔

غشاء (أغشیہ: جھلّیاں) أغشیہ (جھلیاں) وہ رقیق اور چوڑے اجسام ہیں، جو باریک عصبانی ریشوں سے بُن کر تیار ہوتے، اور دوسرے اجسام (اعضاء) کی سطحوں کو اندر یا باہر سے ڈھانکتے، اور اُن کے ساتھ چند منافع کے لئے چلتے ہیں۔

"عصبانی ریشوں" سے مراد وہ ریشے ہیں جو چھونے اور دیکھنے میں اعصاب جیسے سفید اور لچک دار ہوتے ہیں۔

اقسام بہ لحاظ نوعیتِ افعال جھلیوں کی ساخت میں کم و بیش اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) رباطی جھلیاں: ان میں اعصاب بہت ہی کم یا قطعاً معدوم ہوتے ہیں، یعنی یہاں یہ جھلیاں گویا خالصاً رباطی جو ہر پر

مشتمل ہوتی ہیں۔ ایسے مقامات میں ان کا بڑا فعل، اعضاء کو سہارا بخشنا، اور اِن کو متصلہ اجزاء سے باندھنا ہے، مثلاً عضلات کی جھلیاں (لَفائف)، اور اَوتارِ عَرِیضَہ:

(۲) **عُرُوقی جھلیاں**: ان میں حسب مصلحتِ تغذیہ، عروق کی بہت کثرت ہوتی ہے، مثلاً جنین کا پردہ مَشِیمی، آنکھ کا طبقہ مَشِیمِیَّہ، دماغ کی اُمِّ رَقیقہ۔

(۳) **عَصَبی جھلیاں**: ان میں حسب مقتضائے مقام اعصاب کی کثرت ہوتی ہے، مثلاً آنکھ کا طبقہ مُلتَحِمَہ، اور طبقہ شَبَکِیَّہ، اور کان کا پردہ (غِشَا صِمَاخی: طبلی)۔

غِشَاء مَائی (طَلّی) اسی زمرہ میں سینے اور شکم کی دونوں جھلیوں (غِشَاء مائی: طَلّی) کو بھی شمار کرنا چاہیئے، جو ان بند جوفوں کی دیواروں کی اندرونی سطح پر، اور ان جوفوں کے اعضاء (اَحشاءِ صدر و شکم) کی بیرونی سطح پر استر کرتی ہیں۔ یہ جھلیاں اعصاب کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ ذکی الحس ہوا کرتی ہیں۔

وجہ تسمیہ: ان جھلیوں کو مائی یا طَلّی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جھلیاں ہمیشہ ایک مخصوص قسم کی رقیق (پانی جیسی) رطوبت سے تر رہا کرتی ہیں۔ یہی رطوبت جب بحالتِ مرض زیادہ جمع ہو جاتی ہے، تو ان جوفوں میں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے، جس کو ان مقامات کا اِستسقاء کہا جاتا ہے؛ (ماء: پانی۔ طَلّ: شبنم)۔

غشاء مَفصِلی وہ جھلیاں جو جوڑوں کے اندر استر کرتی ہیں، وہ بھی مذکورہ بالا جھلیوں (اغشیۂ مائیہ) سے بہت مشابہ ہیں، لیکن ان کی رطوبت انڈے کی سفیدی کی طرح لیسدار اور گاڑھی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ان کو اَغشِیۂ زُلالِیَہ کہا جاتا ہے۔ (زُلال بَیض: انڈے کی سفیدی)

غِشَاء مُخَاطِی علی ہذا مجرائے غذا، مجرائے ہوا، مجرائے بول، وتناسل، وغیرہ میں جو جھلی استر کرتی ہے، وہ جوڑوں کی اغشیۂ زلالیہ سے اس بارے میں مشابہ ہوتی ہے کہ اُس کی سطح بھی ایک قسم کی لیسدار رطوبت سے لتھڑی رہتی ہے، جس کو شیخ نے رطوبۃ لزجۃ مُخَاطِیّۃ کہا ہے ——
(لَزِجَۃ: لیسدار — مُخَاط: رینٹھ۔ بلغم) لیکن دوسرے اطباء نے اس قسم کی بلغمی جھلیوں کو أغشیۃ صُفُوُدِجیّۃ بھی کہا ہے۔

نزلہ وغیرہ کی صورتوں میں جب یہ جھلیاں ورم ولذع سے متاثر ہوجاتی ہیں، تو ان سے یہ بلغمی رطوبت بکثرت مترشح ہونے لگتی ہے۔ مثلاً پیچش میں آؤں کا خارج ہونا، اور زکام میں ناک کا بہنا۔

جھلی کے منافع (۱) جس عضو پر جھلی استر کرتی ہے، اُس کی شکل کو اصلی ہیئت پر قائم رکھتی ہے، مثلاً دماغ کی جھلیاں۔ (النفیس)
اور آنکھ کا طبقۂ صُلبیہ۔

(۲) جس عضو پر یہ استر کرتی ہے، اُسے دوسرے عضو کے ساتھ (باندھ کر) لٹکا دیتی ہے، مثلاً گردے (پردۂ باریطون کے ذریعہ) ریڑھ سے لگے ہوئے ہیں۔ (النفیس)۔
اسی طرح جگر، طحال، معدہ، امعاء، قلب، پھیپھڑے وغیرہ کی جھلیاں بھی ان اعضاء کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھنے میں معاون ہوتی ہیں۔

(۳) بعض اعضاء میں قوت حسّاسہ معدوم ہوتی ہے (یا ان میں یہ قوت قدرتی مصالح سے کمزور رکھی گئی ہے) ایسے اعضاء پر ذی حس جھلی استر کرکے ان میں ایک حساس سطح بنا دیتی ہے، مثلاً پھیپھڑے یہی حال جگر، طحال، گردے وغیرہ کا بھی ہے (النفیس)۔ ان اعضاء کی جھلیاں اصل اعضاء کے جوہر کے مقابلہ میں نہایت ذکی الحس (عصبی) ہیں۔

(۴) بعض جھلیاں سخت اور نرم عضو کے بیچ میں حائل ہوجاتی ہیں، جس سے نرم عضو سخت عضو (کی سختی) سے کوئی ضرر نہیں پاسکتا، مثلاً دماغ کی دونوں اُمّین (ماہیں)۔ — اُمّ رقیقۃ، اور اُمّ غلیظۃ (یہ دونوں جھلیاں بھیجے اور کھوپڑی

---

[۱] صُفُودِج یا صَارُوج: دیواروں کا استر جو مٹی یا چونے (گچ) سے کیا جاتا ہے۔

کی ہڈی کے درمیان حائل ہیں)۔ (اُمّ: ماں — اُمَّین: دو ماں) (نفیس)۔

(۵) جس عضو پر جھلّی استر کرتی ہے، اس کو مضرتوں سے بچاتی ہے (یعنی فضلاتِ غذائیہ وغیرہ کی آفات سے مصئون و محفوظ رکھتی ہے)، مثلاً مری، معدہ، (امعاء قصبۂ ریہ وغیرہ) کی جھلّیاں۔ (نفیس)

ان کی اندرونی سطح پر غشاءِ بلغمی یا مخاطی کا استر ہوتا ہے، اور ان کی بیرونی سطح پر غشاءِ رمائی یا طلّی کا۔ بول و براز اور دیگر اجسام غریبہ کی ملاقات اندرونی سطح سے ہوا کرتی ہے، جہاں اگر یہ لیسدار جھلّی نہ ہو تو نہ معلوم کیا مصیبت لاحق ہو۔

(۶) بعض جھلیوں میں رگیں جال بناتی ہیں، جو جنین کے تغذیہ کی خدمت انجام دیتی ہیں، مثلاً غشاءِ مشیمی (جو جنین پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور جس میں عروق کا گھنا جال ہوتا ہے)۔ (نفیس)

اس قسم کی منفعت عروقی جھلیوں سے حاصل ہوا کرتی ہے، جس میں جنین کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ جس عضو پر اس قسم کی جھلّی استر کرتی ہے، اس کے تغذیہ کی خدمت اسی جھلّی سے وابستہ ہوتی ہے۔

غشاءِ مَشِیمی: جنین کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے، جس میں وریدوں اور شریانوں کا جال ہوتا ہے، اس جال کا تعلق ایک طرف رحمِ مادر کی عروق سے، اور دوسری طرف بدنِ جنین کی عروق سے قائم ہوتا ہے۔

(۷) بعض جھلّیاں اعضاء کو چند اجزاء میں اور متعدد حصص میں تقسیم کردیتی ہیں، جس سے فائدہ یہ پہونچتا ہے کہ اگر کوئی آفت ان اعضاء میں لاحق ہو، تو وہ سارے میں پھیلنے نہ پائے، مثلاً وہ جھلّی جس نے دماغ اور نخاع کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے، (اس لئے اگر داہنے حصے میں کوئی آفت لاحق ہوگی تو بایاں حصہ بچا رہے گا، وعلیٰ ہذا القیاس برعکس)۔ (نفیس)

مقدمِ دماغ ایک طولانی شگاف کے ذریعہ داہنے اور بائیں دو نصف میں منقسم ہے، ان دونوں حصوں کے بیچ میں **اُمِّ غلیظہ** کا ایک حصہ (ریطۂ مقدم) حائل ہوجاتا ہے، اسی طرح نخاع کی پوری لمبائی میں سامنے

اور پیچھے کی طرف ایک ایک شگاف ہوتا ہے، جس کے اندر دُور تک جھلّی گھسی رہتی ہے۔

(۸) بعض جھلّیاں دیگر منافع کے علاوہ بدنی حرارت کی حفاظت کرتی ہیں اور اسے تحلیل ہونے سے روکتی ہیں مثلاً صفاق (یعنی شکم کا پردہ باریطون۔ (نفیس) اس منفعت کی بہترین مثال وہ جھلّی ہے، جو جلد کے نیچے پائی جاتی ہے، اور جس کے اندر کافی مقدار میں چربی ہوتی ہے۔ علیٰ ہٰذا اگر صفاق سے اس کا مخصوص حصّہ' ثرب مراد لیا جائے'، تو وہ بھی بہترین مثال ہے۔

(۹) بعض جھلّیاں شریف اعضاء تک مکدر (اور گندے) بخارات کو جانے سے روکتی ہیں مثلاً حجاب حاجز۔ (نفیس)

حجابِ حاجز گو تنفس کے لئے ایک ضروری عضلہ ہے، مگر یہ جھلّی کی صورت میں پھیل کر اعضائے صدر اور اعضائے شکم کے درمیان حائل ہے،' جس سے ضمنی طور پر یہ فائدہ پہونچتا ہے کہ باورچی خانہ (معدہ و امعاء) کی گندگیوں سے قلب و شش جیسے شریف اعضاء دُور رہیں۔

(۱۰) بعض جھلّیوں سے ایسی رطوبات کا ترشح ہوتا ہے، جو دوسری چیزوں کے ہضم و تغیر میں امداد کرتی ہیں، مثلاً منھ، مری، معدہ اور امعاء کی جھلّیاں جس کے اندر قوتِ ہاضمہ پائی جاتی ہے، جیسا کہ ابوسہل، صاحب کامل اور شیخ وغیرہ نے بحث ہضم میں اس کی تصریح کی ہے۔

(۱۱) طبقۂ عِنَبِیّہ (قُزَحِیّہ) بھی ایک جھلّی ہے، جو ثُقبۂ عِنَبِیّہ کو حسبِ ضرورت تنگ اور فراخ کیا کرتا ہے

(۱۲) اسی طرح طَبَقۂ مَشِیمِیّہ اگر اپنے عروق کے ذریعہ اجزاء چشم میں سامانِ غذا فراہم کرتا ہے، تو اپنی سیاہی کی وجہ سے نور کا انجذاب کر کے فعل بصر میں امداد کرتا ہے۔

لحم (گوشت)

مبحث مزاج کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ اطبائے قدیم نے لَحْم
مفہوم کو کافی وسیع رکھا ہے:

۱ عضلات کے اندر لَحْم عضلی پایا جاتا ہے، جس کا بڑا کام متعلقہ
اعضاء کی تحریک ہے۔

۲۔ گلٹیوں کے جوہر میں لَحْمِ غُدّی (یا: لَحْمِ غُدَدِی) پایا جاتا
ہے جس کا کام مخصوص رطوبات کی تولید ہے۔

۳۔ مسوڑھوں کو اطباء لَحْمُ الْأَسْنَان (دانتوں کا گوشت)
کہتے ہیں۔

۴۔ پھیپھڑے کے مخصوص جوہر کو بھی اطباء لَحْمُ الرِّیَہ کے نام سے
ذکر کیا کرتے ہیں۔

(۵) بقول، علامحمود آملی، شیخ الرئیس کے نزدیک شَحْم و سمین
(چربی و روغن) بھی لحم میں شامل ہے۔

لیکن قلب میں عضلات کی طرح اگرچہ انقباضی و انبساطی حرکت
...ی جاتی ہے، مگر دوسرے عام عضلات سے یہ حرکات جداگانہ اور ممتاز ہیں،
...ر بغور مطالعہ کیا جائے، تو تشریحی حیثیت سے بھی قلبی جوہر عام عضلی
...ہر سے مختلف ہے۔ اس لئے اطباء قدیم اس کو عام عضلات سے جُدا
...ں رکھتے، اور اس کو ایک مخصوص مقام بخشتے ہیں۔ چنانچہ علامہ علی
...انی لکھتے ہیں:

...أمّا لَحْمُ الْقَلْبِ فَهُوَ فی اعلی ...راتِبِ الشَّرَفِ، وبذلك ...سْتَغْنیٰ عن ذکرہ انعما ...صْفنا۔ (جامع الترجیحی ...)	رہا قلب کا گوشت، وہ تو شرافت کے بلند ترین مقام میں ہے، اُس کی اسی بلندی نے اس امر سے بے نیاز کردیا ہے کہ اس کے منافع کا ذکر اس مقام (عام مقام) پر کیا جائے۔

لحم عضلی کے منافع

(۱) لحم عضلی کا سب سے بڑا کام اعضاء کی تحریک ہے، جیساکہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے

(۲) لحم براہِ راست (بالذات) بدن کو گرم کرتا ہے، بدنی حرارت کو جسم کے اندر بند کرکے اکٹھا کرتا ہے۔ (نفیس)

"بدن کے عضلات بالذات مسخن ہیں" یعنی گوشت براہِ راست خود گرم ہے، اور بہت بڑی مقدار میں اس کے اندر حرارت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً جب عضلی ورزش زیادہ کی جاتی ہے۔

الغرض بدنی حرارت کی تولید اور اُس کے قیام میں بدن کے گوشت کا خاص حصہ ہے۔

(۳) گوشت اُن رخنوں کو پُر کرتا ہے، جو اعضاء (اعضاءِ بسیطہ) کے درمیان واقع ہیں، جس سے اِن اعضاء کی وضع اس طرح محفوظ رہتی ہے، کہ حرکت کی قدرت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا (نفیس)

(۴) گوشت بعض اعضاء کو بیرونی صدمات سے بچاتا ہے، نیز گوشت بعض اعضاء کو (نرم و نازک اعضاء کو) دوسرے سخت اعضاء کی ملاقات کی مضرت سے بچاتا ہے۔ (نفیس)

(۵) بعض اعضاء کے لئے گوشت فرش اور گدیلے کا کام دیتا ہے، مثلاً ران کا گوشت، (سُرین کا گوشت)۔ (نفیس)

(۶) گوشت کی وجہ سے اعضاء کی شکل و صورت میں حُسن و خوبی (موزون تناسب) حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دق کے مریضوں میں گوشت کی کمی (اور لاغری) کی وجہ سے ان کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ (نفیس)

(۷) بدن کا گوشت بیرونی حرارت و برودت کو اندرون بدن میں نفوذ کرنے سے باز رکھتا ہے۔ (نفیس)

لحم کے پہلے دونوں فوائد (تحریک و تسخین) بہت اہم اور خصوصی ہیں

لحم غددی کے منافع

لحم عضلی کے بعد لحم غددی (گلٹیوں کے گوشت) کے منافع

علامہ محمود آملی نے مختصراً اس طرح قلمبند کئے ہیں۔

"(۱) بعض گلٹیاں ایک ایسی رطوبت پیدا کرتی ہیں، جو بقائے نوع (اور حفظِ نسل) کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اُنثیین کا گوشت، جو رطوبت منویہ پیدا کرتا ہے۔" (آملی)

اسی طرح وہ تمام گلٹیاں اس زمرہ میں شریک ہیں، جو بقائے نوع سے کسی طرح تعلق رکھتی ہیں، مثلاً عورتوں میں خصیۃ الرحم، چھاتیاں اور مردوں میں غدۂ مذی اور غدۂ ودی، وغیرہ۔

(۲) بعض گلٹیاں کوئی ایسی رطوبت پیدا کرتی ہیں، جو کسی طرح بدن انسان کے تغذیہ سے، یا کسی دوسری منفعت سے تعلق رکھتی ہے، مثلاً غُدَدِ تحتَ اللسان (غُدَدِ تحتَ الفَکّ[۲]۔ غُدَدِ اَصلِ الاُذن) جو رطوبتِ لعابیہ پیدا کرتی ہیں۔ (آملی)

انتباہ: اس مقام میں علامہ علی گیلانی لکھتے ہیں:

"گردے، جگر، اور ان دونوں جیسے شریف اعضاء کے گوشت کا ذکر اس عام بیان کے موقع پر ان کی شرافت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے، (بلکہ ان کی اہمیت اور شرافت مستقل ابواب و فصول اور مستقل بیانات کی محتاج ہے۔)

---

[۱] غُدَدِ تحتَ اللسانُ: زبان کے نیچے کی دو گلٹیاں۔

[۲] غُدَدِ تحتَ الفَکّ، جو سابقہ دونوں گلٹیوں سے ذرا پیچھے زیرین جبڑے کی اندرونی سطح میں ہوتی ہیں۔

[۳] غُدَدِ اَصلِ الاُذن (نکف): یہ دو گلٹیاں کان کی لَو کے پاس ہوتی ہیں اور سب میں بڑی ہیں۔ کن پیڑے کی بیماری میں یہ متورم ہو جاتی ہیں۔ (اَصلُ الاُذن: کان کی جڑ)

شحم وسمین (چربی اور رواج)

شحم وسمین وہ سفید نرم اجسام ہیں، جن کے اندر روغنی مادہ (مادّہ دسمہ: دُسُومت) کا ذخیرہ ہوتا ہے۔

"یہ زیادہ تر جھلیوں اور عصبی اعضاء (رباطی اعضاء) پر پائے جاتے ہیں"۔ (نفیس) سمین درحقیقت ایک قسم کی شحم (چربی) ہی ہے، جیسا کہ ابوسہل مسیحی کے اس قول سے ظاہر ہے:

"شحم کی دو قسمیں ہیں:

ایک نرم، جس میں دوسری قسم سے جمنے کی قوت کمتر ہوتی ہے، مثلاً وہ چربی جو گوشت کے ساتھ (اُس کی جھلیوں میں) ہوتی ہے۔ اس قسم کو سَمِین (رواج) کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم مقابلۃً خشک، اور زیادہ جمی ہوئی ہوتی ہے؛ اسے جب پگھلایا جاتا ہے، تو یہ جلد جم جایا کرتی ہے مثلاً گردوں کی چربی، پردۂ ثرب کی چربی، دجو شکم میں، علی الخصوص بڑی توند والوں میں بکثرت پائی جاتی ہے)۔ (کتاب المئۃ، کتاب ثالث)۔

شحم کے منافع

چربی کے بیشتر منافع اُس روغنی مادہ سے وابستہ ہیں، جو اس کے خانوں میں ذخیرے کے طور پر جمع رہتا ہے۔

(۱) بحث مزاجِ اعضاء میں بتایا گیا ہے کہ شحم وسمین دراصل گرم ہیں (شیخ) اور چربی بدن میں اس طرح حرارت پیدا کرتی ہے، جس طرح سوکھے تنکے اور گھاس پھونس آگ میں ڈالنے سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ (آملی)

اسی مدعا کی طرف علامہ نفیس کرمانی اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ:

"چربی اپنی دُہنیت (چکنائی) کے باعث دوسرے اجسام سے حرارت بہت زیادہ قبول کرلیا کرتی ہے" — یہی وجہ ہے کہ یہ آگ سے جل جایا کرتی ہے۔"

یعنی باہر اگر روغنی مادّہ آگ سے مشتعل ہوجایا کرتا ہے، تو بدن کے اندر

بھی اس مادہ کی نوعیت یہی ہے ،یعنی گھاس پھونس کی طرح یہ بدن کے اندر مشتعل ہوجایا کرتی ہے ،جس سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہوتی رہتی ہے

(۲) چونکہ بدن کے اندر ہضم وتغیر ہی بدنی حرارت معین ہوتی ہے ، اس وجہ سے چربی کو فاضل نفیس نے "مُعین ہضم" لکھا ہے۔

(۳) چربی کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ" چونکہ اس میں ایک مخصوص قسم کی لزوجت (لیس) ہوتی ہے ، اس لئے جو حرارت اس کے مادے میں حاصل ہوتی ہے ، وہ اس میں (دیر تک) محفوظ رہتی ہے ." (نفیس)

تجربہ شاہد ہے کہ روغن اور گھی وغیرہ گرم ہوتے کے بعد جلد ٹھنڈے نہیں ہوتے ، کیونکہ یہ حرارت کو اپنے جسم کے اندر دیر تک روکے رکھتے ہیں.

(۴) جن اعضاء پر چربی پیدا ہوتی ہے ،ان کو اپنی چکنائی کی وجہ سے نرم اور تر رکھتی ہے ۔ (نفیس)

(۵) چربی بھی حسن وجمال پیدا کرنے میں لحم کی شریک ہے ۔ (نفیس)

(۶) علی ہذا لحم کی طرح یہ اعضاء کو بیرونی حرارت وبرودت کے ضرر سے اور بیرونی صدمات سے بچاتی ہے. (نفیس)

(۷) اعضاء کو اپنی چکنائی (رطوبتِ دُہنیہ) سے نرم اور تر رکھتی ہے ،جس سے ان میں جلد خشکی لاحق نہیں ہونے پاتی ۔

اَوْرِدَہْ (ورید کی جمع)

وریدیں عصبانی جوہر کے اجسام ہیں جو طول میں بڑھتے ہیں ، مُجَوَّف (نالیدار) ہوتے ہیں ، اور شریانوں کی طرح تڑپتے نہیں (ساکن رہتے ہیں)۔ اسی وجہ سے ان کو عُرُوقِ ساکِنَہ بھی کہا جاتا ہے ۔ بیشتر وریدوں میں جو خون جاری رہتا ہے وہ سیاہی مائل ہوتا ہے ؛ اسی وجہ سے اِس قسم کے خون کو دَمِ وَرِیدِی کہا جاتا ہے ، جس میں شریانی خون سے مقابلۃً روح کی مقدار کم ہوتی ہے ۔

اَوردہ کی دیواریں اُن ہی مقامات کی شرائین کی دیواروں سے باریک ہوتی ہیں، یعنی شرائین مقابلۃً دبیز اور مستحکم ہوتی ہیں۔

عَصَبانی جَوہر سے مراد یہ ہے کہ وریدوں کی ساخت میں جو رِباطی اور عَصَبی ریشے وغیرہ پائے جاتے ہیں، وہ بظاہر اعصاب کی طرح سفید اور لچکدار معلوم ہوتے ہیں۔

شَرائین (شریان کی جمع)

شریانیں بھی درحقیقت وریدوں ہی کی مانند ہوتی ہیں (یعنی دونوں کی ساخت اور ترکیب جوہری ایک ہے)۔ فرق صرف اس قدر ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی مقام کی ورید (ورید مرافق شریان) کے طبقات سے دبیز ہوتے ہیں؛ نیز شریانیں ہر وقت سکڑتی اور پھیلتی رہتی ہیں، یعنی ان میں انقباضی اور انبساطی حرکت ہوتی رہتی ہے؛ جس سے ان کو عُروقِ ضَارِبَۃ (مارنے والی رگیں) کہا جاتا ہے۔ شرائین کی حرکات کو اصطلاحاً نَبْض (تڑپنا) کہا جاتا ہے۔

اکثر شریانیں مرنے کے بعد بصورتِ نے کھُلی ملتی ہیں، لیکن وریدوں کے طبقات چونکہ پتلے ہوتے ہیں، اس لئے وہ ایک دوسرے پر پڑ کر نالی کو بند کر لیتے ہیں۔

شرائین کے طبقات دو ہیں یا تین؟

اکثر قدیم مُشَرِّحِیْن انہیں دو کہتے ہیں، اور بعض انہیں تین گنتے ہیں، جیسا کہ صاحب کامِلُ الصِّنَاعَۃ نے بتایا ہے[1]۔ واقعہ یہ ہے کہ تیسرا طبقہ اس قدر باریک ہے کہ اگر اُسے دوسرے طبقہ کا اندرونی استر (اندرونی چکنی سطح) شمار کیا جائے تو غلط نہیں۔ علاوہ ازیں یہ طبقہ باریک شرائین میں ناپید سا ہو جاتا ہے۔ اس لئے شرائین کے طبقات کا دو شمار کرنا بھی صحیح ہے۔

---

[1] کہ ایک گروہ شرائین کے طبقات تین گنتا ہے۔

عروق شعریہ: وریدوں اور شریانوں کے درمیان بال جیسی باریک رگیں پائی جاتی ہیں، جن کو عُرُوق شَعْرِیَّہ کہا جاتا ہے۔ (شَعْر: بال)۔ ان عروق کی دیواریں اتنی باریک اور مسامدار ہیں کہ جب ان میں خون دوڑتا ہوا پہنچتا ہے، تو ان کے اِن مسامات سے سامانِ غذا وغیرہ چھن کر اعضاء کی ساختوں میں چلا جاتا ہے، اور اعضاء کی ساختوں میں جو فضلات موجود ہوتے ہیں، وہ بھی اِن ہی مسامات کی راہ ساختوں سے چھن کر ان عروق کے اندر آجاتے ہیں۔ الغرض اِن ہی عروق کے ذریعہ اعضاء کی ساختوں کو مناسب غذاء اور روح ملا کرتی ہے، اور اِن ہی عروق کی راہ اعضاء کے فضلات خارج ہوا کرتے ہیں۔

عروقِ دمویہ اور ماتی العروق وریدیں، شریانیں، اور ان دونوں کے درمیان ذریعۂ اتصال، عروقِ شعریہ۔ یہ تینوں رگیں مجموعی طور پر عُرُوق دَمَوِیَّہ (خون کی رگیں) کہلاتی ہیں، کیونکہ ان میں ہمہ دم تمام اخلاط دائم الجریان اور دائم الحرکۃ رہتے ہیں۔ یعنی یہ رگیں دراصل انابیب (نلکیاں) یا مجاری (نالیاں) ہیں، جن میں ایک سرخ سیّال (خون) ہر وقت دوڑتا پھرتا ہے، تاکہ جگہ جگہ پہونچکر جہاں سے جو سامان لینا ہے، لیتا رہے، اور جہاں جو سامان دینا ہے، دیتا رہے۔

چنانچہ اعضائے ہضم (معدہ بشرکتِ امعاء) سے غذا عروقِ ماساریقا کی راہ جگر میں پہنچکر اور ہضم و تغیر پاکر بذریعہ اوردہ کبدیہ اجوف میں، اور اجوف سے قلب میں پہنچتی ہے، جہاں سے تمام شرائین میں منقسم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح پھیپھڑوں سے بیرونی ہوا کے اجزاءِ رُوح (نسیم) خون میں منجذب ہوکر شرائین وریدیہ کی راہ قلب کے بائیں اذن میں اور اس کے بعد بائیں بطن میں داخل ہوکر تمام شرائین میں پھیل جاتے ہیں۔

یہ دونوں ضروری چیزیں (غذا اور روح) اگر خون کی رگوں میں پھیپھڑوں اور معدہ سے داخل ہوتی ہیں، جو اعضاء میں پہونچکر تغذیہ اور

تولیدِ حرارت وغیرہ کی خدمت انجام دیتی ہیں، تو گردوں کی راہ خون کے اجزار بولیہ، اور پھیپھڑوں کی راہ اجزارِ دُخانیہ خارج ہوا کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک راستہ سے خون گردہ اور پھیپھڑہ میں آتا ہے، اور فضلات سے پاک ہو کر دوسرے راستے سے واپس چلا جاتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ دو قسم کی نالیوں کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں ورید ہے، وہاں شریان موجود ہے، اور جہاں شریان ہے، وہاں ورید موجود ہے۔

اعضاء کا مادّہ اور کیفیتِ تولّد

یہ سارے اعضائے مفردہ کس مادہ سے تیار ہوتے ہیں؟

اس میں دو گروہ ہیں:

پہلا گروہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اِن سارے اعضاءِ مفردہ کا ابتدائی تخم اور خمیرہ نطفہ ہے جس کو منی کہتے ہیں، اور جس میں ماں اور باپ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مزید ترقی خون کے اجزاء (اخلاطِ خون) سے ہوتی ہے۔

یہ خیال ابو سہل مسیحی جیسے حکماء کا ہے۔ یہ قائل ہیں کہ

"تمام اعضائے مفردہ ابتداءً منی سے بنتے ہیں، اس کے بعد خون سے پرورش حاصل کرتے ہیں۔"

علیٰ ہٰذا دوسرے مقام میں لکھتے ہیں کہ

"جو قوت جنین کا جسم تیار کرتی ہے، وہ منی کے سخت اجزاء کو الگ جذب کرتی ہے، جس سے ہڈی بن جاتی ہے، اور منی کے گرم وتر اجزاء کو الگ کھینچتی ہے، جس سے گوشت بن جاتا ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء (منی کے مخصوص اجزاء کی علیحدگی سے حاصل ہوتے ہیں)۔"

(ماخوذ کتاب الاخلاط)

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ابو سہل مسیحی جیسے حکماء کے نزدیک تخم:

شحم بھی منی ہی سے بنتے ہیں، نہ کہ خون اور مائیتِ خون سے.

دوسرا گروہ

دوسرا گروہ قائل ہے کہ:

سارے اعضائے مفردہ منی سے بنتے ہیں، صرف لحم، سمین، اور شحم منی سے نہیں بنتے، بلکہ گوشت متین دم (قوی خون: گاڑھے خون) سے بنتا ہے، اور حرارت کی وجہ سے اس میں انعقاد (بستگی) حاصل ہوتی ہے، اور سمین و شحم خون کی مائیت (خون کی چکنائی) سے بنتی ہیں، اور برودت کی وجہ سے ان میں بستگی حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے حرارت انھیں حل کردیا کرتی ہے. (یعنی پگھلا دیا کرتی ہے.)

(علامہ قرشی)

اعضاء کا منی سے بننا

علامہ نفیس فرماتے ہیں:

"اس قول کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ یہ اعضاء پورے طور پر منی ہی سے بنتے ہیں، بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ابتداءً یہ منی سے بنتے ہیں، پھر یہ عورت کے فاضل خون سے تغذیہ حاصل کرکے نمو پاتے ہیں، جو حیض میں خارج ہوا کرتا ہے."

"بلکہ یوں کہنا بہتر ہے کہ عورت کے اُس خون سے پرورش پاتے ہیں، جو دیوار رحم سے برآمد ہوتا ہے، اور جس کو دوسرے زمانہ میں حیض کا خون کہا جاتا ہے."

اعضائے اصلیہ اور دمویہ

پہلے گروہ کے نزدیک چونکہ تمام اعضائے مفردہ ابتداءً منی ہی سے بنتے ہیں. اس لئے اس کے نزدیک سارے اعضائے مفردہ اعضائے اصلیہ کہلاتے ہیں.

لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک لحم و شحم وسمین اعضائے دمویہ

(خون کے اعضاء) کہلاتے ہیں، اور باقی سارے اعضائے مفردہ اعضائے منویہ (منی کے اعضاء)۔

انعقادِ لحم حرارت سے، اور
انعقادِ شحم برودت سے

مصنف نے لکھا ہے کہ:
"لحم کا انعقاد حرارت سے حاصل ہوتا ہے، اور شحم و سمین کا برودت سے۔"

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لحم کے جوہر میں ایک مخصوص مادہ پایا جاتا ہے، جس میں دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک ممتاز خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ حرارت کی تاثیر سے اُس میں لبستگی حاصل ہو جاتی ہے۔"

چنانچہ اس جوہر کی نمایاں مثال انڈے کی سفیدی (بَیَاضِ بَیض: ماح) ہے، جو حرارت سے جم جایا کرتی ہے۔ اِس لحاظ سے انڈے کی سفیدی لحمی جوہر سے بہت مشابہ ہے۔

اس کے برعکس شحمی جوہر میں لبستگی برودت سے حاصل ہوتی ہے جس کی دلیل خود مصنف نے اس طرح بیان کی ہے کہ "اسی وجہ سے حرارت انھیں پگھلا دیا کرتی ہے۔"

علیٰ ہٰذا جن لوگوں کے بدن میں چربی زیادہ ہو، جیسا کہ فربہ لوگوں میں اکثر پایا جاتا ہے، وہ نسبۃً کم حار، یعنی نسبۃً بردالمزاج ہوتے ہیں۔ حارالمزاج لوگوں کے بدن میں کثرت حرارت کی وجہ سے بہت زیادہ چربی جل جایا کرتی ہے، اکٹھی نہیں ہونے پاتی۔

چنانچہ صفراوی مزاجوں کے پیٹ میں، اور جلد کے نیچے چربی بہت کم پائی جاتی ہے، جس سے ان کے گال پچکے ہوئے سے ہوتے ہیں۔

اعضائے مرکبہ

اعضاء کی دوسری قسم اعضائے مُرکَّبَہ ہیں.

(قرشی)

" اعضائے مرکبہ کو اعضائے آلیہ بھی کہا جاتا ہے ، کیونکہ یہی اعضاء نفس کے تمام حرکات و افعال کے آلات و ذرائع ہیں." (شیخ)

اعضائے مرکبہ کی فرضی تقسیم

اعضائے مرکبہ گاہے پہلی ترکیب (ترکیب اوّلی) سے مرکب ہوتے ہیں ، جیسے عضلات .

گاہے دوسری ترکیب (ترکیب ثانوی) سے ، جیسے آنکھ ،

گاہے تیسری ترکیب (ترکیب ثالثی) سے ، جیسے چہرہ ،

گاہے چوتھی ترکیب (ترکیب رابعی) سے ، جیسے سر — مثلاً

(قرشی)

پہلی ترکیب (ترکیب اوّلی) سے مرکب ہونے کے معنی یہ ہیں ، کہ وہ محض اعضائے مفردہ سے مرکب ہوتے ہیں ، (کوئی مرکب عضو ان کی ترکیب میں شامل نہیں ہوتا ہے) ، مثلاً عضلات کی ترکیب میں لحم ،

عصب، رباط، اور غشاء داخل ہوتے ہیں، (اور یہ سب کے سب مفرد ہیں)۔" (نفیس)

اسی طرح دوسری ترکیب (ترکیب ثانوی) سے مرکب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اجزاء میں پہلی ترکیب کا کوئی مرکب بھی ہوتا ہے، اور دوسرے اجزاء بھی ہوتے ہیں، مثلاً آنکھ ——— آنکھ کا ایک جزء عضلہ بھی ہے، جو پہلی ترکیب کا مرکب ہے؟

(از برہان الدین نفیس)

دوسری تراکیب (ترکیب ثالثی اور رابعی) کو اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

ترکیب کی یہ قسمیں محض عقلی اور فرضی ہیں

علامہ نفیس لکھتے ہیں:-

"مصنف نے آخر میں مثلاً کیوں کہا؟ اس سے ان کی غرض کیا ہے؟ اس سے اشارتاً یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ترتیب جو بتائی گئی ہے، محض ایک فرضی اور اعتباری چیز ہے (جسے عقلی طور پر مان لیا گیا ہے) کوئی تحقیقی امر نہیں ہے (جس کا کوئی خارجی وجود ہو)۔"

فائدہ: بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں کو اس قسم کے بیان سے خالی رکھا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی خارجی واقعیت نہیں، اور نہ طبیب کے فرائض میں اس سے کوئی نفع پہونچتا ہے۔

ہر عضو کی ذاتی قوت

ہر عضو کے جوہر میں ایک ذاتی طبعی قوت پائی جاتی ہے۔ (طبری)

شیخ نے کتاب اول (قانون) میں لکھا ہے:

"ہر عضو کی ذات میں (اس کے جوہر میں قدرتاً) ایک طبعی قوت (قوت

غَرِیْزِیَّہ) ہوا کرتی ہے، جس سے اُس کے تغذیہ کا کام جاری رہتا ہے۔

تَغْذِیَہ کے کام سے مراد: غذا کا جذب کرنا — اس کا عضو کے اندر روکنا — اُس کو عضو کے مشابہ بنانا — اُس کو عضو کی ساخت کے ساتھ چپکا دینا — اور اس کے فضلات کو خارج کر دینا ہے۔"

اسی طرح ابوالحسن رَبَّن طبری نے لکھا ہے:

"ہر عضو میں ایک طبعی قوت (قوّتِ غَرِیْزِیَّہ) ہوا کرتی ہے؛ چنانچہ وہ عضو اسی قوت سے اپنی غذاء جذب کرتا، اور اپنے فضلات دفع کرتا ہے۔ یہ اس قوت کے مماثل ہے، جس سے درخت اپنی غذاء جذب کیا کرتے ہیں، — اور یہ قوت اُس قوت کے مماثل (طبعی اور فطری) ہے، جسے خالقِ برتر نے سنگِ مقناطیس میں رکھا ہے، جس سے وہ لوہے کو جذب کرتا ہے — اور یہ اُس قوت کے مانند ہے، جو حیوانات کی پرورش کرتی ہے۔"

"............ یہ وہی قوت ہے، جو اُونٹ کے بچے کو، پیدا ہوتے ہی ماں کے تھن کی طرف لے جاتی ہے۔"

"جو چوزے کو، انڈے سے نکلتے ہی، دانے کی طلب کی تعلیم دیتی ہے۔" (وغیرہ وغیرہ) [1]

قوتِ روحانیہ (قوتِ غریزیہ)

اسی قوت کو ربَّن طبری نے دوسرے مقام پر قوتِ روحانیہ کے نام سے ذکر کیا ہے:

جس طرح بدن کے ہر عضو میں ایک روحانی قوت ہوا کرتی ہے جو اس غذاء کو عضو کے جوہر میں تبدیل کر دیتی ہے، جو اس کے پاس آتی ہے، اسی طرح ہر درخت اور ہر پودے میں ایک روحانی قوت ہوا کرتی ہے، جو اس کی تدبیر و اصلاح کرتی، اور اس کی

[1] فردوس الحکمۃ صفحہ ۴۱ و ۴۲۔

غذا میں تغیر پیدا کرکے اس کے جوہر کے مشاکل بنا دیا کرتی ہے۔"

عضو معطی اور قابل

معطی اگر کوئی عضو کسی دوسرے عضو کو کوئی قوت عطا کرتا ہے، تو بخشنے والے عضو کو معطی کہا جاتا ہے۔

قابل اور جو عضو اس عطیہ کو قبول کرتا ہے، اُسے قابل کہا جاتا ہے۔

معطی: عطا کرنے والا؛ بخشنے والا۔

قابل: قبول کرنے والا عطیہ حاصل کرنے والا۔

مثلاً دماغ قوت حس و حرکت کا مبدأ ہے، جو دوسرے اعضاء کو عطا کرتا ہے، اس لئے دماغ اگر قوتِ حس و حرکت کا معطی ہے، تو دوسرے اعضاء، جن میں دماغ سے (بتوسط اعصاب) حس و حرکت کی قوت پہونچتی ہے، اعضائے قابلہ ہیں۔

اعضائے رئیسہ

اعضائے مرؤسہ، اعضائے خادمہ

اعضائے رئیسہ اور ائمۂ فن:

بقراط کے نزدیک "تمام اعضاء میں اشرف و اعلیٰ اور سردار **دماغ** ہے، جو **نفسِ ناطقہ** کا محل[1] ہے"۔
اور یہ کہ بقراط کے نزدیک سب سے پہلے جو عضو پیدا ہوتا ہے، وہ دماغ ہے۔ (فردوس الحکمۃ)
نیز جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ تمام اعضاء میں قوت حیوانیہ اور طبعیہ اِن کی ذاتی قوتیں ہیں، یہ کسی دوسرے عضوِ رئیس سے حاصل نہیں ہوئی ہیں، اِن کے نزدیک عضو رئیس محض دماغ ہوگا، نہ کہ قلب اور جگر بھی۔

ارسطو کی رائے ہے کہ "تمام اعضاء میں رئیس مطلق قلب ہے، جہاں سے ساری قوتیں تمام اعضاء میں بٹتی ہیں۔ بقراط کی رائے کے خلاف ارسطو کا خیال ہے کہ **نفسِ ناطقہ** کا محل قلب ہی ہے، جو حیاتِ جنینی میں سب سے پہلے بنتا ہے۔

جالینوس کا خیال یہ ہے کہ ضروری قوتیں بدن میں جتنی ہیں، اُتنی ہی **اعضاءِ رئیسہ** ہیں۔ چنانچہ ضروری قوتیں بقاءِ شخص (بقاء فرد: حیات شخصی) کے لحاظ سے تین ہیں، اور بقاءِ نوع (بقاءِ نسل

---

[1] الدماغ سید الاعضاء، وھو محل النفس الناطقۃ + فردوس الحکمۃ ص۱۴۰

حیاتِ نوعی) کے لحاظ سے چار؛ اس لئے بقاءِ شخص کے لحاظ سے اعضاءِ رئیسہ تین ہیں، اور بقاءِ نوع کے لحاظ سے چار۔

قُوٰیٔ ضروریّہ چنانچہ ضروری قوتیں شخصی زندگی کی بقاء کے لحاظ سے تین ہیں:

(۱) **قوتِ حیوانیّہ** (قوتِ حیات): یہ وہ قوت ہے، جس کی وجہ سے ہر عضو میں حیات قائم ہے، یعنی جس وقت تک یہ قوت اعضاء کے اندر قائم رہتی ہے، اُس وقت تک وہ تعفن اور فساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ (حَیَوانٌ: حیات، زندگی)

اِس قوت کا مبدأ اور سرچشمہ **قلب** ہے۔ (جالینوس)

(۲) **قوتِ نفسانیّہ** (حس وحرکت کی قوت): یہ وہ قوت ہے، جس کی وجہ سے انسان کو مُضر اور مفید چیزوں کا شعور وادراک، اور اُس کے اعضاء میں حرکت کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے، تاکہ وہ مفید چیزوں کو حاصل کرسکے، اور مضر چیزوں سے بچ سکے۔

الغرض قوتِ نفسانیہ دو قوتوں کے مجموعہ کا نام ہے:

(الف) قوتِ احساس، اور (ب) قوتِ تحریک۔

اس قوت کا مبدأ اور سرچشمہ **دِماغ** ہے۔

(۳) **قوتِ طبعیّہ** (قوت تغذیہ): یہ وہ قوت ہے، جو غذا میں تغیر و تبدل (اِستحالہ) پیدا کرکے جزء بدن بنادیا کرتی ہے: خواہ اس قدر فراوانی سے کہ اعضاء بڑھنے لگیں، جیساکہ بچپن کے زمانہ میں ہوتا ہے: یا کمی کے ساتھ کہ روزمرہ جس قدر تحلیل ہوا کرتی ہے، اُس مقدار میں عوض حاصل نہ ہو، جیساکہ بڑھاپے اور لاغری کے زمانہ میں ہوتا ہے۔

یا مساوات کے ساتھ، کہ روزمرہ اعضاء جس قدر تحلیل ہوں، اُسی کے مساوی غذا سے بدل وعوض پہنچ جایا کرے، جیساکہ سنِ شباب میں دیکھا جاتا ہے، جب اعضاء نہ بڑھتے نظر آتے ہیں، اور نہ گھٹتے۔

اِس قوت کا مبدأ اور سرچشمہ جالینوس کے نزدیک **جگر** ہے۔

قوائے ضروریہ بلحاظ بقائے نوع

وہ قوتیں جو بقائے نوع کے لحاظ سے ضروری ہیں، وہ یہی تین مذکورہ بالا قوتیں ہیں، اور ان کے ساتھ مزید ایک چوتھی قوت (قوتِ تناسُلیَّہ) ہے۔

پہلی تین قوتیں، جن کے بغیر شخصی زندگی محال ہے، بقائے نوع کے لئے اِس لئے ضروری ہیں کہ وجودِ شخص اور بقائے فرد کے بغیر، نوع کی بقاء اور نسل کا قیام محال ہے۔ نوع کا وجود دراصل افراد ہی کی شکل میں متصوّر ہوسکتا ہے؛ اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں۔

رہی قوتِ تناسُلیہ، اس کی ضرورت اس مقصد سے ہے کہ جو افراد و اشخاص فنا ہوتے رہیں، یہ قوت اُن افراد کا بدل وعوض (خلیفہ، جانشین) بناتی رہے، تاکہ نوع کا سلسلہ ختم نہ ہوجائے۔

قوتِ تناسُلیہ کا سرچشمہ خُصیتَین ہیں۔

الغرض بقائے شخص کے لحاظ سے، حسب رائے جالینوس، اعضائے رئیسہ تین ہیں: قلب، دماغ، اور جگر۔

اور بقائے نوع کے لحاظ سے چار: تین تو یہی مذکورہ بالا اعضاء، اور چوتھا خُصیتَین۔

جالینوس کے نظریہ کے مطابق یہ سارے اعضاءِ رئیسہ اپنی اپنی جگہ اور اپنے قوائے کے لحاظ سے مستقل ہیں، اور دوسری قوتوں کے بارے میں دوسرے کے محتاج۔

مثلاً دماغ میں جو قوتِ نفسانیہ موجود ہے، یہ اُس کی ذاتی اور اصلی قوت ہے، جو اُس کو قدرت کی طرف سے حاصل ہوئی ہے، لیکن اس میں قوتِ حیوانیہ اور طبعیہ جگر سے آتی ہے۔

اِسی طرح قلب کی قوتِ حیوانیہ ذاتی اور اصلی ہے، اور اس میں حِس و حرکت کی قوتیں دماغ سے، اور تغذیہ کی قوتیں جگر سے آتی ہیں۔

اسی پر جگر کو بھی قیاس کیا جائے۔

جالینوس کے اسی مذہب کی ترجمانی مصنّف (علامہ قرشی) نے اس طرح کی ہے:

اعضائے مرکبہ میں چند اعضاءِ رئیسہ بھی ہیں، جو ضروری قوتوں کے مبدأ اور اصل ہوا کرتے ہیں: شخصی زندگی کی بقاء کے لحاظ سے، یا نوعی زندگی کی بقاء کے لحاظ سے۔

بلحاظ بقائے شخص — چنانچہ جو اعضاء انسانی افراد کی زندگی (حیات شخصی) کے لئے ضروری قوتوں کے مبدأ اور اصل ہیں، وہ تین ہیں:

(۱) **قلب** ،جس کی خدمت شریانیں کرتی ہیں۔
(۲) **دماغ** ،جس کی خدمت اعصاب کرتے ہیں۔
(۳) **جگر** ،جس کی خدمت وریدیں کرتی ہیں۔

بلحاظ بقائے نوع — اور جو اعضاء حیات نوعی کی بقاء کے لئے (نسل کے قیام کے لئے) ضروری قوتوں کے مبدأ اور اصل ہیں، وہ (چار ہیں) تین تو یہی مذکورہ بالا اعضاء، اور چوتھا خُصیَتَین (دونوں خصیئے) ہیں، جن کی خدمت مجرائے منی انجام دیتی ہے، جس کی راہ منی اپنے مستقر (رحم) تک پہنچ جاتی ہے۔

(قرشی)

وجہ تسمیۂ اعضاءِ رئیسہ

"ان اعضاء (قلب و دماغ وغیرہ) کا نام رئیسہ (سردار) ان کی شرافت کی وجہ سے رکھا گیا ہے، جن سے شخصی اور نوعی مصالح (فوائد) قائم ہیں۔" (نفیس)

اعضاءِ رئیسہ — الغرض، چونکہ بدن کے تُولے چار ہیں، اس لئے بدن کے

سارے اعضاء چار گروہوں میں منقسم ہیں، اور ہر گروہ میں ایک عضو کو سردار (رئیس) کہا گیا ہے؛ چنانچہ:-

(۱) **اعضاءِ حیوانیہ**، یعنی وہ اعضاء جو اپنے مفوضہ فرائض اگر انجام نہ دیں، تو اعضاء کی حیات باطل ہو جائے۔ مثلاً وہ اعضاء جو تنفس و تولیدِ حرارت سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو ہوا مُروّح اور رُوح پہونچانے، اور اس کے فضلات کے خارج کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں، مثلاً ناک، حنجرہ، قصبۂ ریہ، ششش وغیرہ۔ اِس گروہ کا سردار **قلب** کو بتایا گیا ہے۔

(۲) **اعضاءِ نفسانیہ**، یعنی وہ اعضاء جو حِس و حرکت سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً آنکھ، کان، ناک، جلد، اعصاب؛ اس گروہ کا سردار **دماغ** کو بتایا گیا ہے۔

(۳) **اعضاءِ طبعیہ**، یعنی وہ اعضاء جو غذا میں تصرفات کرتے ہیں، مثلاً منہ، معدہ، امعاء وغیرہ۔

اس گروہ میں سب سے بڑا اور اہم عضو جگر کو قرار دیا گیا ہے، جہاں غذائی استحالات کا بہت بڑا کام انجام پاتا ہے۔

(۴) **اعضاءِ تناسلیہ**، یعنی وہ اعضاء جو بقائے نسل کے سلسلہ میں کوئی خدمت انجام دیتے ہیں، مثلاً ثدیین، رحم، قضیب وغیرہ اس گروہ میں سب سے اہم دونوں خصیے ہیں، جو نطفہ جیسی اہم چیز بناتے ہیں؛ یہی نطفہ اپنے مدارج نمو و ارتقاء طے کر کے ماں باپ کا جانشین بن جاتا ہے۔

اعضائے رئیسہ کا باہمی تعاون

ابو سہل مسیحی لکھتے ہیں:

"اعضائے رئیسہ کے مابین باہمی تعاون ہے، اور ہر ایک دوسرے کی بقاء کا وسیلہ ہے، اور سارے بدن کے قوام و قیام کا ذریعہ یہ سارے اعضائے رئیسہ اور ان کا باہمی تعاون ہے۔"

چنانچہ **جگر** خون تیار کر کے سارے اعضاء کی طرف اِن عروق کے ذریعہ روانہ کرتا ہے، جو جگر سے اُگتی ہیں (اصول اجوف، اوردہ کبدیہ)، جو بدل ما یتحلل اور کھوئے ہوئے اجزاء کا جانشین بن جاتا ہے۔"

"اور **قلب** سارے بدن کو حرارتِ غریزیہ اور قوتِ حیات (کا سامان) اُن شرائین کے ذریعہ بخشتا ہے، جو قلب سے اُگ کر سارے بدن میں جاتی ہیں۔"

"اور **دماغ** سارے بدن کو حس و حرکت اُن اعصاب کے ذریعہ عطا کرتا ہے، جو دماغ سے اُگتے ہیں۔"

امداد باہمی

"اور **قلب** جگر کو (روح اور خون کے ذریعہ) حرارتِ غریزیہ بخشتا ہے، جس سے غذا میں ہضم و نضج (طبخ و تغیر) حاصل ہوتا ہے۔"

"اور **دماغ** آلاتِ تنفس کو تحریک کی قوت عطا کرتا ہے، جس سے پھیپھڑے تک ہوا پہنچا کرتی ہے، جو روح حیوانی کا سامان ہے، اور جس سے قلبی حرارت کی ترویح حاصل ہوتی، اور وہ اپنے اعتدال پر قائم رہتی ہے۔"

"اور **قلب** دماغ کو روح نفسانی کا سامان عطا کرتا ہے، جس کے توسط سے قوتِ تحریک اور قوتِ حس سارے بدن میں پہنچتی ہے۔"

"الغرض اگر دماغ نہ ہو، تو سینہ میں انبساطی (و انقباضی) حرکت واقع نہ ہو، اور قلب کا مزاج بگڑ جائے۔"

"اگر قلب نہ ہو، تو دماغ ٹھنڈا ہو جائے، اعصاب و نخاع میں **تکاثف** لاحق ہو جائے، اور ساری حرکات ارادیہ باطل ہو جائیں۔"

"اگر جگر نہ ہو تو قلب میں خون کا فقدان ہو جائے، وہ ٹھنڈا ہو جائے اور چند روز میں لاغر ہو جائے، (بلکہ شاید چند گھنٹے میں موت لاحق ہو جائے)"

"اور اگر قلب نہ ہو تو جگر حرارتِ غریزیہ کو کھو بیٹھے، جو سارے طبعی افعال کا پہلا آلہ (آلۂ اولیٰ) ہے۔"

(رسالۂ مسیحی (کتاب منافع الاعضاء))

اعضائے حیوانیہ

اعضائے حیوانیہ میں سے صرف قلب، پھیپھڑے، اور اُن کے باہمی تعلق کی ہم قدرے تفصیل بتائیں گے۔

قلب

"قلب وہ اہم عضو ہے، جو سب سے پہلے بنتا اور سب سے پہلے بدن میں حرکت[1] شروع کرتا ہے، اور موت کے وقت سب سے آخر میں اپنی حرکت بند کرتا ہے۔" (نفیس)

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قلب سامانِ حیات کا کتنا بڑا سرچشمہ ہے۔

"نیز جب کوئی شریان باندھ دی جاتی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ شریانیں قلب سے نکلتی ہیں، تو بند کے بعد عضو سے قوتِ حیات منقطع ہوجاتی ہے اور وہ مُردوں کے اعضاء کی طرح بگڑ کر متعفّن ہوجایا کرتا ہے۔" (نفیس)

اس سے معلوم ہوا کہ قلب سے براہ شرائین کچھ ایسے ضروری مواد تمام اعضاء تک پہونچتے ہیں، جو ان کے لئے سرمایۂ حیات بنتے رہتے ہیں، اور جس سے ان کا سلسلۂ حیات منقطع نہیں ہونے پاتا۔

قلب ایک لحمی عضو ہے، جس کا لحم عام عضلات کے لحم سے جداگانہ ہے، (شیخ)، جس کا جوف بذریعہ ایک دیوار کے دو جوفوں میں منقسم ہے، (ابوسہل)۔ ان دونوں جوفوں کو بُطُون (بیٹ) کہتے ہیں: قدماء کے نزدیک اصلی قلب یہی دونوں بطون ہیں، جن کے چار دہانے ہوتے ہیں، اور ہر دہانہ پر چند جھلیاں لگی رہتی ہیں، جو نہروں کے پھاٹک (ریگو) کا کام کرتی ہیں۔ ان چاروں دہانوں سے چار طرح کی رگیں تعلق رکھتی ہیں، جن میں سے دو رگوں کی راہ قلب کے ہر ایک بطن میں خون آتا ہے، اور دو رگوں کی راہ سے یہ آیا ہوا خون نکل جاتا ہے۔

جن دو رگوں کی راہ خون آتا ہے، جب یہ قلب کے قریب پہونچتی ہیں، تو یہ پھیل کر ایک بڑے جوف کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ جن کو متقدمین

---

[1] حرکاتِ قلب سے مراد اس کا سکڑنا اور پھیلنا ہے۔

نے اُذُن (کان) کے نام سے یاد کیا ہے، اور ان کو قلب کا ایک زائدہ قرار
دیا ہے۔ خون جو متعلقہ رگوں میں بطن کے لئے آتا ہے، پہلے اذن نامی
جوفوں میں گرتا ہے، اور پھر اُذن سُکڑ کر اس کو قلب کے بطن کی طرف روانہ
کردیتے ہیں۔ الغرض یہ اُذن عروقِ مذکورہ اور بطونِ قلب کے درمیان
دہلیز کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا
ہے کہ یہ درحقیقت متعلقہ عروق کے اجزاء ہیں، جو پھیل کر مخصوص شکل
اختیار کرلیتے ہیں، اصلی قلب وہی بطون ہیں، جن کی سرحدیں کواڑیوں
پر ختم ہوجاتی ہیں۔

اعضائے رئیسہ اور خدمت کی قسمیں:

خدمت کی دو قسمیں ہیں:

(ا) وہ خدمت جو کسی رئیس کے فعل سے مقدم ہو، اُسے **خدمت مُھَیِّئَہ** کہا جاتا ہے،

(ب) وہ خدمت جو کسی رئیس کے فعل کے بعد واقع ہو، اُسے **خدمت مُؤَدِّیَہ** کہا جاتا ہے۔

مُھَیِّئَہ۔ آمادہ کرنے والی، تیار کرنے والی،

مُؤَدِّیَہ، پہنچانے والی۔

خدمتِ مھیئہ کو **مَنْفَعَت**، اور خدمتِ مؤدیہ کو مطلقاً **خِدْمَت** کہا جاتا ہے۔ (شیخ)

شرائین اور خدمتِ قلب قلب کے بائیں بطن میں جو خون موجود ہوتا ہے، اور جس میں پھیپھڑوں سے آئی ہوئی روح، اور جگر سے آئی ہوئی غذا بھی مخلوط ہوتی ہے، اس کو شرائین تمام اعضاء میں تقسیم کردیتی ہیں، جن سے سارے اعضاء سیراب ہوتے ہیں، (خدمتِ مؤدیہ)

لیکن اگر شرائین سے وہ تمام رگیں مراد لی جائیں، جو قلب سے تعلق

رکھتی ہیں، جیسا کہ بعض اوقات اطباء کے محاورہ میں بولا جاتا ہے، تو ان رگوں کی خدمت کے معنی یہ ہونگے، کہ کچھ رگیں قلب تک سامانِ روح اور سامانِ غذاء لاتی ہیں، ——— اور کچھ رگیں قلب کے خون کو قلب سے پھیپھڑوں تک اور عام بدن تک پہونچانے کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ چنانچہ پہلی خدمت خدمتِ مُہَیِّئَہ ہے، اور دوسری خدمت خدمتِ مُؤَدِّیَہ۔

قلب کی خدمتِ مُہَیِّئَہ، دائیں بطن میں اجوف (وتین: نیاط) سے متعلق ہے، جس میں جگر کے سامانِ غذاء کے ساتھ عام بدن کا وریدی خون ہوتا۔ اور جس کی راہ دائیں اذن کے توسط سے یہ خون دائیں بطن تک پہونچ جاتا ہے؛ اور بائیں بطن میں اس قسم کی خدمت شرائین وریدیہ سے متعلق ہے، جس میں پھیپھڑوں سے منجذب شدہ اجزاء ہوائیہ (روحیہ) ہوتے ہیں، اور جس کی راہ بائیں اذن کے توسط سے یہ روحانی خون بائیں بطن تک پہونچ جاتا ہے۔

اسی طرح قلب کی خدمتِ مؤدّیہ دائیں بطن میں ورید شریانی سے متعلق ہے، جو دائیں بطن کے خون کو پھیپھڑوں تک پہونچاتی ہے؛ اور بائیں بطن میں اس قسم کی خدمت شرائین سے وابستہ ہے، جو بائیں بطن کے خون کو عام بدن تک پہونچانے کا وسیلہ ہیں۔

شیخ الرئیس کہتے ہیں:

"قلب کے خادمِ مہیّئی پھیپھڑے جیسے اعضاء ہیں، اور خادمِ مؤدی شرائین جیسے اعضاء ہیں" (قانون)

اس پر علامہ گیلانی نے اضافہ کیا ہے کہ قلب کا خادم مہیئی پھیپھڑے کی طرح جگر بھی ہے: پھیپھڑے اگر قلب تک اجزاء ہوائیہ (روحیہ) پہونچانے میں امداد کرتے ہیں۔ (ترویح: روح پہونچانا)، تو جگر قلب کو اجزاء غذائیہ (خون اور اخلاط محمودہ) مہیا کرتا ہے۔

اسی وجہ سے شیخ نے قلب کے خادم عیسیٰ کے بارے میں کہا کہ "وہ پھیپھڑے جیسے اعضاء ہیں"۔

انتباہ: ہر رئیس کے خادم کی یہاں محض ایک دو مثالیں دی گئی ہیں۔ اس سے مدعا یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے اعضاء خادم نہیں۔ مثلاً پھیپھڑے اگر قلب کے خادم ہیں، تو وہ تمام اعضاء بھی قلب کے خادم ہیں، جو تنفس سے تعلق رکھتے اور کسی طور پر فعل تنفس میں امداد کرتے ہیں، مثلاً عضلاتِ صدر، حجاب حاجز، قصبۃ الرئیہ وغیرہ۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ تمام اعضائے رئیسہ ایک دوسرے کے لئے خادم اور مخدوم کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی ہر عضوِ رئیس دوسرے کی امداد کا محتاج ہے: مثلاً قلب میں اگر اعصاب پائے جاتے ہیں، تو دماغ میں شرائین و اوردہ۔ اس کا مدعا یہ ہوا کہ دماغ اگر قلب کی روح کا محتاج ہے، اور جگر کے اخلاط کا، تو قلب دماغ کی قوت نفسانیہ کا محتاج ہے، جو اس کی حس اور حرکت پر مؤثر ہے۔

پھیپھڑے دوسرے اعضاء حیوانیہ میں سب سے اہم دونوں پھیپھڑے (ریتین) ہیں، جو حجاب حاجز اور جوف صدر کے عضلات کی امداد سے ہمہ دم سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب منفعۃ کہتے ہیں "جوف صدر جب پھیلتا ہے، تو اس کے پھیلنے سے پھیپھڑے پھیل جاتے ہیں۔" اور پھیپھڑوں کے پھیلنے سے ہوا بارد (مادۂ روح) ان کے اندر داخل ہو جاتی ہے، اور جب سینہ سکڑتا ہے، تو اس کے سکڑنے سے پھیپھڑے سکڑ جاتے ہیں، اس لئے گرم ہوا (بہ شمول بخار دخانی) پھیپھڑوں سے خارج ہو جاتی ہے۔"

(کتاب منافع الاعضاء)

نیز وہ کہتے ہیں:-

"پھیپھڑے چونکہ قلب کے لئے آلۂ ترویح ہیں (روح رسانی کے

سینہ کے اعضاء

(بچوں میں)

غضروف درقی
غدۂ درقیہ
غضروف لااسمی
قصبۃ الریہ
آرٹا
وداج
وداج
دایاں اُذن
بایاں اُذن
دایاں پھیپھڑا
بایاں پھیپھڑا
قلب
دایاں بطن
بایاں بطن
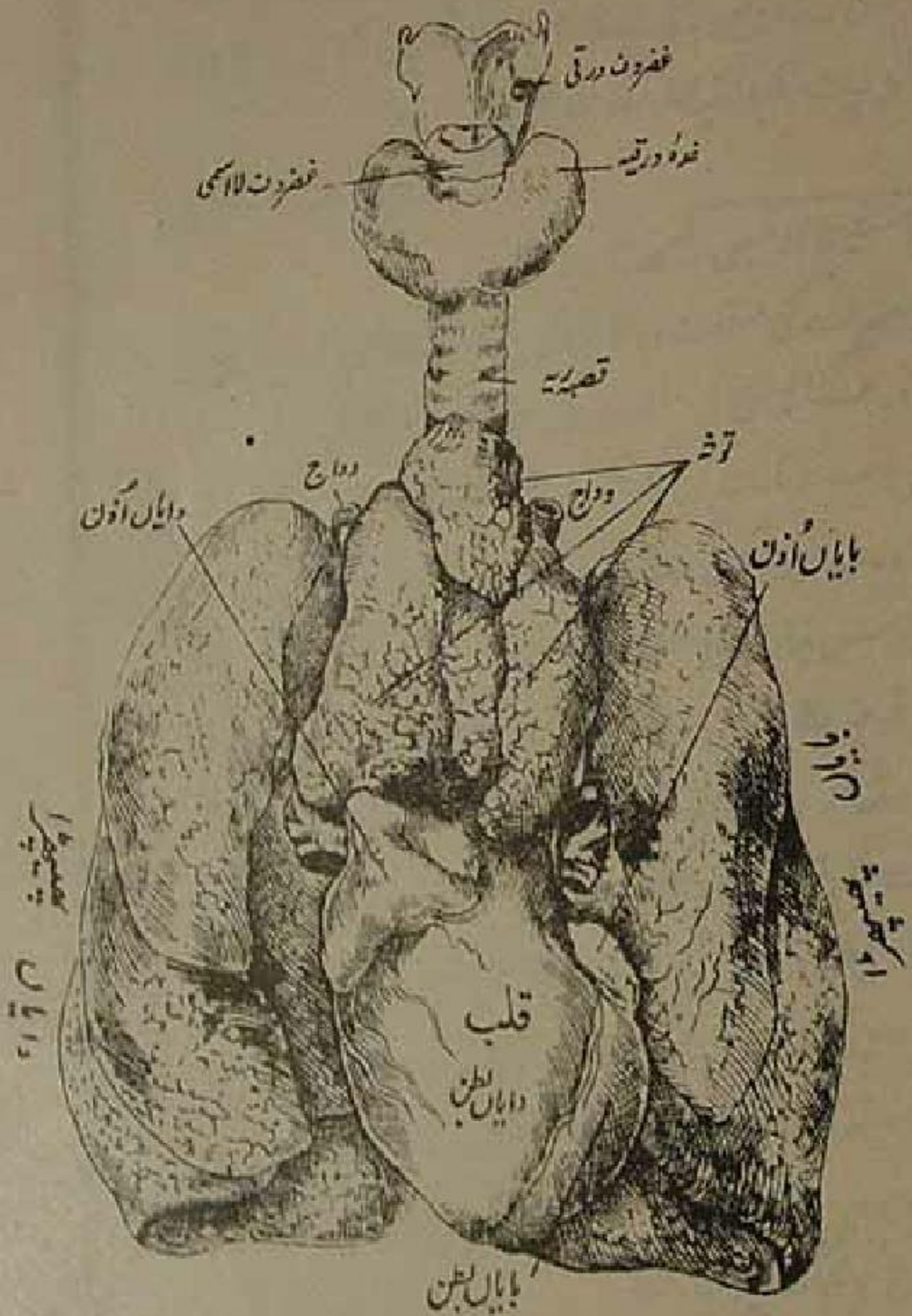
ذرائع ہیں)، اس لئے یہ ایک (مخصوص قسم کے) ڈھیلے گوشت سے ہلکے پھلکے (اسفنجی، ہوائی) بنائے گئے ہیں، تاکہ ان میں انبساطی وانقباضی حرکت بہ سرعت و بہ سہولت واقع ہو۔"

"دونوں پھیپھڑے چونکہ روح حیوانی کے مادہ کے لئے خزانہ ہیں، اس لئے ان میں بکثرت خانے بنائے گئے ہیں۔" (یہ ہوائی خانے تجاویف ھوائیہ کہلاتے ہیں)۔

(کتاب منافع الاعضاء، مسیحی)

علی ہذا الشیخ الرئیس لکھتے ہیں:

"پھیپھڑے کی منفعت، بالاجمال استنشاق (سانس لینا) ہے۔ اور استنشاق کی منفعت قلب کیلئے ہوا کا تیار کرنا، اور اس کے لئے ذخیرہ کرنا ہے: یعنی قلب کے ایک نبضہ میں ہوا، کی جتنی ضرورت ہوا کرتی ہے، اُس سے زیادہ اکٹھا کرنا ہے۔"

اور اس تیاری کی منفعت یہ ہے کہ جب حیوان متنفس مثلاً پانی میں غوطہ لگائے، یا جب وہ لمبی آواز نکالنے کے باعث سانس اندر نہ لے سکے، یا جب دیگر اسباب سے، مثلاً گندگی وغیرہ سے، سانس اندر کھینچنا پسند نہ کرے، تو ان حالات میں ایک ہوا ر بطور ذخیرہ کے تیار رہے، جو قلب کو برابر ملتی رہے۔"

"پھر اس تیار ہوا کی منفعت (جو پھیپھڑوں کے خانوں اور ان کے منافذ میں ہوگی) یہ ہے کہ وہ قلبی حرارت کی ترویح کرنے اور اپنے جوہر سے، جو ہوا، کے مزاج و ترکیب میں غالب[1] ہوا کرتی ہے، روح کو کمک پہونچائے۔"

(قانون)

انتباہ:

شیخ نے بیرونی عام ہوا کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ

---

[1] یعنی ہوا کا جزو فعّال، جس کو نسیم کہا جاتا ہے۔

اس میں روح ہوتی ہے ، اسی وجہ سے اس کو ھواءِ مُروِّحْ کا لقب بخشا ہے"۔[۱]

اخراجِ تنفس کی منفعت

سانس پھینکنے (اخراجِ تنفس) کی منفعت کیا ہے ؟ اِس کا ذکر شیخ اس طرح کرتے ہیں :

"رہی روح کے جلے ہوئے فضلات کے نکالنے کی منفعت ، جو درحقیقت **روح کی دُخانیت** ہے ، تو وہ دوسری ہوا بارد (ہوارِ مُرَوِّح کی نئی کمک) کے لئے پھیپھڑے کا خالی کرنا ہے ، کیونکہ جو ہوار سانس کے ذریعہ کھینچی جا چکی ہے (ھَوَاءِ مُسْتَنْشَق) وہ لامحالہ احتراق پاکر گرم (اور ناکارہ) ہوجاتی ہے : اس لئے روح کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے وہ مفید نہیں رہتی "۔

شیخ کے اس قول کے ذیل میں علامہ گیلانی اضافہ فرماتے ہیں :

"بلکہ اس کا بدن سے اخراج اسی طرح ضروری ہے ، جس طرح بدن کے دوسرے فضلات کا خارج کرنا واجب ہے "۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سانس پھینکنے سے دو منفعتیں حاصل ہوتی ہیں :

(۱) نئی ہوار مروّح کو اندر داخل ہونے کا موقعہ مل جاتا ہے ۔

(۲) روح کی دخانیت خارج ہوجاتی ہے ، جس کی حیثیت ایک ناکارہ فضلہ ، بلکہ مُضِرِّ حیات شئے کی ہے ، جو روح کے احتراق سے حاصل ہوتی ہے ۔ اگر یہ خارج نہ ہو ، تو قلب اور روح کا مزاج بگڑ جائے ، اور انجام کار ہلاکت واقع ہو ۔

اعضائے نفسانیہ

دِمَاغ : ہر قسم کے ادراک وشعور اور حرکاتِ ارادیہ کا مرکز دماغ ہے جس کی ساخت میں نرم نرم ملائم ریشے نہایت پیچیدہ ترتیب سے رکھے

[۱] تشریح انف (غضروف وسطانی) کلیات قانون ۔

بطونِ دماغ کا تعلق سطحِ دماغ سے
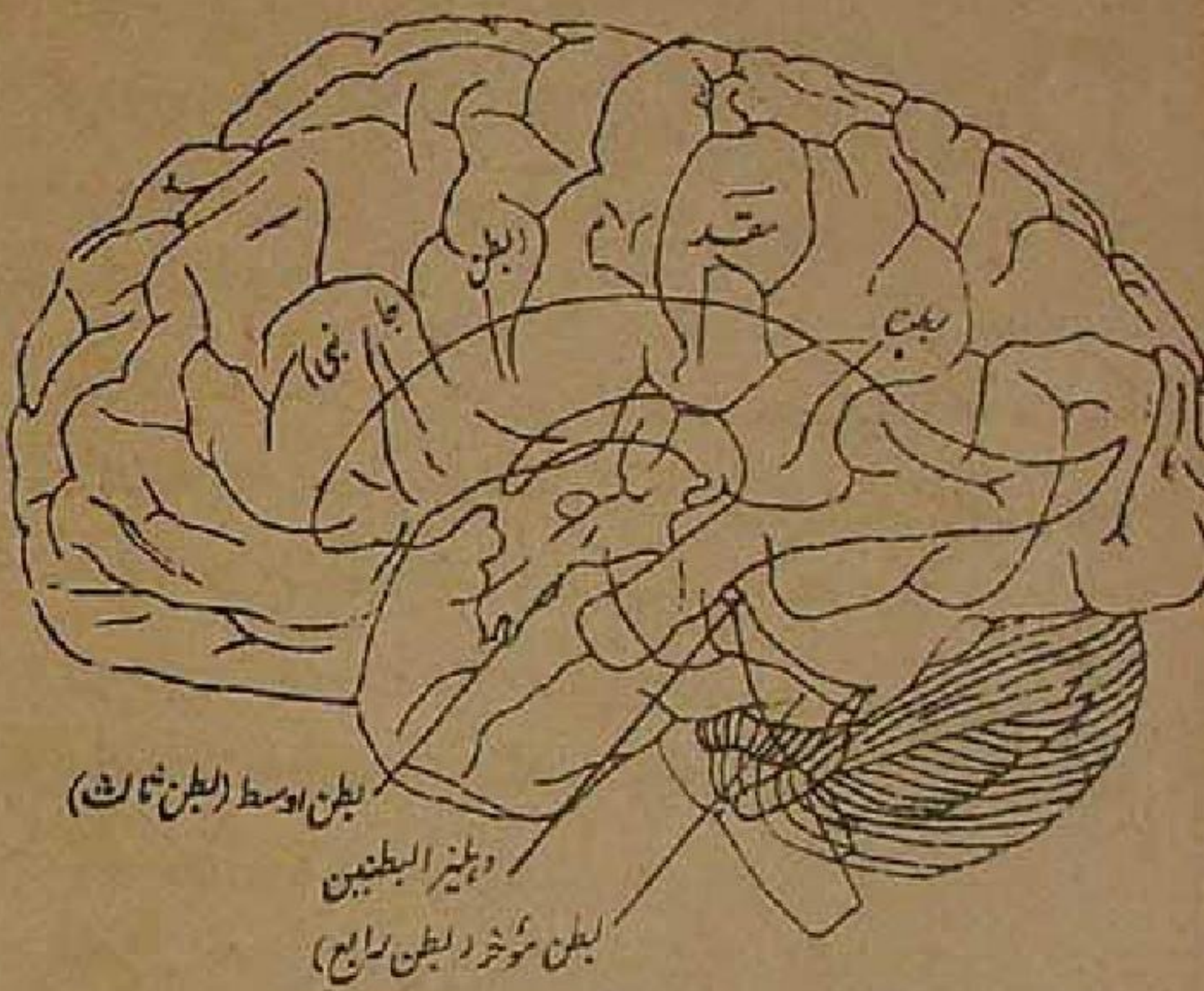
ہوئے ہیں، جیساکہ ابوسہل مسیحی نے کہا ہے:

"دماغی جوہر عصب سے مشابہ تر ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دماغی جوہر اعصاب سے نرم ہوتا ہے۔"

(الکتاب المائۃ)

دماغی ساخت کی پیچیدگی اور نزاکت نے اس کے افعال کو عقدۂ لاینحل بنادیا ہے، غور و فکر اور فہم و حفظ (افعالِ سیاست) کے علاوہ دوسرے اعضاء سے دماغ کا تعلق دو طور پر ہے:

(۱) بیرونی دنیا، یعنی تمام اعضاء کی خبریں دماغ تک پہونچا کرتی ہیں۔

(۲) دماغ اِن اعضاء کو خبروں کے مطابق عضلات کے ذریعہ حرکت دیا کرتا ہے۔

اِن دونوں قسموں کے تعلقات کا ذریعہ اعصاب ہیں، اعصاب ہی کے ذریعہ ہر قسم کے احساسات دماغ تک پہونچا کرتے ہیں، اور اعصاب ہی کے ذریعہ دماغ کسی عضلہ تک حرکت کا فرمان روانہ کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بتایا جاچکا ہے کہ جن اعصاب کے ذریعہ دماغ تک خبریں پہونچا کرتی ہیں، اُنھیں اَعصابِ حِسّ، اور جن اعصاب کے ذریعہ عضلات متحرک ہوتے ہیں، اُنھیں اَعصابِ حَرکت کہا جاتا ہے۔

الغرض حکومتِ دماغ میں اعصاب ہرکارہ اور پیادہ کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

اعصاب کا تعلق دماغ سے اس طرح ہے، جس طرح شاخوں کا تعلق درخت سے ہوا کرتا ہے۔ اعصاب کی ڈوریاں بہ ظاہر ٹھوس معلوم ہوتی ہیں، مگر قدرت نے ان میں ایسا باریک انتظام رکھا ہے کہ جو عصبی ریشہ متاثر ہوتا ہے، یہ اثر اُسی ریشہ کی راہ گزرتا چلا جاتا ہے۔

نُخاع (حرام مغز) جس کی ساخت دماغ سے مشابہ ہوتی ہے، اور جو صُلب (ریڑھ) کی نالی میں رہتا ہے، اس کو دماغ ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہئیے؛ اسی وجہ سے اطباء قدیم نے اسے دماغ کا خَلیفہ کہا ہے۔

اعصاب اور خدمتِ دماغ اُوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ بعض اعصاب دماغ تک خبریں لے جاتے ہیں، یعنی ان کا عمل دماغ کے فعل سے پہلے ہوتا ہے، تاکہ دماغ اس کے بعد کوئی مناسب تدبیر کر سکے۔ اس قسم کے اعصاب (اَعْصَابِ حِسِّیَّہ) دماغ کے خَادِمِ مُہَیِّئی کہلائیں گے۔

اسی طرح بعض اعصاب دماغ سے عضلات وغیرہ تک حرکت کے پیغامات پہونچانے کی خدمت انجام دیتے ہیں، یعنی ان کا عمل دماغ کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس قسم کے اعصاب (اعصابِ حرکت) دماغ کے خادِمِ مُؤَدِّی ہوں گے۔

آلات حواس

آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد، یہ پانچوں آلاتِ حواس (حواسِ خمسہ ظاہرہ) بھی درحقیقت دماغ کے خادِمِ مُہَیِّئی ہیں۔ یعنی یہ سارے اعضاء اپنے محسوسات کو اعصابِ متعلقہ کے توسُّط سے دماغ تک پہونچاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اِن کو جَوَاسِیْس کہا جاتا ہے۔ اِن اعضاء اور دماغ کے درمیان اعصاب کی حیثیت مَسَالِکْ کی ہے، جن کی راہ عصبی اثرات محیط سے مرکز تک منتقل ہوا کرتے ہیں۔

یہی حال اُن اعصابِ حرکت کا ہے، جو کسی عضوِ متحرک اور دماغ کے درمیان واقع ہیں جن کی راہ عصبی تاثرات مرکز سے محیط کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

اعضائے طبعیّہ

جگر اور اُس کی خدمت

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ جسمِ انسان میں کچھ اعضاء اگر ہوا میں کام کرتے ہیں (اعضائے حیوانیہ)، تو کچھ اعضاء غذا میں تصرفات کرتے ہیں (اعضائے طبعیہ)۔ ایسے اعضاء میں جگر کی خدمت اور اس کی حیثیت سردار (رئیس) کی سی ہے۔ یعنی وہ استحالات جن کے نتیجہ میں خون کے اخلاط بنا کرتے ہیں، اور جو کم و بیش تمام اعضاء میں ہر وقت جاری رہتے ہیں،

جگر کی زیریں سطح

(جگر پلٹ کر دکھایا گیا ہے)

لو تھڑا

اجوف

میزاب مری

شریان کبدی

باب الکبد

مجرای صفراء

بقیہ ورید سُری

مرارہ
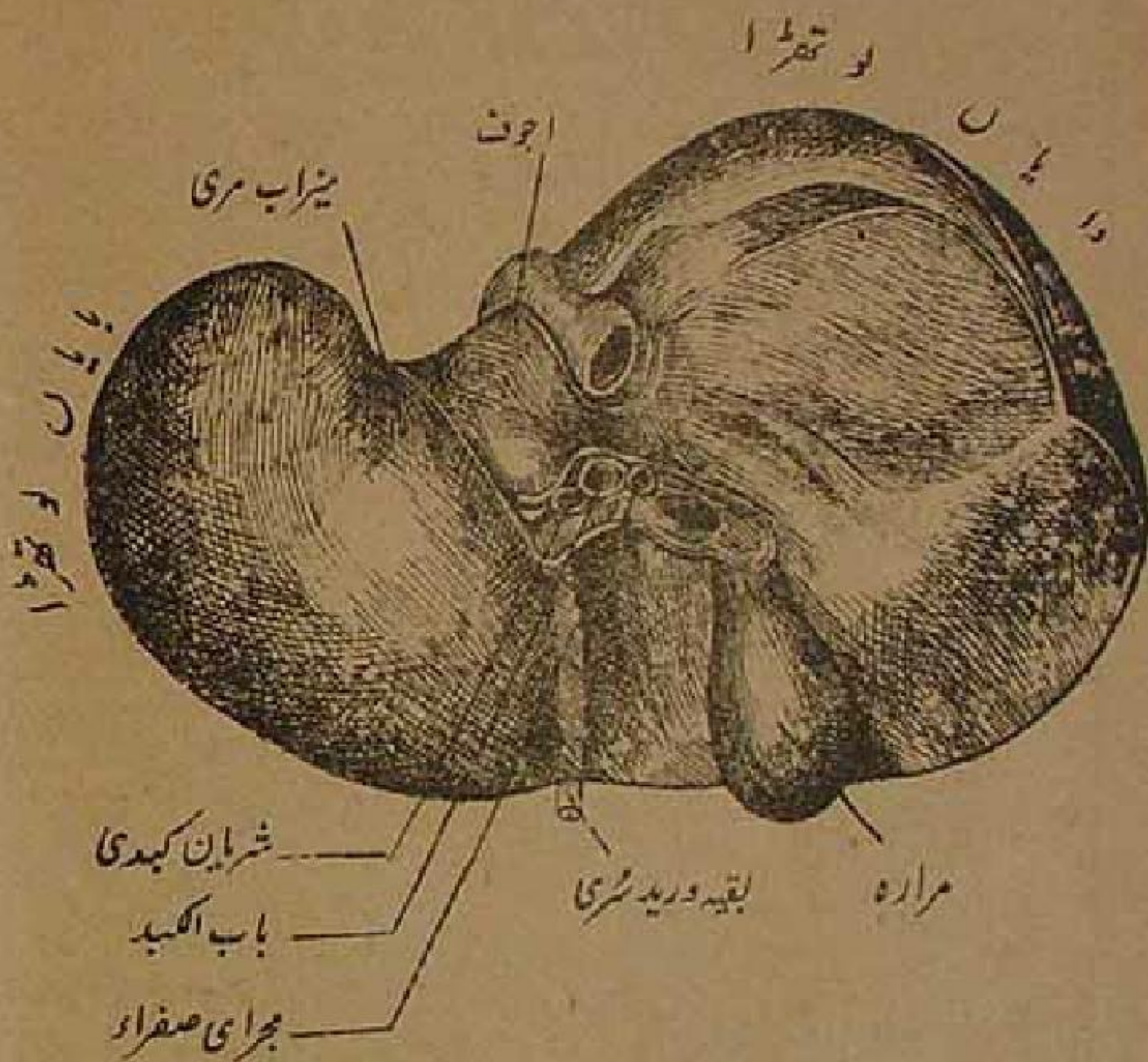
وہ جگر میں مقابلۃً بہت زیادہ ہوتے ہیں، اسی طرف شیخ اشارہ کرتے ہیں :-

"جگر وہ عضو ہے، جو خون کی پیدائش کی تکمیل کرتا ہے"۔

یعنی خون کے بنانے میں دوسرے اعضاء کی طرح جگر بھی کام کرتا ہے، اور اتنا کام کرتا ہے کہ اگر یہ اپنا کام نہ کرے تو خون کی تکمیل نہ ہو۔

بہ الفاظِ دیگر۔ جگر بدنِ انسان میں ایک بہت بڑا کارخانہ ہے، جہاں ہضوم و استحالات کی فراوانی سے بکثرت اخلاطِ خون بنتے رہا کرتے ہیں۔

نیز شیخ الرئیس نے دوسرے مقام[1] پر لکھا ہے کہ

"جگر میں جو قوتِ مغیرہ پائی جاتی ہے، وہ ایک ایسا وسیع (اور مفید عام) عمل کرتی ہے، جس سے سارا بدن مستفید ہوتا ہے"۔

یعنی قوتِ مغیرہ اگرچہ تمام اعضاء میں پائی جاتی ہے، جو رطوبات و اخلاط میں تغیر و استحالہ کی موجب بنتی ہے، مگر ان میں سے بیشتر اعضاء میں جو غذائی تغیر واقع ہوتا ہے، اس سے وہ خود مستفید ہوتے ہیں؛ دوسروں کو مستفید نہیں کرتے۔ اس کے برعکس جگر کا عمل ایک فیضِ عام کی صورت رکھتا ہے؛ وہ خود بھی کھاتا ہے، اور دوسروں کی خوراک کا بھی سامان مہیا کرتا ہے۔

جوہرِ کبد فاضل مسیحی، شارحِ قانون نے لکھا ہے:

"جگر کا جوہر، خون کے جوہر سے مشابہ ہے، گویا کہ وہ منجمد خون ہے"۔

یعنی جگر کا لحم سرخ گویا کہ جما ہوا خون ہے، اس لئے جگر اور خون، دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں، جب معدہ اور امعاء وغیرہ سے خلاصۂ غذا جگر میں پہونچتا ہے، تو جگر کی قوتِ مغیرہ کوشش کرتی ہے کہ اس کو اپنے جوہر سے مشابہ بنا دے، جس کا نام خون ہے۔ (اسی عمل کو تشبیہ کہتے ہیں)۔

جگر کا خون بنانا اطباء کہتے ہیں کہ

"جگر خون بناتا ہے"۔

[1] کلیات قانون، بحث قوت غاذیہ۔

اس سے کیا مُراد ہے؟ اس سؤال کے دو جواب ہو سکتے ہیں:
(ا) "جگر خون بناتا ہے" ـــ یعنی خون کے اجزار بناتا ہے، جو عام خون میں ملے جُلے رہتے ہیں
اس کے معنی یہ ہوئے کہ جگر میں متعدد اجزار تیار ہوتے ہیں:
(ب) "جگر خون بناتا ہے" ـ یعنی وہ مخصوص سُرخ جوہر تیار کرتا ہے، جو اصلی خون (حَمْرَاء) ہے، اور جس کی سُرخی مجموعۂ اخلاط کو سُرخ لباس میں تبدیل کردیا کرتی ہے۔
اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس منفعت میں فقط ایک چیز کے تیار ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔
لیکن میرے نزدیک اِن دونوں جوابوں میں سے پہلا جواب زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جگر میں خلط احمر کے علاوہ اور بہت سی چیزیں تیار ہوتی ہیں جو سُرخ سیّال کے ساتھ رگوں میں بہتی رہا کرتی ہیں۔

جگر کا صفرار بنانا جگر صفرار بناتا ہے جس کا کچھ حصہ خون میں مل کر خون کے بہاؤ میں شامل ہو جاتا ہے، اور کچھ حصہ مرارہ اور امعار کی طرف چلا جاتا ہے
پہلے حصّہ کو ہم دیکھ نہیں سکتے، اس لئے وہ سَرِیرَہ[1] کہلاتا ہے، اور دوسرا حصّہ عیاناً نظر آسکتا ہے، اس لئے اُسے جَھِیرَہ[2] کہا جاتا ہے۔
اسی طرح وہ سارے اجزار سریرہ کہلائیں گے، جو جگر کی قوت مُغَیِّرَہ سے پیدا ہو کر اندر ہی اندر خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔

تمیز اخلاط بولیہ جگر کی قوتِ مغیّرہ کے عمل سے اخلاط بولیہ بھی بنا کرتے ہیں، جنھیں گردے چھانٹ کر مثانہ کی طرف روانہ کردیا کرتے ہیں۔ اسی فعل کو شیخ نے تَمیِیزِ بول کہا ہے، اور صفرار کے عمل کو تَمیِیزِ صفرا۔

تولیدِ سوداء اطبار کا یہ بھی خیال ہے کہ دیگر اعضار کی طرح سَوْدَاء جگر میں بھی بنا کرتا ہے۔

اصلاحِ موادِ فاسدہ جگر کی قوتِ ہاضمہ کے نتیجہ میں جس طرح بعض اجزار کے

---

[1] سَرِیرَہ: مخفی چھپا ہوا۔ [2] جَھِیرَہ: نمایاں، ظاہر

گردے، حالبین اور مثانہ

دایاں گردہ

بایاں گردہ

دایاں حالب

بایاں حالب

مثانہ

ابتدائے مجرائے بول
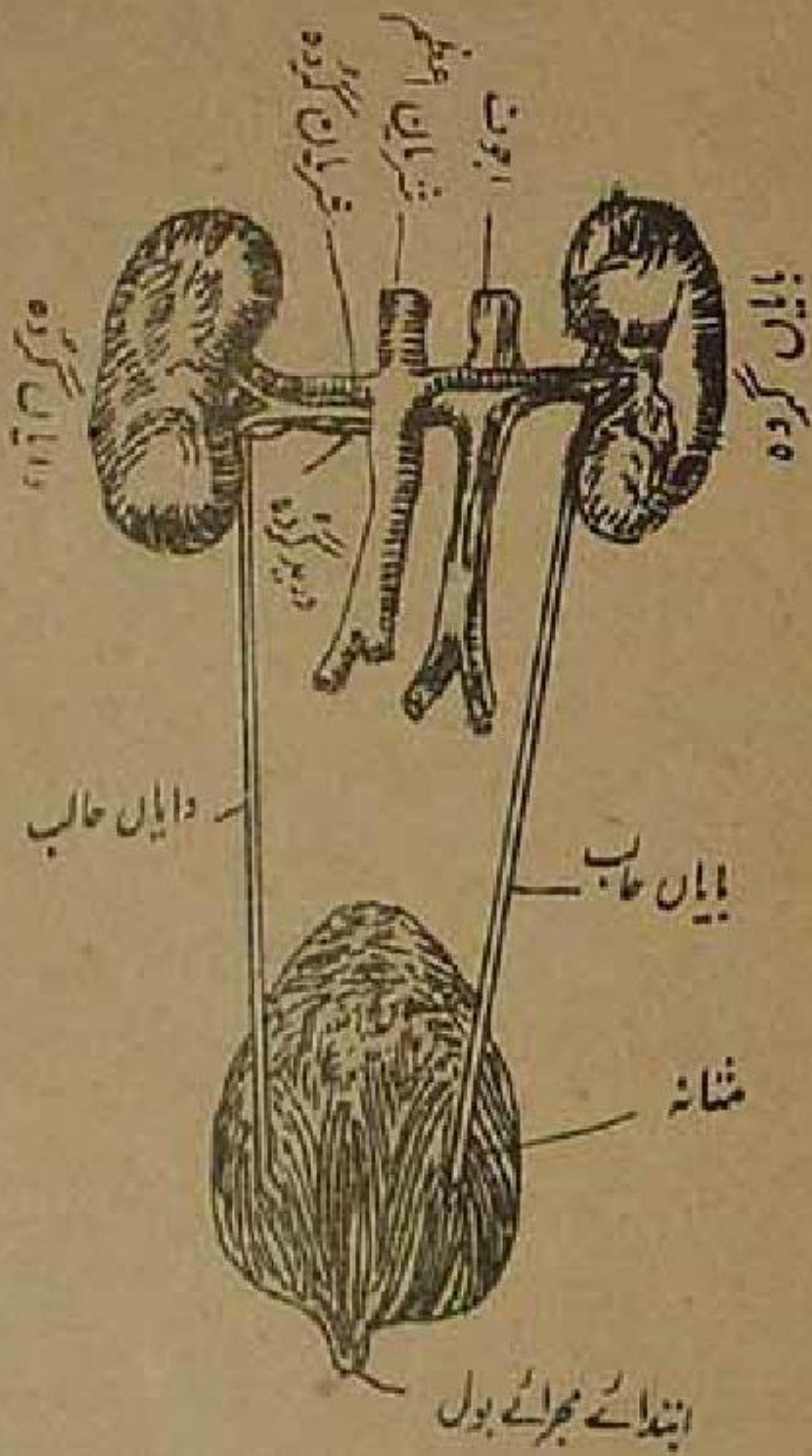
رنگ بدل جاتے ہیں، اور بعض اجزاء کے مزے تبدیل ہوجاتے ہیں، اسی طرح اس کے عمل سے بعض ردی مواد کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

یہ اصلاحی قوت اگرچہ بدل کے ہر جزء میں موجود ہے، مگر جن اعضاء میں ہضم واحالہ کی قوت جس قدر زیادہ ہے، اُسی قدر یہ اصلاحی قدرت اُن اعضاء میں زیادہ ہے؛ اور یہ ظاہر ہے کہ جگر اس بارے میں سب سے پیش پیش ہے، جس کے اعمال کا گنانا، اور وضاحت سے سمجھانا بشری قوت سے باہر ہے۔

خُلاصہ

مذکورۂ بالا بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جگر کا عمل اس قدر وسیع ہے کہ تقریباً سارے اجزاء غذائیہ اس کی قوتِ مغیرہ سے متاثر ہوتے ہیں، جس سے رنگ برنگ کی چیزیں تیار ہوتی ہیں؛ اس کے عمل سے جس طرح سُرخ، زرد اور سیاہ چیزیں بنا کرتی ہیں، اُسی طرح خون کے بہاؤ میں جو سفید چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ بھی جگر کے اثر سے بچی ہوئی نہیں ہیں۔ ان میں جگر کی قوت سے انواع واقسام کے تغیّرات واستحالات رونما ہوتے ہیں۔

وریدیں اور خدمتِ جگر

وریدوں سے جگر کی دونوں قسم کی خدمتیں (خِدْمَتِ مُهَيِّئَه اور خدمتِ مُؤَدِّيَه) متعلق ہیں۔

خِدْمَتِ مُهَيِّئَه اُن وریدوں سے وابستہ ہے، جو ایک طرف معدہ، امعاء، طحال وغیرہ سے، اور دوسری طرف (بہ توسط باب الکبد) جگر سے تعلق رکھتی ہیں، ان وریدوں کی راہ اعضاءِ ہاضمہ سے غذائی اجزاء

منجذب ہو کر جگر تک پہنچتے ہیں، جہاں جگر کو ہضم و طبخ (احالہ و تغییر) کا پورا موقع ملتا ہے۔

(یہ رگیں ماساریقا کہلاتی ہیں)

خدمتِ مؤدّیہ: پھر یہ منہضم اور متغیر اجزاء اُن وریدوں کی راہ، جو اُصول اجوف (اور وہ کبدیہ) کہلاتی ہیں، سب سے بڑی ورید (اجوف) میں داخل ہو جاتے ہیں، جو اجوف سے قلب میں پہنچ جاتے، اور پھر قلب سے سارے اعضاء میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

ربّن طبری لکھتے ہیں:

"معدہ[1] غذاؤں کو حرارت (اور رطوبت) کی امداد سے پکا کر حسو (حریرہ یا آش جو) جیسی چیز میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر یہ منہضم اجزاء باریک نالیوں کے ذریعہ، جو ایسی باریک ہیں کہ نظر سے اوجھل رہتی ہیں، جگر میں پہنچ جاتے ہیں۔ جگر ان کو اپنے رنگ میں تبدیل کر کے اس سے اپنی غذا لے لیتا ہے۔ پھر (اصول اجوف اور اجوف کے ذریعہ) صاف اور مستحکم خون کو قلب کی طرف ـــ پھر (قلب کے توسط سے) سارے اعضاء کی طرف ان کا حصہ اور ان کی خوراک روانہ کر دیتا ہے۔"

(فردوس الحکمۃ ص۱۴۱)

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ

"جگر کے گوشت میں وہ رگیں پھیلتی ہیں، جو درحقیقت اُن عُروق کی جڑیں ہیں، جو جگر سے اُگتی ہیں۔"

ان میں سے بعض باب الکبد کی جڑیں (اصول الباب) ہیں، اور بعض اجوف کی جڑیں (اُصولِ اَجوف)، یہ دونوں رگیں باریک ریشوں (عروقِ شعریہ) کی صورت میں شاخ در شاخ ہو کر جگر کے جوہر میں

---

[1] معدہ یہاں وسیع مفہوم میں بولا گیا ہے، جس سے پوری مجرائے غذائی (منہ سے مستقیم تک) مراد ہے، جیسا کہ اطبّاء کی عادت ہے۔

پھیل جاتی ہیں۔ اس طرح کہ اصول اجوف کے دہانے اصول الباب کے دہانوں سے ملاقی ہوتے ہیں (گیلانی)، تاکہ خون کے بہاؤ میں ربط قائم رہے۔ اور باب الکبد کی راہ جو رطوبتیں جگر کے اندر داخل ہوتی ہیں، اور جن میں ہضم و تغیر واقع ہوا ہے، وہ اجوف تک پہنچ جائیں۔

چنانچہ شیخ الرئیس فرماتے ہیں کہ:

"جگر باب الکبد کی شاخوں کے ذریعہ جو ماساریقا کہلاتی ہیں، معدہ اور امعاء سے کیلوس کو اپنی تقعیر کی طرف سے چوستا ہے، پھر اس کو پکا کر اور خون بنا کر رگِ اجوف کے ذریعہ جو اس کے تحدیہ سے نکلتی ہیں، سارے بدن کی طرف بھیج دیتا ہے"۔

(۵) اَرْوَاح

روح کے مختلف معانی:

رُوح عربی لفظ ہے، جس کا اطلاق عربی لغت میں مختلف معانی پر کیا جاتا ہے:

(۱) رُوح رِیح کا مترادف ہے، جس کے معنی ہوا، (یا متحرک ہوا) کے ہیں۔ چنانچہ قدیم مصنفین عرب کی عبارتوں میں روح کی جگہ لفظ رِیح بھی ملتا ہے، مثلاً روح نفسانی کی جگہ، وہ رِیح نَفْسَانیہ بھی بولتے ہیں۔

(۲) وہ چیز جس پر زندگی کا مدار ہو۔

(۳) نَفْس (جان)، جیسا کہ دینی کتب میں سمجھا جاتا ہے۔

(۴) وہ معدنیات جو کسی وقت بخارات کی شکل میں تبدیل ہو کر اُڑ جائیں، مثلاً نوشادر، اور پارہ وغیرہ۔

(۵) اجزاء لطیفہ، جو بعض نباتی ادویہ وغیرہ سے (علی الخصوص خوشبودار چیزوں سے) حاصل کئے جاتے ہیں۔

(۶) گاہے روح کو قُوّت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ علّامہ طَبَری نے بیان کیا ہے، کہ

"گاہے قلب کی قوتِ حیوانیہ کو روح حیوانیہ کہا جاتا ہے، اور دماغ کی قوتِ نفسانیہ کو رُوحِ نَفْسانِیہ، اور جگر کی قوتِ طبعیہ کو روح طبعیّہ۔"

(معالجات بقراطیہ)

طبّی اصطلاح

لیکن طبّی اصطلاح میں روح کا لفظ کس معنے میں بولا جاتا ہے، اس کا اظہار مصنّف (قرشی) اس طرح کرتا ہے:

ارواح

سے ہماری مراد نفس (جان) نہیں ہے جیسا کہ دینی کتابوں میں سمجھا جاتا ہے، بلکہ روح سے ہماری مراد وہ لطیف اور بخاری (بخارات کے مانند) جسم ہے جو لطیف اخلاط سے پیدا ہوتا ہے؛ جس طرح کثیف اخلاط سے اعضاء پیدا ہوتے ہیں۔

چونکہ اَرْوَاح تمام قوتوں کی حامل (یعنی سواری) ہیں، اس لئے ارواح کے اقسام بعینہٖ قُوىٰ کے اقسام کے مانند ہیں۔

(قرشی)

ماہیتِ روح

اجزاء بدن میں سے ہوائی شکل کے اجزاء اصطلاحاً اَرْوَاح کہلاتے ہیں، جیسا کہ مبحثِ اخلاط و مبحثِ اعضاء میں (بہ حوالۂ ابو سہل مسیحی) اس کی صراحت آچکی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ بدن کے یہ اجزاء لطیفہ کس طرح حاصل ہوتے ہیں، اور ان سے کیا کیا افعال و منافع وابستہ ہیں، یہ سارے سوالات ذیل کے مباحث سے حل ہو جائیں گے۔

روح کے منافع:

تفصیلی بیان سے پہلے اجمالی تعارف کے لئے روح کے منافع درج کئے جاتے ہیں:

روح کے منافع بقولِ متقدمین یہ ہیں:

(۱) روح سے اعضاء میں حرارت پیدا ہوتی ہے، بدن کی اصلی حرارت (حرارتِ غریزیہ) روح ہی کی وجہ سے قائم رہتی ہے۔

(۲) روح سے اعضاء میں زندگی اور حیات قائم رہتی ہے؛

(۳) روح سے تمام اعضاء میں قوتیں قائم رہتی ہیں، اگر روح کا سلسلہ اعضاء سے منقطع ہو جائے، تو وہ ٹھنڈے، بے حس و حرکت، اور آخر میں مُردہ ہو جائیں۔

سُؤال:

"روح ایک لطیف بخاری جسم ہے"

اس سے کیا مراد ہے؟ کیا بدنِ انسان کے اندر اس قسم کے لطیف اجسام ثابت کئے جا سکتے ہیں؟

جواب:

لطیف جسم سے مراد، جیسا کہ لفظ سے ظاہر ہے، ایسا جسم ہے، جو اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہ آسکے۔ اسی وجہ سے اُس کو بُخاری[1] بھی کہا گیا ہے، جو اعضاء اور اخلاط کے مقابلہ میں یقیناً اَلطَف ہے۔

اطباء قدیم قائل ہیں کہ بدن کے ہر زندہ جزء میں اعضاء و رطوبات کے اندر ایسے لطیف اور بخاری اجزاء پائے جاتے ہیں، جو زندگی سے متعلق

---

[1] بُخار (بھاپ): یہاں بھاپ سے ایسی بھاپ مراد نہیں ہے، جو کثیف ہو اور آنکھوں سے دیکھی جا سکے، ہر بھاپ کا آنکھوں سے نظر آنا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی بخار (بھاپ) کی شکل میں ہمارے آس پاس کی ہوا (ہوائے محیط) میں بکثرت موجود ہے مگر وہ نظر نہیں آتا، اسی طرح روح ایک لطیف بخار ہے۔

چند ضروری خدمات انجام دیتے ہیں، ایسی خدمات کہ اگر وہ نہ ہوں، تو سارے ضروری افعال باطل ہو جائیں، اور وہ عضو مُردہ ہو جائے۔

روح اگرچہ ایک بخاری اور ہوائی جسم ہے، مگر یہ خون اور رطوباتِ بدن میں اس طرح گھلی ملی ہوتی ہے، جس طرح بیرونی عام پانی میں ہوا ر مخلوط ہوتی ہے، جو آنکھوں سے گو دکھائی نہیں دیتی، مگر دیگر ذرائع سے اس کا وجود محقق ہو جاتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ

"انسان کے بدن میں طبعًا جو حرارت پائی جاتی ہے، (حرارتِ غریزیہ: حرارتِ حیوانیہ) یہ ہمارے اعضاء میں روح سے، اور خون کے مخصوص اجزاء کے باہمی امتزاج و تفاعُل سے پیدا ہوتی ہے، جس کو إحتراق (جلنا) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بحثِ مزاج میں اشارہ کیا گیا ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ روح تو تنفس کی ہوا ر سے حاصل ہوتی ہے، اور خون کے یہ مخصوص اجزاء غذاء سے۔

الغرض بدنی حرارت کے پیدا کرنے میں جس طرح ہواء کی ضرورت ہے، اُسی طرح غذاء کی بھی۔

جلتے ہوئے چراغ کا شُعلہ ہماری بدنی روح کی بہترین بیرونی مثال ہے ؛

یہ شعلہ ایک جسم لطیف ہے، ہماری روح بھی ایک جسم لطیف ہے۔ اس شعلہ کی ترکیب میں دو چیزیں شریک ہیں ؛

(۱) ہوار نسیم (۲) تیل بصورتِ بخارات،

ہماری روح کی ترکیب میں بھی دو چیزیں حصہ دار ہیں ؛

(۱) ہوار یا نسیم، (۲) لطیف اخلاط، جو نسیم کے ساتھ مل کر جل اُٹھتے ہیں، اور حرارت و قوت وغیرہ پیدا کرتے ہیں ؛

جس طرح یہ شعلہ ہوا ر (نسیم) کے بغیر گُل ہو جاتا ہے، اسی طرح

ہماری زندگی کا چراغ بھی سانس بند ہونے کی صورت میں گُل ہو جاتا ہے،
علیٰ ہٰذا جس طرح تیل کے ختم ہونے کے بعد چراغ بجھ جاتا ہے، اُسی
طرح ہماری زندگی بھی غذاء کے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ شعلہ کی صورت اختیار کرنے سے پہلے تیل کو
بخارات کی صورت میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح جسم انسان کے اندر
رطوباتِ بدن کے مخصوص اجزاء بخارات کی صورت میں تبدیل ہونے کے
بعد ہی ہوا، نسیم سے ملتے ہیں، اور جس کے نتیجہ میں حرارت وغیرہ پیدا
ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کی طرف قدماء اپنے اس قول سے اشارہ کرتے ہیں کہ
"بدنِ انسان کے اندر نار (آگ) یا اجزاء ناریہ پائے
جاتے ہیں":

چنانچہ بیرونی آگ کو اگر ہوا، نسیم کے ساتھ ایندھن کی ضرورت ہے،
تو ہمارے جسم کی اندرونی آگ بھی ہوا، تنفس کے علاوہ غذاء کی محتاج ہے
اور غذاء کو اطباء قدیم نے وَقُود (ایندھن) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

چراغ زندگی اور بیرونی چراغ صاحب کامل الصناعہ کہتے ہیں:۔

"گاہے موت اس وجہ سے واقع ہوتی ہے کہ حرارتِ غریزیہ کا مادہ
خارج ہو جاتا ہے، جس سے حرارتِ غریزیہ بجھ جاتی ہے، جیسا کہ
عروق و شرائین کی جراحت کی صورت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، جبکہ
اس کی وجہ سے خون (کافی مقدار میں) بہہ جاتا ہے"۔

اس کے بعد وہ اس واقعہ کو بیرونی چراغ سے تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں:
"حرارتِ غریزیہ کو اس حالت میں جو کیفیت عارض ہوتی ہے۔
وہ اُس کیفیت کے مشابہ ہے، جو کہ چراغ میں اُس وقت لاحق ہوتی ہے،
جب اُس کا تیل ختم ہو جاتا ہے۔"

(باب ۷، اسبابِ موت، مقالہ ۴)

اسی باب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"گاہے حرارتِ غریزیہ علامِ تنفّس کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے، جیسا کہ اُن لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، جن کے منھ اور ناک بند کرلی گئی ہو، یا جن کو گلے میں پھندا لگا کر، یا کسی اور طرح گلا گھونٹ دیا گیا ہو، جس سے ہَوائے صَافی پھیپھڑوں تک نہ پہونچ سکے۔ ان حالات میں فضُول دُخانیہ قلب میں جمع ہو جاتے ہیں جس سے حرارتِ غریزیہ بجھ جاتی ہے۔"

زندگی کا چراغ اِن حالات میں کِس طرح گُل ہو جاتا ہے؟ اس کو صاحبِ موصوف اس طرح سمجھاتے ہیں:

"اس حالت میں حرارت غریزیہ کو جو کیفیت عارض ہوتی ہے، یہ اُس کیفیت کے مماثل ہے، جو چراغ کی آگ (شعلہ) کو اُس وقت عارض ہوتی ہے، جب اُس پر کوئی کثیف ظرف (بے مسام ظرف) اَوندھا دیا جاتا ہے، جس سے ہوا اندر جانے اور شعلہ کے ساتھ ملاقی ہونے سے رُک جاتی ہے، اس لئے وہاں دُخان اکٹھا ہو جاتا، اور شعلہ گُل ہو جاتا ہے۔

(بہ حوالۂ بالا)

اخلاط لطیفہ و کثیفہ اس کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر غذا کے تمام اجزا یکساں طور پر اس کام میں صرف نہیں ہوتے، بلکہ کچھ اجزا ایسے بھی ہیں، جو اعضاء کی ساخت میں داخل ہوتے رہتے ہیں، تاکہ یومیہ تحلیل سے جو اجزا ہر وقت فنا ہوتے رہتے ہیں، اُن کا بدل و عوض برابر حاصل ہوتا رہے۔

چنانچہ اُن غذائی اجزا کو، جو بخارات میں تبدیل ہونے، اور اجزا نسیم کے ساتھ مل کر جل اُٹھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، قدیم مصنّفین کی اصطلاح میں بوجہ لطافت اخلاط (اخلاطِ لطیفہ) کہا جاتا ہے، اور گاہے مَادّۂ مشتعلہ (شعلہ بنانے والا مادّہ)۔

ٓ جامع الشرحین ص ۔ جلد دوم

صاحب کامل نے ان ہی اجزار لطیفہ کو بخار دالدم اللطیف (خون کے لطیف اجزار کا بخار) کہا ہے۔ اور روح کی تولید میں ھَوَاءِ مُسْتَنْشَق کے ساتھ اس کو برابر کا شریک کیا ہے۔

اور غذار کے وہ اجزار جو ساختوں کے بنانے میں شریک ہوتے ہیں، کَثَافَۃِ اخلاط (یا: اخلاطِ کثیفہ) کہلاتے ہیں، اور گا ہے ان کو اجزاءِ مُکَوِّنَہ بھی کہا جاتا ہے (مُکَوِّنَہ: بنانے والے، اعضار بنانے والے

مصنّف کا یہ قول

"روح لطیف اخلاط سے پیدا ہوتی ہے"۔

اس سے یہی مراد ہے جو اوپر وضاحت سے بیان کیا گیا۔

یہ کلام دراصل قانونِ شیخ کی عبارت کا اقتباس[1] ہے۔ اور شیخ خود بیرونی ہوار (ہوار محیط)[2] کے منافع اس طرح بیان کرتا ہے:

"یہ ہوار ہمارے بدنوں (بدن کے اعضار) اور ہماری روحوں کیلئے عنصر ہے"

یعنی یہ بیرونی ہوا جس طرح ہمارے اعضار کی ترکیب وساخت اور اس کے بنانے میں شریک ہے، اسی طرح یہ ہوار ہماری روح کے بنانے میں بھی شریک ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں:

"یہ ہوار ہمارے ابدان وارواح کا عنصر (مادہ، جزر) ہونے کے علاوہ ایک مدد (کمک) ہے، جو مسلسل ہماری روحوں تک پہونچتی رہتی ہے اور روح کی صلاح و فلاح کا سبب بنتی رہتی ہے۔"

علیٰ ہٰذا شیخ نے دوسرے مقام پر لکھا ہے:

"اُس ہوار کی منفعت، جو تنفس کے ذریعہ پھیپھڑوں تک کھینچی جاتی ہے"

---

[1] مُوجَزُ القَانُون دراصل کتاب قانون کا خلاصہ ہے (مُوجَز: خلاصہ)

[2] بیرونی ہوار (ھواءِ محیط) وہ ہوا جو ہمارے گردوپیش ہے، اور جس میں ہم ہر وقت رہتے اور سانس لیتے رہتے ہیں۔

یہ بھی ہے کہ یہ انچے اُس جوہر (نسیم) کے ذریعہ روح کو کمک پہونچاتی ہے
جو روح کے مزاج میں غالب ہے، نہ یہ کہ تنہا ہوا روح بن جاتی ہے جیسا
کہ بعض کا گمان ہے"

اِن اقوال سے ثابت ہوا کہ شیخ کے نزدیک روح کے بنانے میں جس طرح
اخلاط لطیفہ داخل ہیں، اسی طرح بیرونی ہوا بھی شریک ہے۔
یعنی مادّۂ رُوح دو چیزیں ہیں، اخلاطِ لطیفہ اور بیرونی ہوا۔
چنانچہ ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے:
"عام روح کا مادّہ یہی ہوا ہے، جو باہر سے سانس کے ذریعہ
اندر کھینچی جاتی ہے" ۔ لہ

اس عقیدہ کے ساتھ مسیحی نے غذا کو وَقُود (ایندھن) بھی تسلیم کیا
ہے، جس کے معنیٰ صاف ہیں، کہ تولید حرارت میں وہ جس طرح بیرونی ہوا کو
مادّۂ روح تسلیم کرتا ہے، جس کا اہم کام تولید حرارت ہے، اسی طرح وہ
تولید حرارت میں غذا کو بھی ایندھن کے طور پر شریک کرتا ہے۔

غذاءِ روح
(بیرونی ہوا)

اسی طرح بعض محققین نے بیرونی ہوا کو "روح کی غذا"
کے لقب سے یاد کیا ہے، جس کا مفہوم بھی یہی ہے
کہ جس طرح اعضاء کے جوہر تحلیل ہوتے رہتے، اور غذا سے ان کا بدل
عوض حاصل ہوتا رہتا ہے، اسی طرح جوہر روح بھی احتراق پاکر بکثرت
خرچ ہوا کرتا ہے، اور اس کا عوض بیرونی ہوا سے حاصل ہوا کرتا ہے۔ ٭

مادّۂ رُوح

بیرونی ہوا کو گاہے مادّۂ روح (روح کا سامان) کہا جاتا ہے، اور
گاہے ھَوَاءِ مُرَوِّح (روح پہونچانے والی ہوا) ٭
اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ ہوا ساری کی ساری روح نہیں ہے، بلکہ ایک

لہ ومادّة الروح على الاطلاق هي الهواء المستنشق من خارج (مائۃ مسیحی الکتاب ...)
... جامع الشرحین جلد دوم صہ ۱۱۹

ایسا سامان ہے، جس سے روح حاصل کی جاتی ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بیرونی ہوار ایک خَلِیط (آمیزہ) ہے، جس میں متعدد چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ اِن ہی اجزاء میں سے وہ ضروری اور کار آمد چیز بھی ہے، جو پھیپھڑوں کے ذریعہ قلب و شرایئن تک پہونچتی ہے، اور پھر اس کے بعد تمام اعضاء میں پھیل کر اپنے وظائف انجام دیتی ہے۔

چونکہ بیرونی ہوار کے اِن اجزاء (نسیم) کی علٰحدگی، اور غذار کے مادّہ مُشتعلہ سے اِن کی پہلی ملاقات پھیپھڑوں میں ہوتی ہے، اس لئے بعض قدمار نے اس کی تصریح کی ہے کہ:

"تولیدِ روح کی ابتدار پھیپھڑوں سے ہوتی ہے۔"[1] (گیلانی)

اس دعوے کی تائید ایک تاریخی روایت سے ہوتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جالینوس کے زمانہ میں گو وہ مخصوص جزر ہوا سے ممتاز طور پر علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا، مگر اس نے اس کی پیشین گوئی ضرور کردی تھی کہ آئندہ ممکن ہے کہ ہوار کے یہ مخصوص اجزار روحیہ علٰحدہ کرلئے جائیں۔

وہ تاریخی روایت یہ ہے:

"اگلے زمانہ میں جالینوس یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ روح حیوانی ہوار میں سے تنفس کے ذریعہ شش میں داخل ہوتی ہے، اور وہاں سے قلب میں پہونچکر منبع حرارت بن جاتی ہے۔"

"جالینوس کا گمان تھا کہ کسی نہ کسی دن یہ روح ہوار میں سے علٰحدہ کرلی جائے گی۔" [2]

---

[1] علامہ علی حسین گیلانی ص۱۷ (جامع الشرحین)

[2] چنانچہ جالینوس سے سترہ صدی بعد لوازیر (فرانسیسی کیمیا دان) نے روح حیوانی کو ہوار میں سے جُدا کرکے اُس کا نام حِمْضِین؛ بعض آزین، آکسی جن (ترشی پیدا کرنیوالا) رکھا۔ اُس نے یہ بھی ثابت کیا کہ ہوار کے ذریعہ جسم حیوان کے اندر تدریج و تنسیم کے ذریعہ جو حرارت پیدا ہوتی ہے، وہ وہی حرارت ہے، جس سے کوئلہ اور لکڑی جلتی ہے۔ (علم و عمل طب)

تولیدِ حرارت اور روح

بدنِ انسان میں روح سے حرارت کیونکر پیدا ہوتی ہے؟
اس کا جواب بہت واضح ہے:
چولھے میں کوئلہ اور لکڑی کے جلنے سے۔ اور چراغ میں تیل کے جلنے سے جس طرح حرارت پیدا ہوتی ہے، اُسی طرح بدنِ انسان میں بھی کوئلہ اور لکڑی کی طرح، یا تیل کی طرح کچھ سامان (وقود) موجود ہے، جو نسیم بدن سے ملاقی ہوکر جَل جایا کرتے ہیں۔ اس قسم کی ملاقات کو مختلف اصطلاحات سے یاد کیا جاتا ہے، مثلاً تنسیم، احتراق، طبخ وغیرہ۔

فرق صرف اس قدر ہے کہ جسم انسان میں تولیدِ حرارت کا ایک خاص نظام اور مخصوص تناسب ہے، جو صحت و اعتدال کے لئے ضروری ہے، یہی رفتار جب تیز ہو جاتی ہے۔ تو حُمّٰی (بخار) کی حرارتِ غریبہ رونما ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سستی رفتار کو بھی قیاس کیا جائے، جس میں حرارت مقصرہ (کوتاہ حرارت) پیدا ہوتی ہے۔

بحثِ اعضا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ غذاء سے اگر وَقُود حاصل ہوتا ہے، تو ہواء سے نسیم۔

یعنی کچھ اعضاء اگر غذائی مواد میں کام کرتے ہیں (اعضاء طبعیہ)، تو کچھ اعضاء ہوائی مواد میں (اعضائے حیوانیہ)۔

پھر جس طرح چولھے اور چراغ میں ایندھن اور تیل کے جلنے سے دُھواں پیدا ہوتا ہے، اسی طرح بدنِ انسان میں بھی تنسیم و احتراق کے بعد کچھ بخاری قسم کے فضلات حاصل ہوتے ہیں، جو گاہے دُخان اور گاہے بخارات دُخانیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔
(دُخان، دُھواں)

اس قسم کے اجزاء روح کے فضلات کہلاتے ہیں، جو اخراج تنفس کے

ذریعہ بدن سے برابر خارج ہوتے رہتے ہیں۔
اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح بیرونی دنیا میں جب کوئی چیز جلتی ہے، تو دو چیزیں برابر صرف ہوتی ہیں:۔
(۱) ایندھن، یا تیل، (۲) ہوا۔
اسی طرح ہمارے جسم میں چونکہ ہر وقت حرارت پیدا ہوا کرتی ہے، اس لئے دونوں چیزیں ہمہ دم صرف ہوتی رہتی ہیں۔
پھر غذا، کھا کر اگر ہم جسم کے اندر وقود (ایندھن) مہیا کیا کرتے ہیں، تو سانس لے کر ہم ہر وقت نسیم کی کمک (مدد) پہونچاتے رہتے ہیں۔

حیاتِ اعضاء اور رُوح

منافع روح میں بتایا گیا ہے کہ،
"روح سے اعضاء میں زندگی (حیات) قائم رہتی ہے"
اس کا تعلق تجربہ ومشاہدہ سے ہے۔ یعنی جب کسی عضو سے روح کی کمک بند ہو جاتی ہے، جیسا کہ شرائین کے دبنے اور بند ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، تو متعلقہ اعضاء مردہ ہو جاتے ہیں، جس کو اصطلاحاً غانغرانا اور سفاقلوس کہا جاتا ہے۔
یہ تو موت اعضاء کی مقامی مثال ہے۔ اسی پر عمومی موت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب کسی وجہ سے تنفس بند ہو جاتا ہے تو بہت جلد ہلاکت واقع ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تنفس کے بند ہونے سے چونکہ پھیپھڑوں تک روح کا سامان نہیں پہونچتا، اس لئے اعضاء سے روح کی مقدارِ مناسب، جو حیاتِ اعضاء کے لئے ضروری ہے، مفقود ہو جاتی ہے۔

قوائے بدن اور روح

روح سے سارے قویٰ قائم ہیں، یعنی بدن کی ساری قوتیں (خواہ

قوائے نفسانیہ ہوں، یا طبعیہ وغیرہ) اُسی وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک اعضاء تک روح کی کمک مسلسل پہونچتی رہا کرتی ہے۔ کیونکہ اوپر بتایا گیا ہے کہ سلسلۂ روح کے بند ہونے سے اعضاء مُردہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بدیہی ہے کہ اعضاء کے مردہ ہونے کے بعد حیات کا کوئی عمل کیونکر جاری رہ سکتا ہے۔

اِس کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً اعصاب حسّیہ اور اعضائے حواس میں احساس کی قوت اُسی وقت تک رہتی ہے، جب تک اِن میں روح کی مدد قائم رہتی ہے۔ جب یہ مدد اِن سے بند ہوجاتی ہے، تو یہ بے عمل (بے حس بے حِس) ہوجاتے ہیں۔

یہی حال اُن قوتوں کا ہے، جو غذا میں عمل کرتی ہیں (قوائے طبعیہ) یعنی اگر کسی عضو سے روح کا سلسلہ منقطع ہوجائے، تو یہ ناممکن ہے کہ وہ تغیرات اور ہضوم، جو علی الدوام اِن اعضاء میں جاری رہتے ہیں، برابر قائم رہیں۔

اِسی وجہ سے روح حیوانی اور قوتِ حیوانیہ کو باقی تمام قوائے کے لئے اصل و اساس قرار دیا گیا ہے۔

ابو سہل مسیحی کہتے ہیں:۔

"روح اور حرارت غریزیہ کے توسط ہی سے سارے قُوائے کے افعال کی تکمیل ہوتی ہے، اور قوت حیوانیہ کے بعد ہی دوسرے قُوائے اور اُن کے افعال معرضِ وجود میں آتے ہیں، اور اس کے ختم ہوتے ہی سارے قُوٰی ختم ہوجاتے ہیں"۔ (؎)

نیز وہ لکھتے ہیں:

"قوّتِ حیوانیہ دوسرے قوائے پر مقدم ہے کیونکہ جب اعضاء میں قوتِ حیوانیہ موجود نہ ہو، تو اس کی کوئی صورت نہیں ہے کہ بدن میں روح اور حرارت غریزیہ

؎ کتاب (۱) مأتہ مسیحی)

حاصل ہوں، جن کے بغیر کسی قوت کا فعل سرزد ہی نہیں ہو سکتا"

GOVT. NIZAMIA TIBBI LIBRARY No.— Date— HYDERABAD

ارواح کی قسمیں

چونکہ بہ لحاظ افعال قُوے کی تین جنسیں ہیں، نفسانیہ، حیوانیہ، اور طبعیّہ: اور ان ہی قوائے کے لحاظ سے اعضاء کی بھی تین جنسیں ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ کوئی عضو اپنا فعل جاری نہیں رکھ سکتا، اگر اُس سے رُوح کی کمک بند کردی جائے، اس لحاظ سے ارواح کی قسمیں بھی (اعضاء اور قُویٰ کی طرح) تین ہی ہیں: نفسانیہ، حیوانیہ، اور طبعیّہ۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو ارواح جوہر دماغ اور جوہر اعصاب میں پائے جاتے ہیں، اگرچہ وہ ابتداءً شرائین ہی سے حاصل ہوئے ہیں، لیکن اب اُن کا نام اَرْوَاح نفسانیہ ہو جائے گا۔

اسی طرح جوہر کبد اور دوسرے اعضائے طبعیہ کے جوہر میں، جہاں جہاں غذائی تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، ان میں جو روحی اجزاء پائے جاتے ہیں، وہ اَرْوَاح طبعیّہ کہلاتے ہیں، اور ان کی بنیاد بھی وہی ارواح ہیں، جو قلب و شرائین سے حاصل ہوتے ہیں، اور جن کو اَرْوَاح حیوانیہ کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدمائے فن نے قُوائے حَیَوانیہ کو دوسرے قُویٰ پر مقدم کیا ہے، جیسا کہ اُوپر بتایا گیا۔

روح کا اطلاق کب ہوتا ہے؟ ہوا کے مخصوص اجزاء (نسیم) جب پھیپھڑوں کی راہ منجذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتے ہیں، یعنی جزو بدن بن جاتے ہیں، اُسی وقت یہ روح کہلاتے ہیں۔ اس سے پہلے ان اجزاء پر "روح" کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اَرْواح امورِ طبیعیہ میں سے ہیں۔ اور امورِ طبیعیہ اجزاءِ بدن کا نام ہے؛ اور یہ ظاہر ہے کہ ہوا جب تک باہر ہے، وہ ایک

بیرونی شے اور جسم غریب ہے۔

پھر ان کی دو حالتیں ہیں :-

۱۔ گاہے یہ عمل کی صورت میں ہوتے ہیں، یعنی مناسب مواد (مَوَادّ مُشْتَعِلَہ) کے ساتھ مخلوط ہو کر حرارت وغیرہ پیدا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ

"ہماری روح کی بہترین مثال شُعلۂ چراغ ہے"

۲۔ گاہے یہ بے عمل اور سکون کی صورت میں ہوتے ہیں اور یہ صورت اُس وقت پائی جاتی ہے، جب اُن کے پاس مناسب مواد (مواد مذکورہ) موجود نہیں ہوتے۔

خون حامِل روح ہے اطبائے قدیم کے مسلمات سے ہے کہ:

"خون روح کی سواری ہے"

اس کا مُدعا یہ ہے کہ بیرونی ہوا جب پھیپھڑوں میں پہونچتی ہے، تو ہوا کے مخصوص اجزاء (نسیم) منجذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ خون جہاں جہاں جاتا ہے، روح بھی وہاں جاتی ہے۔ گویا خون ایک سواری (مَرْکَبْ) ہے، اور روح اُس پر سوار ہے۔ اسی وجہ سے خون کو حَامِل (باربردار) کہا گیا ہے۔

یوں تو بدن کی ساری رطوبات میں کم و بیش روح مُنْحَلْ صورت میں پائی جاتی ہے، اور وہ اپنی لطافت کی وجہ سے سریع الانتقال ہے۔ مگر اخلاط اربعہ میں سے جو جوہر سُرخ ہے، اور جس کو خاص اصطلاح میں اصلی خون (حَمْرَاء) کہا جاتا ہے، اس میں اجزاء نسیم کو جذب کرنے کی خصوصیت بہت زیادہ پائی جاتی ہے، اس لئے "حامِل روح" کا مفہوم اس پر بڑی وضاحت سے صادق آتا ہے۔

اطباء قدیم کے اقوال و مسلمات میں سے یہ بھی ہے کہ

"جب طبیعت مدبّرِ بدن کسی حصۂ جسم میں روح روانہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں خون روانہ کرتی ہے، کیونکہ خون کے بغیر تنہا روح نہ عروق میں پائی

جاتی ہے، اور نہ تنہا کہیں پہنچ سکتی ہے۔

روح کے مسالک ومقامات

یوں تو روح اعضار کے ہر حصہ میں کم وبیش ہر وقت موجود ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی عضو کا کوئی حصہ روح کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کی مقدار ہر جگہ مساوی نہیں ہے۔

اس اختلاف کا مدار اس کی آمد وشد پر ہے؛ چنانچہ ہواءِ مُسْتَنشَق جو روح کے لئے مادّہ اور غذار کہلاتی ہے، جب یہ پھیپھڑوں کے مخصوص خلاؤں میں پہونچتی ہے، تو خون کے مخصوص اجزار (حُمراء) کی کشش سے ہوار کے مخصوص اجزار منجذب ہوکر پھیپھڑں کی عروقِ شعریہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی کے بعد خون جہاں جہاں اور جن راستوں سے گزرتا ہے، یہ روحانی اجزار بھی اس پر سوار اُن ہی راہوں کو طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ عروقِ شعریہ سے شرائین وریدیہ اور بائیں اذن کو طے کرتا ہوا وہ روحانی خون قلب کے بائیں بطن میں پہونچتا ہے، پھر بائیں بطن سے براہ شرائین اور طے تمام اعضار کے عروقِ شعریہ میں پھیل جاتا ہے جہاں روح کی بڑی مقدار صرف ہوجاتی، اور اس صَرف وخرج کے نتیجہ میں یہاں روح کے فضلات (دُخان) بڑی کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں، جو عروقِ شعریہ سے بہت جلد وریدوں میں داخل ہوکر قلب کے دائیں بطن کا رُخ کرتے ہیں، اور قلب کے دائیں بطن سے (براہ ورید شریانی) پھیپھڑوں میں دوبارہ پہونچ جاتے ہیں، جہاں یہ فضلات خارج ہوجاتے، اور اجزار نسیم جذب ہو جاتے ہیں۔

یہی سلسلہ رات دن جاری رہتا ہے، جس سے روح کا صرف ہونا، اس کی کمک کا دوبارہ پہونچنا واضح ہے۔

اس تقریر کے بعد اطبار کے مندرجۂ ذیل مسلمات بڑی آسانی سے حل ہوجاتے ہیں :

(۱) دربدوں میں، یا وریدی خون میں (شرائین اور اس کے خون کے مقابلہ میں) روح کی مقدار کم ہوتی ہے، اور بخارات دُخانیہ (دُخان) کی مقدار زیادہ۔

(۲) وعلیٰ ہذا اس کے برعکس شرائین میں روح کی مقدار مقابلۃً زیادہ ہوتی ہے، اور دُخان کی مقدار کم۔

(۳) قلب کے دائیں بطن میں، اور متصلہ رگ (ورید شریانی) میں جو پھیپھڑے تک جاتی ہے، اسی طرح روح کم، اور دُخان زیادہ۔

(۴) علیٰ ہذا قلب کے بائیں بطن اور شرائین وریدیہ میں (جو پھیپھڑے سے قلب کے بائیں بطن تک واقع ہے) روح کی مقدار زیادہ۔ اور دُخان کی مقدار کم ہوتی ہے۔

(۵) یہ بھی مسلمات سے ہے، کہ جن اعضاء میں خون کے اجزاء زیادہ خرچ ہوتے ہیں، وہاں روح بھی زیادہ صرف ہوا کرتی ہے، اس لئے حرارت بھی وہاں زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

ایک دلچسپ خیال

ایراسیسٹراطس[1] کا خیال تھا کہ

"شریانوں میں خالص روح ہوتی ہے، اور ان میں خون قطعاً نہیں ہوتا یہ روح بصورتِ بخارات ہوتی ہے، جو تنفس کی ہوا سے حاصل ہوتی ہے، اور اپنی لطافت کی وجہ سے ہوا کی طرح نظر نہیں ہوتی۔"

اس مغالطہ کی وجہ یہ ہوئی کہ مرنے کے بعد جن نعشوں کا اس حکیم یونانی نے مشاہدہ کیا، اُن کی شرائین کو خون سے خالی پایا۔

[1] المتولد ولادت ۳۵۰ء قبل مسیح ۔ وفات ۲۵۰ء قبل مسیح معاصر ہیروفیلوس استاد مدرسۂ اسکندریہ

پھر اس خیال کی اصلاح جالینوس نے کی، اور اُس نے بتایا کہ بہ حینِ حیات شرائین خون سے پُر رہا کرتی ہیں، اگرچہ مرنے کے بعد یہ خالی ملا کرتی ہیں۔

"ایراسیسطراطس کو نظریۂ روح کا بانی خیال کیا جاتا ہے" اسی وجہ سے اس کو اَبُوالاَرواح کا لقب دیا گیا ہے، جس طرح اس کے ہمعصر ایروفیلوس کو ابوالتشریح کہا جاتا ہے۔

(۶) قوٰی

قوت کے معانی

"قُوٰی" قُوَّۃ کی جمع ہے۔

لفظ قوّت کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے:

(۱) قوت کے بنیادی معنے "زور" کے ہیں، جس کی وجہ سے انسان مشقت کے ایسے اعمال کرنے پر قادر ہوتا ہے، جو عام طور پر لوگوں سے نہیں ہو سکتے۔ اس کا مقابل ضُعف (کمزوری، ناطاقتی) ہے۔

(۲) قوت کے معنی قُدرۃ (سکت) کے بھی ہیں، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر حیوان یا انسان چاہے، تو وہ کام کر سکے، اس کا مقابل عَجز (بے بسی) ہے۔

(۳) بہ آسانی متاثر نہ ہونا (لاانفعال)۔

(۴) دوسرے میں اثر کرنا (تاثیر فی الغیر)۔

(۵) اِمکان، جس کا مقابل فِعل ہے، چنانچہ اسی معنیٰ کے لحاظ سے بالقُوّۃ اور بالفِعل کہا جاتا ہے۔

مثلاً کسی سفید کاغذ کو کہا جا سکتا ہے کہ

"وہ بالقُوّۃ سیاہ ہے"

یعنی وہ اس وقت گو سفید ہے، مگر ممکن ہے کہ وہ سیاہ ہو جائے۔ اور جب وہ بحالتِ موجودہ سیاہ ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ

"وہ بالفِعل سیاہ ہے۔"

یعنی سیاہی معرضِ وجود میں آ چکی ہے۔

یہاں قوت سے کیا مراد ہے؟ یہاں بحث قُوائے میں، جو امورِ طبیعیّہ میں سے ایک ہے، لفظ قوّت سے مراد غیر میں اثر کرنے (تاثیر فی الغیر) کی صفت ہے یا بالفاظِ دیگر — فعل کے سرچشمہ کو قُوّت کہا جاتا ہے۔ (۱)

اس کے معنیٰ بدیہی طور پر یہ ہوئے کہ قُویٰ کے وجود کے لئے افعال گواہی کی خدمت انجام دیتے ہیں، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی فعل قوت کی موجودگی کے بغیر عالمِ وجود میں رونما ہی نہیں ہو سکتا۔

اسی لئے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے اپنی کتاب قانون میں قُویٰ و اَفعال دونوں کے بیان کو ایک ہی تعلیم میں جمع کر دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قویٰ اور افعال کی معرفت ایک دوسرے سے حاصل ہو جاتی ہے (قُویٰ کا علم افعال سے، اور افعال کا علم قُویٰ سے حاصل ہو جایا کرتا ہے) کیونکہ ہر قوت کسی نہ کسی فعل کا مبدأ ہوتی ہے، اور ہر فعل کسی نہ کسی قوت ہی سے صادر ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے قوُائے اور افعال کو ایک تعلیم میں اکٹھا کر دیا ہے۔"

قوُائے کی تقسیم

قویٰ کی تین جنسیں ہیں:-

(۱) قوتِ طبعیہ — (۲) قوتِ نفسانیہ —

(۳) قوتِ حیوانیہ۔

(۱) قوتِ طبعیّہ

قوتِ طبعیّہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم وہ ہے، جو انسانی افراد و اشخاص کی

(۱) القوۃ ھی سبب الفعل (ابن مسیحی)

بقار کے لئے (یا اُس کے کمال کے لئے) غذار میں تصرُّف کرتی ہے (قُوائے شخصیّہ).

(۲) دوسری قسم وہ ہے: جو انسانی نوع (انسانی نسل) کے تحفظ کے لئے غذار میں کام کرتی ہے: (قوائے تناسلیّہ).

قوتِ غاذیہ | پھر پہلی قوت (قسم اول: قوّتِ شخصیّہ) کا تصرف یا اُس شخص کے تغذِیَہ (غذار پہونچانے) کے لئے ہوتا ہے، جسے غَاذِیَہ (غذار دینے والی) کہتے ہیں.

قوتِ نامیہ | یا اُسے تینوں اَقطَار (لمبائی، چوڑائی اور موٹائی) میں اُس تناسب سے بڑھانے کے لئے ہوتا ہے، جو اُس کے نوع کا تقاضا ہے، جسے نَامِیَہ (بڑھانے والی) کہتے ہیں.

(قرشی)

انتباہ: قوائے طبعیہ، نفسانیہ، اور حیوانیہ کی تعریف بحث اعضاء میں گزر چکی ہے، وہیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ غذائی مواد میں ہر قسم کے تصرفات وتغیرات قوت طبعیہ سے متعلق ہیں.

ابو سہل مسیحی لکھتے ہیں،

"قوّتِ طبعیّہ وہ قوت ہے، جو سارے بدن کو غذا مہیا کرتی اور ان کے فضلات خارج کرتی ہے."

اس کا مطلب ظاہر ہے کہ قوتِ طبعیہ سے مواد بدن میں جو تغیرات واقع ہوتے ہیں، اُن کے دو ہی نتیجے ہیں:

(۱) بدن کے لئے غذار کا مہیا ہونا.

(۲) بدن کے فضلات کا خارج ہونا۔

قوتِ غاذیہ اور تغذیۂ بدن

" **قوّتِ غاذیہ** وہ قوت ہے جو غذا، کو بدل کر (اس میں استحالہ و تغیّر پیدا کر کے) عضوِ مغتذی کے مانند بنا دیتی ہے، تا کہ بدن کا جو حصہ تحلیل ہو گیا ہے، اُس کے عوض میں اس عمل سے اس کو خلیفہ اور قائم مقام بنا دے (ما یتحلّل کا بدل اور عوض بنا دے)"۔ (قانون)

" **تغذیۂ بدن** کی صورت یہ ہے کہ یہ قوت (قوتِ غاذیہ) تحلیل شدہ اجزاء کے قائم مقام ایک جوہر تیار کرتی ہے، یعنی خون اور خلطِ صالح بناتی ہے، جو بالقوۃ القریبۃ[1] عضو کے مشابہ ہے (یعنی خون اور اخلاط صالحہ بمقابلۂ بیرونی غذاء کے عضو سے قریب ترین مشابہت رکھتے ہیں) پھر اس جوہر کو پورے طور پر بالفعل غذاء بنا دیتی ہے؛ یعنی پہلے اُسے عضو کے ساتھ چپکاتی ہے، پھر جب یہ عضو کا جزء بن جاتا ہے، تو اُسے قوام، رنگ اور مزاج کے لحاظ سے عضو کے مشابہ بنا دیتی ہے۔

الغرض یہ تین کام ہوئے:

(۱) بدلِ ما یتحلّل حاصل کرنا (**تحصیل**)؛

(۲) عضو کے جوہر کے ساتھ چپکانا (**الصاق**)؛

(۳) غذاء کو عضو کے مشابہ بنانا (**تشبیہ**)؛

ان میں سے ایک بھی بگڑ گیا تو تغذیہ بگڑ گیا"۔

چونکہ قوتِ غاذیہ کے افعال متعدد ہیں، اس لئے اس قوت کا متعدد ہونا بھی ضروری ہے۔ الغرض قوتِ غاذیہ ان تین قوٰی کے مجموعہ کا نام ہے:

---

[1] بالقوۃ القریبۃ، روٹی اور گوشت، وغیرہ، جو ہم کھاتے ہیں، یہ بھی عضو سے بالقوۃ مشابہ ہیں، اور اس سے جو خون وغیرہ بن جاتا ہے، یہ بھی عضو سے بالقوۃ مشابہ ہے۔ مگر پہلی چیزیں بالقوۃ البعیدۃ مشابہ ہیں، اور دوسری چیزیں بالقوۃ القریبۃ۔

(۱) بدلِ مایتحلل حاصل کرنے والی (مُحصِّلہ)؛
(۲) چپکانے والی (مُلصِقہ)؛
(۳) مُشابہ بنانے والی (مُشبِّھہ)؛

اعمالِ غاذیہ کے خلل کی مثالیں

(نفیس)
"گاہے قوتِ غاذیہ کے پہلے فعل (تحصیل) میں خلل آجاتا ہے، جیساکہ مرض ھُلاس (ھُزال: عدمِ غذار) میں واقع ہوتا ہے۔" (شیخ)۔ یعنی معدہ، امعاء، اور جگر وغیرہ کی خرابی سے، یا قحط وغیرہ کے باعث اعضاء کو کافی مقدار میں مناسب خون اور اخلاط صالحہ نہیں ملتے، جس سے لاغری کا واقع ہونا ضروری ہے۔

"علیٰ ہذا گاہے غاذیہ کے دوسرے فعل (اِلصَاق[1]: الزاق) میں خلل آجاتا ہے، جیساکہ اِستِسقاء لَحمی میں واقع ہوتا ہے۔" (شیخ) جس میں غذار بدن کے ساتھ اچھی طرح چپکتی نہیں ہے۔ اور بدن کا گوشت[2] ڈھیلا ڈھالا سا رہتا ہے۔

استسقاء لحمی وہ ڈھیلا ورم (تَہَبُّج، تَرَہُّل) ہے، جو تقریباً سارے بدن میں عام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زیرِ جلد ساختوں میں مائیت کی بڑی مقدار اکٹھی ہوجاتی ہے، جسے اعضاء دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔

"اسی طرح گاہے غاذیہ کے تیسرے فعل (تشبیہ) میں خلل آجاتا ہے، جیسا کہ مرض بَرَص اور بَہَق میں ہوتا ہے — چنانچہ ان دونوں امراض میں بدل (غذار) اور الزاق دونوں موجود ہیں، (غذار حاصل ہوکر آتی ہے، اور وہ چپک بھی گئی ہے) مگر تشبیہ موجود نہیں ہے (ورنہ جلد کی رنگت خراب نہ ہوتی)۔" (شیخ)

بَرَص اور بَہَق۔ دونوں جلدی امراض ہیں، جن میں جلد کی طبعی رنگت قائم نہیں رہتی: برص میں نمایاں سفیدی غالب ہوجاتی ہے:

---

[1] اِلصَاق، یا اِلزاق، چپکانا، چسپاں کرنا۔
[2] اس سے یہاں خاص طور پر زیرِ جلد ساختیں مراد ہیں۔

اور بہق[1] میں سیاہی، جس کو اردو میں غالباً "جھائیں" کہا جاتا ہے.
ان دونوں امراض میں خون غاذی اگرچہ ساخت میں داخل ہو کر
چپک جاتا ہے، مگر وہ رنگ کے لحاظ سے پورے طور پر عضو کے مشابہ
نہیں بنتا.

شرائط تغذیہ

طبعی تغذیہ کے لئے اگرچہ شرطیں بہت زیادہ ہیں، مگر ان سب کو دو
شرطوں میں سمیٹ دیا جا سکتا ہے:
(۱) عضو مغتذی کے مزاج اور ترکیب کا طبعی ہونا،
(۲) غذاء وارد کا بہ لحاظ مقدار و کیفیت بہتر اور مناسب ہونا۔
یہ معلوم ہے کہ یہ دونوں چیزیں اُسی وقت مناسب ہو سکتی ہیں، جبکہ
سارے اعضائے رئیسہ (جگر، قلب، اور دماغ) اعتدال پر ہوتے ہیں، جیسا کہ
پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بدن کے سارے افعال ان تمام اعضائے رئیسہ کے
باہمی تعاون پر قائم ہیں.
یہ بھی مسلّم ہے کہ اعصاب متعلقہ کے مفلوج اور بیکار ہو جانے سے عضو
متعلق کے تغذیہ میں خلل آجاتا ہے، کیونکہ اعصاب دماغی افعال کے خادم ہیں،
اور تمام افعال کی طرح دماغ و اعصاب تغذیہ کے اعمال میں بھی دخیل ہیں. فالج
نصفی میں نصف ماؤف اور عرق النساء میں ماؤف ٹانگ کی لاغری اس
دعوے کی دلیل ہے.
علیٰ ہذا یہ مشہور ہے، اور صحیح ہے کہ "غم انسان کو گھلا دیتا ہے، اور
خوشی انسان کو پھلا دیتی ہے" (یعنی فربہ کر دیتی ہے) یہ اس امر کی بہترین
شہادت ہے کہ تغذیۂ اعضا میں دماغ و اعصاب شریک ہیں، اگرچہ بظاہر

[1] یہاں بہق سے مراد "بہق اسود" ہے، جس میں سیاہی ہوتی ہے. اس کی
دوسری قسم بہق ابیض بھی ہے۔

کوئی نمایاں تعلق محسوس نہیں ہوتا۔

اسی طرح قلبی افعال کے خوادم (عروق متعلقہ) اگر اپنے افعال انجام نہ دیں، تو متعلقہ اعضاء تک نہ مناسب روح پہونچے، اور نہ وہاں مناسب حرارت پیدا ہو، اس لئے ایسی صورت میں لازماً تغذیہ کا عمل متاثر ہوگا۔

یہی حال جگر کا ہے، جو سامانِ غذائی کے مہیا کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ یہ تو اعضائے طبعیہ میں رئیس ہی ہے، اس کا کیا کہنا۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ اعضائے رئیسہ کے افعال اُس وقت باقاعدہ ہوتے ہیں، جب دوسرے متعلقہ اعضاء کے کام درست ہوں۔ مثلاً اگر معدہ وامعاء کے افعال خراب ہوں تو یہ ناممکن ہے کہ جگر اپنا کام صحیح طور پر انجام دے سکے۔

یہی حال قلب اور پھیپھڑے، اور دیگر آلاتِ تنفس کا ہے۔

الغرض اگر غور کیا جائے، تو تغذیہ کا فعل طبیعت کے پیچیدہ ترین افعال میں سے ہے، جس میں تقریباً بدن کے سارے اعضاء (کم وبیش) اثر رکھتے ہیں۔

غاذیہ کے مدارجِ عمل

"قوتِ غاذیہ کبھی تو تحلّل کے برابر غذا، مہیا کرتی ہے، جیسا کہ سنِ شباب میں ہوتا ہے۔"

"کبھی اس سے کم، جیسا کہ سنِ شیخوخت میں ہوتا ہے۔"

"اور کبھی اس سے زیادہ، جیسا کہ سنِ نمو میں ہوتا ہے۔"

(قانون)

اس قول کا مدّعا یہ ہے کہ غاذیہ کے افعال کے بعد جس طرح عضو مغتذی میں تشبیہ والزاق کے بعد مثلاً ایک مخصوص رنگ اور ایک مخصوص قوام حاصل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح اس کے اعمال سے عضو مغتذی کے حجم کا متاثر ہونا بھی ضروری ہے، یعنی:—

(۱) یا اُس کا سابقہ حجم قائم رہے گا،

(۲) یا گھٹ جائے گا۔

(۳) یا بڑھ جائے گا۔

پہلی صورت اگر جوانی کے زمانہ میں پائی جاتی ہے، تو دوسری صورت بڑھاپے میں، اور تیسری صورت لڑکپن کے زمانہ میں، جسے نمو کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد اس طرح کہنا جائز ہوگا کہ

نامیہ کے افعال درحقیقت غاذیہ ہی کے افعال ہیں، جبکہ قوتِ غاذیہ اپنے عالمِ شباب میں ہوتی ہے، اور اس کے افعال ہر جگہ، اور ہر عضو میں تیز تر، اور بہتر سے بہتر ہوتے ہیں۔

یا بہ الفاظِ دیگر — جس طبعی مظاہرہ کا نام نُمُو ہے، وہ اُسی زمانہ میں پایا جا سکتا ہے، جس زمانہ میں قوتِ غاذیہ بلند و بالا ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس لئے یہ کہنا کہ "غاذیہ نامیہ کی خدمت کرتی ہے۔" یہ ایک قسم کی تعبیر ہے، جو مذکورہ حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہے، ورنہ اس کی دوسری تعبیریں بھی ہو سکتی ہیں۔

تولیدِ حرارت

علیٰ ہذا "مزاجِ انسان" کی بحث میں لکھا گیا ہے کہ بچپن کے زمانہ میں چونکہ نمو کی وجہ سے غاذیہ و نامیہ کے افعال تیز تر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں حرارتِ غریزیہ زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا کے بعض اجزاء اگر جزوِ بدن بن جاتے ہیں، تو دوسرے اجزاء (وَقُوْد) تولیدِ حرارت میں صرف ہو جاتے ہیں۔

الغرض غاذیہ کے اعمال کے سلسلے میں جو تغیرات واقع ہوتے ہیں' اس کے نتیجے میں اگر بدلِ مایتحلل کی تحصیل ہے، تو تولیدِ حرارت بھی اسی تغیر کا نتیجہ ہے۔

غذاء کے معانی

"غذاء" کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے،

(۱) "وہ جو حقیقی معنوں میں غذاء ہے (غذاء حقیقی)۔ یہ وہی ہے، جو عضو کے مشابہ ہو کر اُس سے چسپاں ہو چکی ہے۔

(۲) "وہ غذاء جو اگرچہ عضو کے ساتھ چسپاں ہو چکی ہے، مگر ابھی (پورے طور پر) اُس کے مشابہ نہیں ہوئی ہے۔

(۳) "خون" (یعنی عام خون، جو عروق وغیرہ میں پایا جاتا ہے) جس نے ابھی عضو مغتذی سے نہ اتصال حاصل کیا ہے، اور نہ اُس کے مشابہ بنا ہے (بلکہ ابھی وہ اُس سے الگ مثلاً رگوں میں دوڑ رہا ہے)"۔

(مئتہ مسیحی)

(۴) اسی طرح گاہے غذاء، بیرونی غذاء کو بھی کہتے ہیں، مثلاً چاول، روٹی، گوشت، دال وغیرہ، جن میں اس امر کی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ خون وغیرہ میں تبدیل ہونے کے بعد جزء بدن بن جائیں۔

قوتِ مغیّرہ اور تغیّراتِ غذائیہ

یہ معلوم ہے کہ ہر حصۂ بدن میں ہر وقت (جب تک زندگی قائم ہے) کم و بیش رفتار کے ساتھ رطوباتِ بدن میں تغیرات و استحالات جاری رہتے ہیں، تاکہ کارآمد اجزاء کو اجزاءِ بدن سے قریب تر لا کر (تشبیہ بنا کر) بدن کی ساخت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور بیکار اور مُضر چیزوں کو خارج کرنے کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔

یہ عمل **قوتِ مغیرہ** سے متعلق ہے، جو غاذیہ کے قُوے میں سے ایک قوت ہے، اور جو کسی وقت سکون اختیار نہیں کرتی۔

ابو سہل مسیحی کا یہ قول اسی طرف رہنمائی کر رہا ہے:۔

قوتِ غاذیہ کا وجود ہر حصۂ بدن میں

"یہ قوت، جو اپنی طرف (یعنی اُس جوہر کی طرف، جہاں

وہ قائم ہے) غذا رصالح کو جذب کرتی ہے، اور اُسے اپنے (جوہر کے) مشابہ بناتی ہے، اور اپنے (جوہر عضو کے) اندر روکے رکھتی ہے، اور فضلات کو اپنی ذات سے دُور پھینک دیتی ہے۔ یہ بدن کے ہر جزو میں اختلافِ جوہر کے باوجود موجود ہے۔" (رسالہ مسیحی)

اس قول کا مدعا یہ ہے کہ:

تمام اعضاء میں، خواہ ان کا رنگ و قوام کچھ ہی ہو، چاروں قوتیں (جاذبہ، ہاضمہ، ماسکہ اور دافعہ) پائی جاتی ہیں، جو قوتِ غاذیہ کے اجزاءِ ترکیبی ہیں، اور جن سے ان میں ہر وقت تغذیہ کے اعمال جاری رہتے ہیں۔

یہ قول اطباء کے اُس قول کے بہت ہی قریب ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ "بدن کے ہر حصہ میں طبعاً ایک قوت غریزیہ پائی جاتی ہے، جس سے اُس کے تغذیہ کا کام جاری رہتا ہے۔"

پھر یہ قوت نام کے لحاظ سے گو ایک قوت معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک جنس ہے، جس کے تحت بے شمار انواع ہیں: ہڈی میں جو قوت مغیّرہ کام کرتی ہے، وہ چربی کی قوت مغیرہ سے جداگانہ ہے؛ قرنیہ میں اگر یہ اجزاء خون کو شفاف جوہر میں تبدیل کرتی ہے، تو طبقۂ عنبیہ و مشیمیہ میں ان کو رنگین اور سیاہ مواد میں بدل ڈالتی ہے۔ یہی حال تمام اعضائے مفردہ (متشابہۃ الاجزاء) کا ہے، جن کی ترکیب و مزاج ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتے ہیں۔

ان ہی اُمور کی طرف شیخ اشارہ کرتے ہیں:

"یہ فعل (تشبیہ) قوتِ مغیرہ کا فعل ہے، جو غاذیہ کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔" (شیخ)

یعنی یہ تشبیہ اُن تغیرات کا نتیجہ ہوتی ہے، جو غذاء میں واقع ہوتے ہیں۔

"یہ قوتِ مغیرہ بدنِ انسان میں بلحاظ جنس کے ایک ہے، لیکن بہ لحاظ نوع کے تمام اعضائے متشابہۃ الاجزاء میں الگ الگ اور مختلف مختلف ہے، کیونکہ ہر عضو میں اُس کے مزاج کے مطابق ایک قوت ہوتی ہے، جو غذاء میں تغیر کر کے اُس میں ایک خاص قسم کی تشبیہ

(مثلاً رنگ و قوام) پیدا کر دیتی ہے، جو دوسرے عضو کی قوت کی تشبیہ سے جداگانہ ہوتی ہے"۔
(شیخ)

قوت مغیّرہ بعض اعضاء میں دوچند ہے

اس کا مدعا یہ ہے کہ ایک عام قوت مغیّرہ تو بدن کے ہر حصّے میں موجود ہے، جس سے اُس کے جوہر کا تغذیہ جاری رہتا ہے، اس سے کوئی عضو، اور عضو کا کوئی حصہ خالی نہیں۔

لیکن بعض اعضاء میں اس عام قوت مغیّرہ کے علاوہ ایک دوسری قوت مغیّرہ بھی پائی جاتی ہے، یعنی ان میں چاروں طبعی قوتیں (جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ) دوچند (مُضَعَّف) ہوتی ہیں۔ ایسا اُن اعضاء میں ہوتا ہے، جو اپنے تغذیہ کے علاوہ دوسرے اعضاء کے لیئے غذائی سامان مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً معدہ، آنتیں، اور جگر وغیرہ۔

چنانچہ ابوسہل مسیحی لکھتے ہیں:

"یہ چاروں طبعی قوتیں (جو غذائی مواد میں تصرف کیا کرتی ہیں، یعنی جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ اور دافعہ) معدہ میں دوچند (مُضَعَّف) پائی جاتی ہیں:

(۱) ان دونوں میں ایک تو وہ ہے جو باہر کی غذا کو جذب کر کے جوف معدہ تک پہونچاتی، اور وہاں روک کر اُس میں اس قسم کا تغیر پیدا کرتی ہے کہ وہ خون میں تبدیل ہونے کے قابل ہو جائے۔ پھر اُسے جگر کی طرف روانہ کرتی ہے"

"یہ سارے افعال جو معدہ سے سرزد ہوتے ہیں، وہ کسی ایسی چیز میں نہیں ہوتے، جو معدہ کے جرم اور اُس کے جوہر کے اندر ہو۔ بلکہ یہ افعال جوہر معدہ اور اُس کی ساخت سے الگ ایک بیرونی چیز میں ہوتے ہیں"۔

(یعنی یہ عمل جوف معدہ کے مواد غذائیہ میں ہوتا ہے، جو جوہر معدہ کے لحاظ سے ایک جسم غریب کی حیثیت رکھتے ہیں)

(۲) "دوسری قوت وہ ہے، جو خاص جوہر معدہ اور اس کے طبقات کی طرف ایسی مفید اور کارآمد چیزوں کو جذب کرتی ہے، جو نفس معدہ کے (تغذیہ کے) کام آسکتے ہیں۔ پھر وہاں روک کر، اور تغیرات پیدا کر کے ان کو جوہر معدہ

(کی ساخت) میں تبدیل کر دیتی ہے؛ نیز ان کے فضلات کو معدہ سے خارج کرنے کی خدمت بھی انجام دیتی ہے۔ یہی حال جگر کا ہے (یہاں بھی طبعی قوائے دوہری ہیں: ایک سے خون بنتا ہے، اور دوسری سے جگر کی ساخت حاصل ہوتی ہے) کیونکہ خون بن جانا ایک خاص تغیر ہے، اور جوہر کبد بننا دوسرا تغیر"

"جس طرح غذاء سے کیلوس کا بننا اور بات ہے، اور جوہر معدہ کی ساخت کا بننا دوسری بات ہے"

(رسالۂ مسیحی)

یہ قوتیں جس طرح معدہ اور جگر میں دوہری ہوتی ہیں، اسی طرح اُن تمام اعضاء میں بھی دو چند پائی جاتی ہیں، جو خون اور اجزاء خون میں تغیرات پیدا کر کے کسی دوسرے عضو کے لئے کوئی کارآمد چیز بناتے ہیں، یا ان میں ایسے تغیرات پیدا کرتے ہیں کہ وہ باہر فضلات کی صورت میں بہ آسانی خارج ہو سکیں، مثلاً ثدی، خصیہ، اور دوسرے غدد۔

غذاء کے تغیّرات

ہضوم واستحالات

یوں تو اعضاء کے ہر جزء میں ہر وقت ایک تغیر جاری ہے، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، اس لحاظ سے اِن تغیرات کی بیشمار قسمیں ہیں، لیکن اگر ان سب کو سمیٹا جائے، تو بہ لحاظ مقام تغیر یہ تین گروہ میں بیان کئے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ ابو سہل مسیحی کہتے ہیں:

"بدن کے اندر غذاء میں تین تغیرات ہوتے ہیں:

(۱) تغیّرِ معدی (ہضم معدی) یعنی وہ تغیر جو معدہ[1] میں ہوتا ہے جس سے غذا آشِ جَو (ماء الشعیر) جَو کی پیچ) کے مانند ہو جاتی ہے۔ پھر یہ غذائی خلاصہ حبلِ اول (ماساریقا) میں نفوذ کر کے دباب الکبد کی راہ)

[1] یہاں معدہ سے پورا مجرائے غذائی مراد ہے، جو منہ سے مبرز تک دراز ہے۔

جگر تک پہنچ جاتا ہے۔" (مسیحی)

اسی سلسلے میں مسیحی اس ثفل کے انجام کا ذکر کرتا ہے، جو ہضم اوّلی میں حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ مسلمات سے ہے کہ کوئی ہضم ایسا نہیں جس میں کوئی فضلہ نہ بچے:

"اور (اس ہضم و تغیر کے سلسلے میں) جو ثفل معدہ میں بچ رہتا ہے، وہ نیچے آنتوں میں اُترتا چلا جاتا ہے۔"

(۲) تغیّرِ کبدی (ہضم کبدی) یعنی وہ تغیر جو جگر میں ہوتا ہے۔

اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ خلاصۂ غذا (عصارۂ غذائیہ) جو معدہ میں تیار ہوا تھا، وہ (جگر میں پہونچ کر) ایسے خون میں تبدیل ہو جاتا ہے، جو سارے بدن کے تغذیہ میں صَرف ہو سکے، اور (یہاں ہضم و احالہ کے سلسلے میں) اُس کے فضلات بھی متمیّز ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خون تو عروق غیر ضوارب (اَوْرِدہ کبدیہ) میں نفوذ کر جاتا ہے، اور فضلات (حسب موقعہ) اپنے اپنے اوعیہ میں (مثلاً صفراء اپنے ظرف، یعنی مرارہ میں) چلے جاتے ہیں۔"

(۳) تغیّرِ عُضوی (ہضم عُضوی) یعنی وہ تغیّر جو اعضاء میں ہوتا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ خون جوہرِ اعضاء میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(اس تغیر کے سلسلے میں) یہاں جو فضلات بچ رہتے ہیں، اور مذکورہ تغیّر کو قبول نہیں کرتے (یعنی جوہر اعضاء کے مشابہ نہیں بن سکتے) وہ پسینہ، پوشیدہ تحلّل، اور میل کچیل کے ذریعہ خارج ہو جاتے ہیں۔"

(کتاب المائۃ مسیحی)

سُؤال، یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عام اطباء نے ان ہضوم و تغیرات کو چار گروہ میں تقسیم کیا ہے: معدی، کبدی، عروقی، اور عضوی۔ مگر یہاں ابو سہل مسیحی نے انھیں تین قرار دے کر عروقی کو ترک کر دیا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ "عروق" خون کے جریان کے لئے مسالک (راہ) کا درجہ رکھتی ہیں، یعنی ان میں تغیرات (ہضوم) بہت

کم ہوتے ہیں، اس لئے ابوسہل نے اُسے ناقابلِ اعتناء شمار کیا۔
بہرحال ہضوم و تغیرات کو جو لوگ چار گنتے ہیں، وہ بھی غلطی نہیں ہیں،
اور جو انھیں تین کہتے ہیں، وہ بھی صواب سے بہت دُور نہیں ہیں۔

"لِکُلٍّ وِجْهَةٌ"

قوتِ نامیہ اور اعضاء کا نمو

شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

قوتِ نامیہ[۱] وہ قوت ہے، جو جسم کے قطروں (لمبائی، چوڑائی، اور موٹائی) کو طبعی تناسب کے مطابق، غذا کو اس کے اندر داخل کر کے بڑھاتی ہے، تاکہ وہ جسم اپنے نشو و نما کی حد تک پہونچ جائے (اور جتنا اُسے قدرۃً بڑھنا چاہیئے، اتنا وہ بڑھ جائے)۔

(قانون)

اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی عضو اس طور پر بڑھے کہ اُس سے اعضاء کا طبعی تناسب بگڑ جائے، تو اطبائے قدیم کی اصطلاح کے مطابق اُسے نمو میں شامل نہیں کیا جا سکتا، مثلاً سِمَن مفرط (غیر معمولی فربہی)، پیٹ کا بے ڈھب طور پر بڑھ جانا (توند بڑھنا)، اور مثلاً مرضِ داء الفیل کی وجہ سے ٹانگوں، ہاتھوں، یا فوطوں کا اتنا بڑا ہو جانا۔

اِن مثالوں میں مادہ کے لحاظ سے ذرا فرق ہے، اگرچہ اطبائے قدیم نے اِن سب کو مرضی حالات میں شمار کیا ہے، کہ فربہی میں جو مادّہ ہوتا ہے، اُسے "مرضی مادّہ" نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ اُس میں چربی اور گوشت بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن داء الفیل ایک قسم کا تہبُّجی ورم ہے،

---

[۱] نَامِیَہ، بڑھنے والی۔ نحوی قاعدہ کی رو سے مُنْمِیَہ (بڑھانے والی) ہونا چاہیئے تھا، مگر قافیہ کی رعایت سے یہاں صرف وزنی مناسبت اور قافیہ کا لحاظ رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ صاحب فِردَوسُ الحِکمۃ اور ابوسہل مسیحی نے اس قوت کا نام مُرَبِّیَہ لکھا ہے۔

جس کا مادہ غیر طبعی اور غیر صالح ہوتا ہے۔

نمو کی حد شیخ کے قول سے واضح ہے، اور مشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ "اعضاء کے بڑھنے کی ایک حد ہے، جو ایک خاص تناسب رکھتا ہے"۔

یہ تناسب طبیعت کے اقتدار میں ہے، جو باوجود اختلافِ مقدار کے افراط و تفریط کے درمیان ایک اوسط پر قائم رہتا ہے۔

نمو کا زمانہ اعضاء کے نمو کا بہترین مظاہرہ اُس زمانہ میں ہوتا ہے، جسے بچپن کا زمانہ (سِنِ نُمُو) کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں تمام اعضائے رئیسہ، شریفہ، اور اصلیہ ایک خاص رفتار، اور مخصوص تناسب سے بڑھتے رہتے ہیں، اور اسی نمو کے مطابق بچہ کے سارے قوائے میں بھی ترقی جاری رہتی ہے۔

یہی عام اور کلی نُمُو ہے، جو افعال و وظائف اور خواص بدن کے لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے، جس کا اظہار ذکر کرتے ہیں۔ ورنہ یہ سب کو معلوم ہے کہ

"بال اور ناخون جیسے کم اہم اعضاء بڑھاپے تک بڑھتے رہتے ہیں، اور جلد کا بیرونی استر (بَشَرہ) اکثر بدلتا رہا کرتا ہے، جیسا کہ موسم سرما میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نمو کے شرائط جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، وہی ہیں، جو تغذیہ کے لئے ضروری ہیں، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ جس زمانہ میں قوتِ غاذیہ جوان ہوتی ہے، اُسی زمانہ میں نمو ہوتا ہے۔ اس لئے غاذیہ اور نامیہ کے افعال کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا بہت ہی دشوار ہے۔

شذرہ ہر عضو میں نمو کے لحاظ سے ایک ذاتی خصوصیت اور مخصوص حالت پائی جاتی ہے، جو دوسرے سے ممتاز ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک عضو کو دوسرے عضو پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور اسی وجہ سے یہ کہنا زیادہ قوی ہے کہ

"ہر عضو کی قوت غاذیہ (اور نامیہ) دوسرے سے جدا گانہ ہے"۔

تسذرہ | چھاتیاں دودھ پلانے کے زمانہ میں، اور رحم ایّام حمل میں بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح عظم القلب، عظم الکبد، عظم الکلیہ وغیرہ میں ان کے جوہر بڑھ جاتے ہیں جو طبعی مزاج و ترکیب سے مخالف نہیں ہوتے۔ اس قسم کی بڑھوتریاں تجزئی نمو کی بہترین صورتیں ہیں۔

قُوَائے تَنَاسُلِیَّہ

مُوَلِّدَہ ۔ مُصَوِّرَہ

(۲) قوائے تناسلیہ قوت طبعیہ کی دوسری قسم وہ ہے، جو حیاتِ نوعی کی بقاء کے لئے غذاء میں تصرف کرتی ہے، یہ دو قوتیں ہیں:

(ا) مولدہ ایک وہ قوت ہے، جو بدن کے اُمتشاج ــــ مرکبات ــــ سے منی کے جوہر کو جدا کر کے خصیوں میں لاتی ہے، اور اس کے ہر جزء کو کوئی مخصوص عضو بننے کے لئے تیار کر دیتی ہے، جس کا نام مَوَلِّدَہ ہے۔ (تولید: پیدا کرنا)

(ب) مصوّرہ دوسری قوت وہ ہے، جو منی کے ہر ایک جزء کو وہ شکل و صورت پہنا دیتی ہے، جس کا مقتضی وہ نوع ہوتا ہے، جس سے یہ منی جدا ہو کر آتی ہے، یا اسی کے قریب کوئی دوسری شکل۔ شکل پہنانے سے مراد یہ ہے کہ اعضاء میں خطوط پیدا کرتی ہے، جوف اور گڑھے بناتی ہے، اور دوسرے کام کرتی ہے۔ اس قوت کا نام مُصَوِّرَہ ہے۔ (تصویر: صورت بنانا)

(قرشی)

قوائے تناسلیہ کی ضرورت

"چونکہ شخصی زندگی کا دائمی قیام تو ناممکن ہے، اور موت کا آنا بہرحال ضروری ہے، اس لئے قدرت نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ کم ازکم اُس کی نوع قائم رہے، اور اس کی نسل فنا نہ ہونے پائے۔ (یعنی کچھ اشخاص اگر ہلاک ہوتے رہیں، تو دوسرے افراد پیدا ہوکر اُن کی جگہ لیتے رہیں)، اور یہ ظاہر ہے کہ نوع کی بقاء اور نسل کے قیام کے لئے دو قسم کے قُوائے اور اعضاء کی ضرورت ہے:

(۱) اُن قوٰی کی ضرورت ہے، جن کے بغیر شخصی زندگی محال ہو......

(۲) مذکورہ قُوٰی کے علاوہ ایک ایسی قوت بھی ضروری ہے، جو افراد و اشخاص کے جانشین بنا سکے (یعنی فوت شدہ فرد کا بدل و عوض پیدا کرسکے)۔ چنانچہ اسی قسم کی قوت کا نام مُوَلِّدَہ اور مُصَوِّرَہ ہے (یہ قوتیں نطفہ بناتی، اور جنین تیار کرتی ہیں)"۔ (نفیس)

ایک نکتہ:

"قوتِ غاذیہ کو جو نسبت شخصی زندگی کی بقاء کے ساتھ ہے، وہی نسبت اِن قوتوں کو حیاتِ نوعی کے ساتھ ہے"۔ (نفیس)

یعنی جس طرح قوتِ غاذیہ موادِ صالحہ میں تغیر و تبدل پیدا کرکے بَدَلُ مَا یَتَحَلَّلُ بناتی رہتی، اور انسان کو زندہ رکھ کر شخصی بقاء کا ذریعہ ہوتی ہے؛ اِسی طرح قوتِ مولِّدہ و مصوِّرہ مخصوص مواد میں تغیرات پیدا کرکے نُطفہ (تخم ذرع) بناتی اور جنین تیار کرکے فوت شدہ افراد و اشخاص کا بدل و قائم مقام پیدا کردیتی ہے۔

"اَمْشاجِ بَدَن سے منی کا بننا"

منی (نطفہ) وہ مخصوص سفید رطوبت ہے، جو مردوں اور عورتوں

کے خصیوں میں تیار ہوتی ہے۔ پھر جب اس کے ساتھ مناسب شرطیں جمع ہو جاتی ہیں، اور تمام ماحول درست ہوتا ہے، تو اُس وقت وہ مخصوص مادّہ تغیر و ترقی پاکر ایک مستقل جاندار (حیوان) میں تبدیل ہو جاتا ہے، جو شکل و شمائل میں اُسی حیوان کے مانند ہوتا ہے، جس سے یہ مادّہ جُدا ہوا ہے۔ یعنی جس حیوان کے بدن کی منی ہوتی ہے، اُسی حیوان کی شکل و صورت اور عادات و خصائل لیکر بچّہ پیدا ہوتا ہے۔

منی کی بُو منی میں ایک مخصوص بُو پائی جاتی ہے، جس کو قُدَماء نے طَلعِ خرما کی بُو سے تشبیہ دی ہے۔ طَلع سے مراد درخت خرما کا وہ جز ہے، جو ابتداءً نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس سے پتّے پھیل جاتے ہیں۔ اس کو اردو میں **گابھ** کہا جاتا ہے۔ اس کے اندر جو رطوبت بھری رہتی ہے، وہی خارج ہونے پر نیرا (تازہ سیندھی یا تاڑی) کہلاتی ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ منی سے جو بُو خارج ہوتی ہے، وہ کم و بیش سیندھی (یا تاڑی) کی بُو سے مشابہ ہوتی ہے۔

منی اور بقراط **بقراط کی رائے ہے کہ**

"یہ عجیب و غریب جوہر، جس کا نام منی ہے، گو دیکھنے میں یکساں اور متشابہ الاجزا، معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ حقیقت میں اس کے اجزاء مختلف الجواہر اور مختلف الخواص ہوتے ہیں، کیونکہ اس کا خمیرہ بدن کے ہر جزو سے کھنچ کر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف اجزا سے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔ ہڈی جیسی سخت چیز بھی اور چربی جیسی نرم چیز بھی، قرنیہ اور جلیدیہ جیسے شفاف اعضاء بھی، اور رباطات و اوتار کی طرح کثیف اعضاء بھی۔ اسی وجہ سے حُکَماء نے منی کو مُتَشَابِہُ الامتزاج[1] کہا ہے۔ یعنی ایک ایسی ملی جلی رطوبت ہے، جو دیکھنے میں یکساں (مُتَشَابِہ) معلوم ہوتی ہے۔

"امتزاج بدن" سے مراد وہی جواہر اور رطوبات ہیں، جو اعضاء

---

[1] مُتَشَابِہ: یکساں، ہموار، ایک جیسا۔ امتزاج: ملاوٹ، ملنا۔

کے جواہر سے کھنچ کر خون میں شامل ہو جاتے، اور پھر خون سے یہ مخصوص اجزاء خُصیتین کی قوتِ جاذبہ سے منجذب ہو کر ان میں جمع ہوتے، اور ان کے غددی جوہر کی قوتِ مغیرہ (یا ہاضمہ) سے منی کی مخصوص صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

چنانچہ نفیس لکھتے ہیں:

"یہ قوت (مولدہ) اجزاء منی کی مختلف مزاجی کیفیات کو الگ الگ کرتی، اور پھر ان مختلف کیفیات کو، یعنی ان کیفیات کے مواد اور محل کو مختلف صورتوں سے ملا ملا کر ہر ہر عضو کے لحاظ سے منی کے تمام اجزاء میں خاص خاص مزاج تیار کر دیتی ہے۔" (کلیات نفیسی)

بقراط جیسے حکماء کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ منی کے بنانے میں والدین کے تمام اعضاء کے مرکبات (امشاج) حصہ لیتے ہیں؟

یہ خیال یہ دیکھ کر ہوا کہ منی سے جو نیا حیوان بنتا ہے، وہ ایسی شکل و صورت، اور ایسے خواص و شمائل کا حامل ہوتا ہے، کہ وہ اپنے والدین کی نوع کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر۔ اس میں اور اس کے سلف صورت میں ایک کُلّی مُتشابَہَت پائی جاتی ہے۔

اسی چیز کو سادہ الفاظ میں اس طرح بتایا جاتا ہے کہ

"آدمی کا بچہ آدمی ہوتا ہے"

"اور سانپ کا بچہ سانپ"

ایسے اقوال سے ہم اسی مشابہت کلی کی طرف اشارہ کیا کرتے ہیں جس میں وہ سارے بیرونی و اندرونی خواص آجاتے ہیں، جو بہ اختلاف مراتب ایک نوع حیوان کو دوسری نوع سے ممتاز کر دیتے ہیں۔

نطفہ گویا ایک چھوٹا موٹا آدمی ہے، جس میں ماں باپ کے سارے اعضاء موجود ہیں، گو وہ ہماری اِن کوتاہ نظروں سے دکھائی نہیں دیتے

لیکن لگا ہے اس کلی مشابہت کے علاوہ بچہ میں ماں باپ کے بعض جزئی خواص میں بھی اس طرح مشابہت پائی جاتی ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور بچہ کی اس خصوصیت کو دیکھکر بے اختیار اُس کے ماں باپ یاد آجاتے ہیں۔ مثلاً میں نے ایک خاندان کے کئی بچوں کو دیکھا کہ وہ کم و بیش ہکلے تھے، اور یہ ہکلاپن انھیں اُن کے باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔

اسی طرح بعض خاندانوں میں کچھ ایسی ممتاز خلقی خصوصیات پائی جاتی ہیں، کہ وہ اُس خاندان کے لئے ایک نشانی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

بعض بچہ کے جسم پر تل، مسّہ، یا داغ وغیرہ وہیں نمودار ہوتا ہے، جہاں اُس کے باپ یا ماں کے جسم پر وہ موجود ہے۔

قریب تر دوسری شکل

اس قسم کی مشابہت (کلی یا جزئی)، تو اُس وقت پائی جانی چاہیئے، جب ماں اور باپ دونوں ایک نوع سے ہوں۔ لیکن اگر دو نسلوں کی آمیزش سے کوئی جانور پیدا ہو، تو اُس وقت کیا ہوگا، اور مصورہ کون سی شکل پہنائے گی؟ اسی سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ والدین کی دونوں شکلیں پورے طور پر تو کسی طرح ایک بچہ میں حاصل ہی نہیں ہوسکتیں، اس لئے اِن دونوں نسلوں کی شکلوں کے درمیان جو شکل ممکن ہے، وہ بچہ میں حاصل ہوگی۔ یعنی بچہ کی شکل ماں باپ، دونوں کی شکلوں سے قریب تر ہوگی۔

منی کا بننا

منی خصیوں میں کس طرح تیار ہوتی ہے؟ فاضل نفیس لکھتے ہیں کہ:

"اُمشاج بدن سے منی خصیوں میں اس طرح تیار ہوتی ہے، جس طرح دودھ، خون کے مخصوص اجزاء سے، چھاتیوں میں تیار ہوتا ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ منی کو بہت سی باتوں میں دودھ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جس طرح ابوسہل نے دودھ کو خون سے تشبیہ دی ہے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ منی خون سے مُشابہ ہے، بلکہ ربّن طبری نے

تو کہا ہے کہ:

"منی پختہ خون (دموِ نضیج) ہے"

جس میں صداقت کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔

منی سے سارے اعضاء کیسے بنتے ہیں؟

ہم عیاناً دیکھتے ہیں کہ بیج سے پودا اُگتا ہے، اور انڈے سے پرندے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ہم یہ جواب دے کر اپنے جی کو بہلا لیا کرتے ہیں کہ

"اسی طرح انسان کے بیج (منی) سے انسان بنتا ہے"

جس کے معنی یہ ہیں کہ اسی جوہر سے سارے اعضاء بن جاتے ہیں۔ رات دن کا یہ مشاہدہ ہمیں اپنے دماغ پر زیادہ بار ڈالنے کی زحمت نہیں دیتا، ہم زیادہ غور نہیں کرتے اس لئے مذکورہ سوال زیادہ پیچیدہ نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات فطرت کے رازوں میں سے یہ ایک عظیم الشان راز سربستہ ہے، جس کو انسان اپنے علم کی کسی کلید سے اب تک کھول نہیں سکا۔

ایک حقیر ذرہ کا از خود تقسیم در تقسیم ہونا، پھر مختلف رنگ و قوام اور شکل و شباہت کے اعضاء میں ان کا تبدیل ہونا، اور پھر ان کا مختلف اوقات میں کام کرنا، سوچنے والوں کے لئے یہ کوئی معمولی عقدہ نہیں ہے کہ بہ آسانی حل ہو سکے۔

بس آسان یہ ہے کہ ہم ایسا ہوتا ہوا پاتے ہیں، اور ہمیشہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، ورنہ استدلال و برہان کی ٹانگیں یہاں لنگ ہیں۔

ایسے ہی مواقع پر انسان ضعیف البُنیان بے اختیار خالق برتر کو پکار اُٹھتا ہے۔ چنانچہ شیخ الرئیس "قوتِ مصوِّرہ" کی تعریف کرتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ حقیر نطفہ سے مختلف اعضاء کیسے بن جاتے ہیں، لکھتے ہیں:-

"رہی قوّتِ مُصَوِّرہ طابعہ (چھاپنے والی) تو یہ وہ قوت ہے

جس سے ــــ حسب فرمان خالق بزرگ و برتر ــــ اعضاء کی تخطیط (تمیز)، اُن کی تشکیل (شکل و صورت)، اُن کے جوف اور گڑھے، اُن کے سوراخ، اُن کی ملاست، اور خشونت (چکناہٹ اور کھردراہٹ)، ان کے اوضاع (کہ یہ کہاں رہیں، بیچ میں رہیں، یا کنارے میں)، ان کی باہمی مشارکت (عروق و اعصاب وغیرہ کے لحاظ سے)، الغرض وہ سارے کام جو اِن اعضاء کی مقدار و جسم کی نہایات (کناروں) سے متعلق ہیں، سب اسی قوت سے انجام پذیر ہوتے ہیں ؛ (قانون)

؎ اسی وجہ سے اس کا نام مُصَوِّرہ رکھا گیا ہے، جس کے معنی ہیں: صورت و شکل بنانے والی۔

تولیدِ جنین میں والدین کا حصّہ

استقرارِ نطفہ کے لئے ماں اور باپ، دونوں کے موادِ تولید کی ملاقات ضروری ہے۔ اس کے معنیٰ صاف ہیں کہ اعضائے جنین کے بنانے میں مرد و عورت دونوں کی منی حصّہ لیتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہر دو مواد کے جواہر و اجزاء میں ما بہ الامتیاز کیا کیا مزاج و ترکیب، اور کیا کیا خواص ہیں۔ اور باہمی آمیزش کے بعد وہ اجزاء کس طرح اپنے افعال انجام دیتے ہیں۔

قدرت کے اس قسم کے راز، باوجود کاوش و تحقیق کے، انسان پر اب تک نہیں کھلے ہیں، میرا خیال ہے کہ جس دن اس قسم کے عقدے حل ہو جائیں گے، وہ علم کا ایک بڑا دن ہوگا۔

ذیل میں شیخ کے حوالے سے ارسطو اور جالینوس کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، جن کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ

"مرد اور عورت دونوں کی منی جنین کے اعضاء کے بنانے میں شریک ہے، یعنی دونوں جواہر اس کے اجزاء ترکیبی ہیں۔"

اس سے علم کی پیاس نہیں بجھتی، اور نہ مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے

دونوں جواہر بچّہ کے اعضاء کے بنانے میں کیا کیا کام کرتے ہیں، یہ ایک وسیع عمل ہے، جو ہمارے جہل کی تاریکی میں روپوش ہے۔

ارسطو اور جالینوس کی رائے

"عورت اور مرد کی منی سے اعضاء کے بننے کی صورت کیا ہے؟"

"ارسطو کی تحقیق یہ ہے کہ اعضاء کے بنانے میں مرد کی منی اس طرح کام کرتی ہے، جس طرح پنیر (جُبن) کے بنانے میں اِنْفَحَہ (پنیر مایہ) کام کرتا ہے؛ اور اعضاء کے بنانے میں عورت کی منی اس طرح صرف ہوتی ہے، جس طرح پنیر کے بنانے میں دودھ صرف ہوتا ہے۔"

"یعنی جس طرح جمانے کی قوت (قُوّتِ عاقدہ) پنیر مایہ میں ہوتی ہے، اسی طرح عَقْدِ صورت (صورت بنانے اور جمانے) کی قوت مرد کی منی میں ہے (مرد کی منی میں قوّتِ فاعلہ یا مؤثرہ ہوتی ہے) — اور جس طرح جمنے کی قوت (قوتِ مُنعَقِدَہ) دودھ میں ہوتی ہے، اسی طرح انعقادِ صورت کی قوت، یعنی قوتِ منفعلہ (قوتِ متأثرہ) عورت کی منی میں ہے۔"

"علیٰ ہٰذا جس طرح پنیر مایہ اور دودھ دونوں پنیر کے جوہر کے اجزاء (ترکیبی) ہیں، یعنی پنیر دونوں کے ملنے سے بنتا ہے، اسی طرح عورت اور مرد، دونوں کی منی جوہرِ جنین کے اجزاء (ترکیبی) ہیں (اور دونوں کے ملنے سے جنین بنتا ہے)۔"

"لیکن جالینوس کی رائے اس سے مختلف ہے، وہ قائل ہے کہ زن و مرد، دونوں کی منی میں جس طرح قوتِ عاقدہ (جمانے والی قوت) ہوتی ہے اسی طرح عقد کی قبول کرنے والی قوت (قوت منعقدہ) بھی ہوتی ہے۔"

(قانون)

بچہ یا بچی کیسے پیدا ہوتے ہیں؛

علیٰ ہٰذا اس سوال کا بھی کوئی شافی جواب نہیں ہے، جس سے ایک محقق

زنانہ اعضائے تناسلیہ

رحم ، خصیۃ الرحم ، اور متعلقات

رحم
نازن
رحم
رحم
عنق الرحم
خصیۃ الرحم
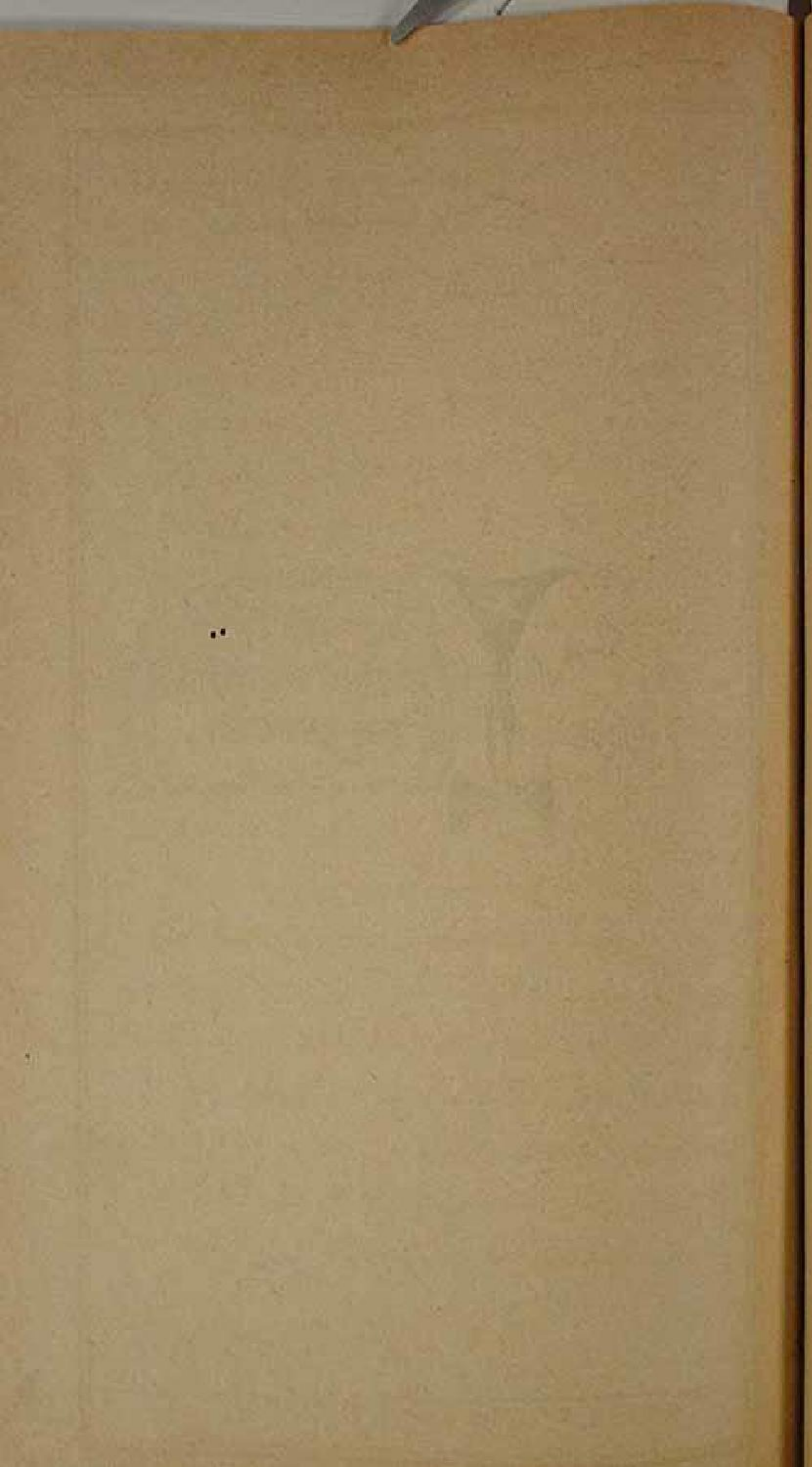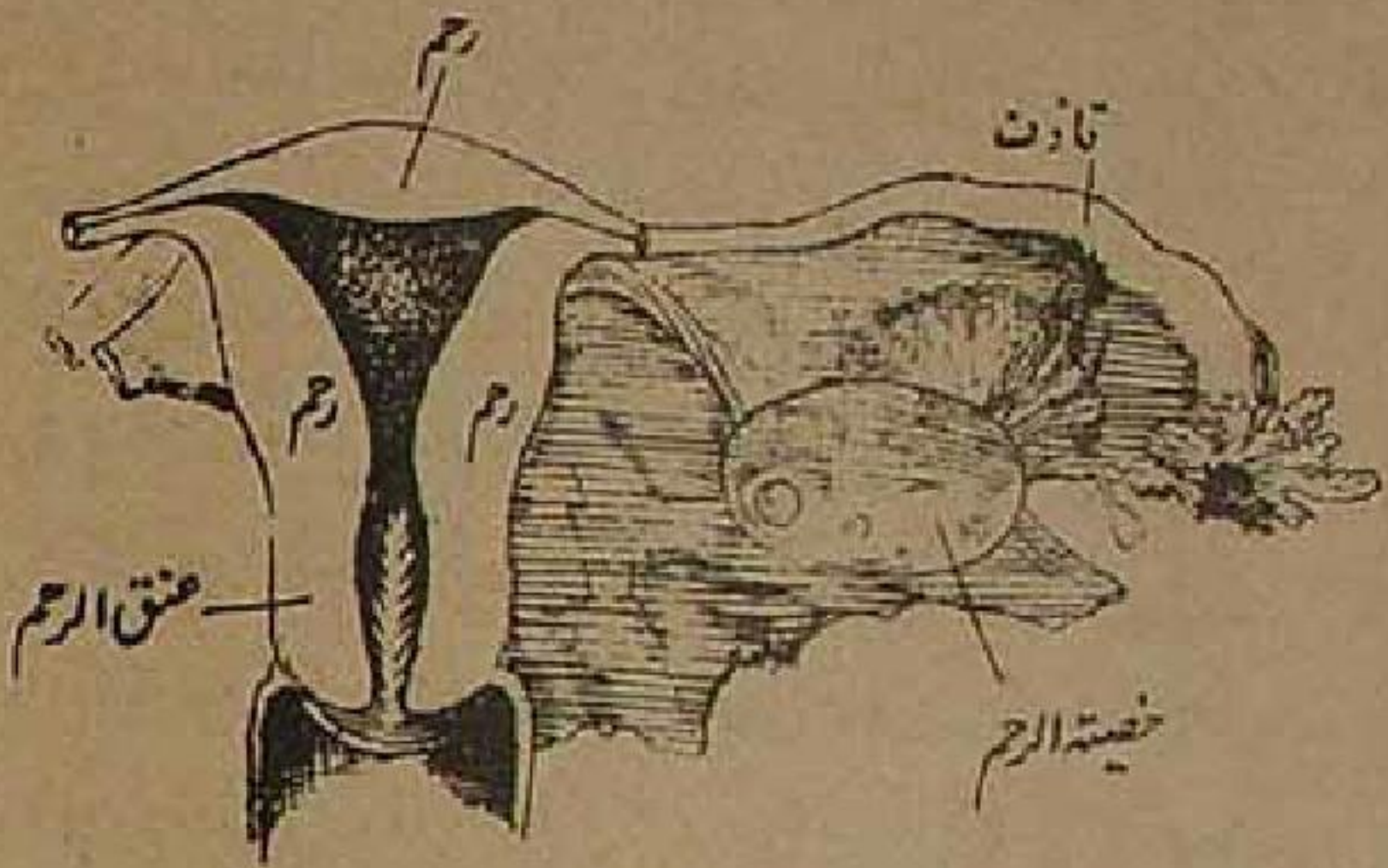
حقیقت کا ضمیر مطمئن ہو جائے، کہ نطفہ سے بچّہ کب اور کس طرح بنتا ہے، اور بچی کب، اور کس طرح. چنانچہ اب تک انسانی طاقت اس سے عاجز ہے کہ انڈے کے جواہر تناسلیہ کو کسی طرح دیکھکر یہ حکم لگا سکے کہ اس سے مرغا بنے گا، اور اس سے مرغی. چہ جائیکہ وہ انسانی تخم میں کچھ موشگافی کر سکے.

ایک اصطلاحی اختلاف

صاحب کامل، ابو سہل اور اکثر قدما نے قوت مولّدہ کی اصطلاح قوائے تناسلیہ کے لئے جنس کے طور پر استعمال کیا ہے جس میں وہ سارے قوٰے شامل ہو جاتے ہیں، جو تولیدِ نسل کے سلسلے میں کوئی کام کرتے ہیں. خواہ مادہ کا تیار کرنا ہو، یا شکل بنانا وغیرہ. اس لحاظ سے قوتِ مولدہ ایک عام قوت ہوئی، اور مصورہ وغیرہ اس کی قسمیں ہونگی

مگر شیخ اور قرشی وغیرہ نے قوتِ مولدہ کو قوتِ تناسلیہ کی ایک قسم قرار دیا ہے، جس سے وہ قوتِ مصورہ کی مقابل بن گئی ہے. یعنی اب وہ اور مصوّرہ دونوں برابر کی قسیم ہوگئیں، درانحالیکہ پہلی صورت میں مولدہ منقسم تھی. اور مصورہ اُس کی ایک قسم.

رحم میں بچّہ کون بناتا ہے؟

قوتِ مغیرۂ اُولیٰ، جو نطفہ میں تغیرات کا کام کرکے مختلف اعضاء کے لئے اُسے تیار کرتی ہے، اور مصوّرہ، یہ دونوں قوتیں انسانی تخم (نطفہ یا منی) میں ہوتی ہیں، اور رحم اُس کے لئے پرورش کی بے نظیر جگہ ہے، جو مناسب سامانِ غذاء وسامانِ روح وحرارت مہیا کرتا ہے. جس طرح یہ ساری قوتیں انڈے کے اندر پائی جاتی ہیں، اور مرغی اپنے پروں میں دبا کر اپنے جسم سے ایک مخصوص درجہ کی حرارت مہیا کرتی ہے (حضانت) جس سے بیس روز کے عرصہ میں چھلکے کے اندر بچہ بن کر تیار ہو جاتا، اور چھلکے کو پھاڑ کر نکل آتا ہے.

نباتات کے تخم میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے، جو زمین کے اندر مناسب ماحول اور مناسب وقت میں دبائے جاتے ہیں. مصنف (قرشی)

کا یہی خیال ہے، وہ شرح قانون میں لکھتے ہیں:
"قوتِ مغیّرہ اولیٰ اور مصوّرہ اُس نفس (جان) کی طرف سے آتی ہے
جو اُس شخص (جنین) کے جسم میں قدرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے"
یعنی قوتِ مغیّرہ اولیٰ اور مصوّرہ کو جنین کا نفس پیدا کرتا ہے، ۔
ماں باپ کے خصیئے، یا رحم سے اِن قوتوں کو کوئی لگاؤ نہیں۔ الغرض یہ دونوں
قوتیں نطفہ اور جنین کے اندر ذاتی طور پر پائی جاتی ہیں، ۔ کسی دوسری جگہ
سے نہیں آتیں۔ رحم کا کام بچہ کے لئے سامان فراہم کرنا ہے، اس کا کام
بچہ کا بنانا، اور ناک نقشہ تیار کرنا نہیں ہے۔

قوائے طبعیّہ خادمہ

جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، وغیرہ

غاذیہ کی خدمت

قوتِ غاذیہ کی خدمت چار قوتیں انجام دیتی ہیں:

(۱) **قوت جاذبہ**، جو مفید چیز (شئی نافع) یعنی غذا، کو جذب کرتی ہے؛

(۲) **قوّتِ ماسکہ**، جو غذا، کو اُس وقت تک روکے رکھتی ہے، جب تک قوت ہاضمہ اُسے ہضم کرتی رہے؛

(۳) **قوّت ہاضمہ**، جو غذا، کو ہضم کرتی ہے؛

(۴) **قوّتِ دافعہ**، جو فضلات کو دفع کرتی ہے؛

(قرشی)

غاذیہ کی خدمت کا مفہوم

مذکورہ قول کی شرح میں فاضل نفیس لکھتے ہیں:

"چونکہ قوتِ غاذیہ کا عمل اُس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ غذا (شئی نافع) مہیّا نہ کی جائے، اُسے ہضم نہ کیا جائے اور اس کے فضلات خارج نہ کئے جائیں؛ اس لئے قوتِ غاذیہ کو چار قوتوں کی خدمت کی ضرورت ہے:

"(۱) قوتِ جاذبہ، جو مفید چیز (شئی نافع: غذا) کو جذب کرتی ہے۔ (خواہ وہ بظاہر نافع ہو، یا حقیقت میں نافع ہو)۔

"قوتِ جاذبہ کی حاجت اس لئے ہے کہ بدن سے جو اجزا گھٹ جایا کرتے ہیں، قوت غاذیہ اُن کے عوض میں دوسرے اجزا کو قائم مقام بنادیا کرتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی سے یہ اجزا حاصل ہو سکتے ہیں، جو عوض و بدل بنتے ہیں؛ اور غذا ہر عضو کے ساتھ چپکی ہوئی نہیں رہتی، اور نہ ہر عضو تک خود بہ خود (اپنے قدموں سے چل کر) پہونچا کرتی ہے، اس لئے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے، جو غذا کو اعضا تک کھینچ کر پہونچا دیا کرے۔" (جاذبہ: کھینچنے والی)۔

"(۲) قوتِ ماسکہ کی حاجت اس وجہ سے ہے کہ قوتِ جاذبہ جو سامان جذب کرکے لاتی ہے، وہ چونکہ اعضا کے جوہر کے مشابہ نہیں ہوتا، اس لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ سامان تغیر و استحالہ کے بعد جوہر اعضا کے مشابہ ہوجائے۔ اور یہ تغیر و استحالہ (جو غذا میں پیدا حاصل ہوگا)، ایک قسم کی حرکت[1] ہے۔ اور ہر حرکت کے لئے کچھ زمانہ اور مدت درکار ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے، جو اتنی مدت تک اُس کو قوتِ ہاضمہ کے پاس روکے رکھے، جب تک کہ یہ متغیر ہو کر (ہضم ہو کر) عضو مغتذی کے مشابہ نہ ہو جائے۔"

"(۳) قوتِ ہاضمہ کی حاجت اس غرض کے لئے ہے کہ وہ غذا میں تغیر و استحالہ پیدا کرے۔ یعنی اعضا میں جو غذا پہونچتی ہے

[1] "ایک اَینی اور کیفی حرکت ہے"؛ اصل عبارت نفیس۔

وہ چونکہ (ہر لحاظ سے) اعضاء کے مشابہ نہیں ہوتی ہے، اس لئے قوت ہاضمہ ہضم و تغیر کے بعد اُس میں ایسا قوام بنا دیتی ہے، جس سے وہ قوت مغیرہ کے فعل کے لائق ہو جاتی ہے؛ اور ایسا مزاج پیدا کر دیتی ہے، جس سے وہ بالفعل غذا بننے، اور جزء عضو ہونے کے قابل ہو جاتی ہے۔"

"(۴) قوّت دافعہ کی حاجت اس لئے ہے کہ غذاء کے سارے اجزاء عضو مغتذی کے (کُلّیۃً) مشابہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ غذا، کی نوع عضو مغتذی کی نوع سے مختلف ہوتی ہے۔ (دونوں کی صورت نوعیہ اور ماہیت جداگانہ ہوتی ہے)، اس لئے ہر ہضم کے وقت کچھ نہ کچھ فضلہ ضرور بچتا ہے، جو اگر بدن میں قائم رہے، تو مختلف وجوہ سے باعث ضرر بن جائے:

(۱) ہر کان میں تنگی پیدا کر کے اُس عضو میں دوسری غذا کی آمد کو روک دے۔

(۲) متعفن ہو کر عفونت کے امراض پیدا کر دے۔

(۳) سوء مزاج کا باعث بن جائے۔

(۴) امتلاء کے امراض پیدا کر دے۔

(۵) اعضاء میں بوجھ پیدا کر دے۔

(۶) حرارت (حرارت غریزیہ) کو دبا کر بجھا دے۔

اِن وجوہ سے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے، جو فضلات کو خارج کر دیا کرے۔"

(نفیس)

یہ چاروں قوٰی کیا غاذیہ کے خوادم ہیں؟

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ یہ چاروں قوتیں (جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ) آیا قوت غاذیہ کے خادم ہیں، — یا قوت غاذیہ کے اجزاء؟

جواب: گو اطباء کی تعبیر میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض نے انھیں

خواد م کے نام سے ذکر کیا ہے، اور بعض نے انھیں غاذیہ کے اقسام میں داخل کیا ہے۔ لیکن میں نے جہاں تک غور کیا، مجھے اُن لوگوں کا بیان زیادہ پسند آیا، جنھوں نے اِن چاروں قُویٰ کو غاذیہ کے اقسام (اجزار) بتائے ہیں، جن میں ابوسھل مسیحی بھی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"قُوائے طبیعیہ تین ہیں، غاذیہ — مُرَبِّیَہ (نامیہ) — مُوَلِّدَہ"

"قوتِ غاذیہ چار ہیں:

"(۱) جَاذِبَہ: یہ وہ قوت ہے، جو غذا کو نفسِ عضو کی طرف کھینچتی ہے، (جس میں یہ قوت موجود ہوتی ہے)"

"(۲) مَاسِکَہ: یہ وہ قوت ہے، جو غذا کو ہضم ہونے سے پہلے (ہضم ہونے تک) اُس عضو میں روکے رکھتی ہے، تاکہ وہ بہنے نہ پائے — اور ہضم ہونے کے بعد (تشبیہ کے بعد) بھی اُسے وہاں روکے رکھتی ہے، تاکہ عضو سے جدا نہ ہونے پائے (حتیٰ کہ قوتِ ملصقہ اس کو عضو کے ساتھ چپکا دے)"

"(۳) ھَاضِمَہ: یہ وہ قوت ہے، جو غذا میں تغیر و انقلاب پیدا کرکے اُسے عضوِ متغذی کے مشابہ بنا دیتی ہے (تشبیہ)"

"(۴) دَافِعَہ: یہ وہ قوت ہے، جو اُن فضلات کو دفع کرتی اور بدن سے نکال دیتی ہے، جو اس غذا سے (ہضم و تغیر کے بعد) بچ رہتے ہیں: اور جو ہضم نہیں ہو سکتے (یعنی جن میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی، کہ وہ ہضم و تغیر کو قبول کرکے جزوِ بدن کے مشابہ ہو جائیں) علیٰ ہذا یہ قوت اُن فضلات کو بھی دور کرتی ہے، جو دوسری جگہ سے اس عضو کی طرف آجاتے ہیں"

(کتاب ۵۰، جلد مسیحی)

صاحب مئۃ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ قوتِ غاذیہ کے افعال کا اگر تجزیہ کیا جائے، تو اِن ہی مذکورہ چاروں قُویٰ کے ذیل میں وہ آجاتے

ہیں، اس لئے ان چاروں کو غاذیہ کے خوادم کی بجائے اگر انہیں اس کے
اَجزاء و اَقسام شمار کیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے۔

علاوہ ازیں قوتِ غاذیہ کے بیان میں آچکا ہے کہ:

"غاذیہ کے تین کام ہیں:

(۱) تحصیل (بدل مایتحلل کا حاصل کرنا)۔

(۲) اِلصاق (جوہرِ عضو کے ساتھ غذاء کا چپکا دینا)۔

(۳) تشبیہ (غذاء وارد کو ہضم و تغیّر کے بعد جوہرِ عضو کے مشابہ بنا دینا)"

مذکورہ چاروں قوتیں جو کچھ کرتی ہیں، اگر غور کیا جائے، تو ان سے یہی تینوں کام حاصل ہوتے ہیں: جاذبہ کے بغیر تحصیل محال ہے، اور ہاضمہ کے بغیر تشبیہ غیر ممکن۔ وعلیٰ ہذا اگر قوتِ دافعہ کام نہ کرے، اور فضلات وہاں جمع رہیں تو الصاق اور تشبیہ دونوں متأثر ہوجائیں؛ کیونکہ جوہرِ اعضاء کے مقابلہ میں فضلات کی حیثیت ایک جسمِ غریب کی ہوگی، اس لئے نہ وہ مشابہ ہونگے، اور نہ جوہرِ اعضاء کی اصلی ساخت میں داخل ہوکر اچھی طرح چپک سکیں گے۔

رہی ماسکہ، تو یہ بدیہی ہے کہ اس کے بغیر قوتِ ہاضمہ اپنا کام ہی نہیں کرسکتی، کیونکہ جس مادہ میں اُس کا عمل ہوتا ہے، اگر قوتِ ماسکہ کی گرفت میں وہ نہ رہا، تو قوتِ ہاضمہ کس مادہ میں تغیر و ہضم کا کام کرے گی۔

ہاضمہ کے خوادم ان چاروں قوائے میں باہمی کیا رشتہ ہے؟ اس پر صاحبِ کامل نے روشنی ڈالی ہے، جو بہت حد تک درست ہے کہ

"ان میں قوت ہاضمہ کی حیثیت ایک اورسرآقا کی ہے؛ اور باقی تینوں قوٰی (جاذبہ، ماسکہ، اور دافعہ) خادم کا مرتبہ رکھتے ہیں"

یہ ظاہر ہے کہ قوتِ غاذیہ کا اصلی کام غذاء میں تغیرات پیدا کرکے اُسے جوہرِ عضو میں جوڑ دینا ہے؛ — اور یہ کام قوتِ مغیّرہ سے حاصل ہوتا ہے جس کا دوسرا نام ہاضمہ ہے۔

اس کے بعد یہ بھی بدیہی ہے کہ تغیّر کا یہ کام مفید اور کارآمد مادہ ہی میں

ہو سکتا ہے، جس کو قوتِ جاذبہ اگر حاصل کرتی ہے، تو قوتِ ماسکہ تا اختتام عملِ ہضم، اُسے روکے رکھتی ہے۔ پھر جب قوتِ ہاضمہ کا کام اختتام کو پہونچ جاتا ہے، تو جاروب کشی اور صفائی کا کام قوتِ دافعہ کرکے اُس مقام کو پاک کردیتی ہے، تاکہ نئے مادّے میں نئے سرے سے پھر اُسی قسم کا ضروری سامان تیار ہو، جس کی ضرورت کم و بیش ہر وقت جاری رہتی ہے!

قوّتِ جاذبہ اور عملِ انجذاب

شیخ الرئیس کا قول ہے کہ

"رطوبات کے جذب ہونے کا عمل کئی طور پر ہوتا ہے:

"(۱) گاہے کسی قوتِ جاذبہ کے ذریعہ سے یہ عمل پُورا ہوتا ہے، جس طرح مقناطیس کی قوتِ جاذبہ لوہے کو کھینچ لیا کرتی ہے۔"

اعضاء کے جوہر اپنے ماحول کی رطوبات سے مخصوص اجزاء کو منتخب کرکے جذب کرلیا کرتے ہیں، اُن کے اس عمل کو مقناطیس کی طبعی قوت جاذبہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

"(۲) گاہے ضرورتِ خلاء کی وجہ سے مواد کھنچ جایا کرتے ہیں، جس طرح پچکاریوں (زرّاقات) میں پانی کھنچ جایا کرتا ہے۔"

یا جس طرح انابیب (نلکیوں) میں رطوبات چڑھ جایا کرتی ہیں، جب اِن کا ایک سرا کسی سیال میں ڈال دیا جائے، اور دوسرا منھ میں ہو، جس کو چُوسا جائے۔

خلاء چونکہ طبعاً محال ہے، اور طبیعت و فطرت خالی ظروف کو ہر ممکن تدبیر سے بھرنے کی کوشش کرتی ہے، اس لئے خلاء رطوبات وغیرہ کو بزور اپنی طرف کھینچ لیا کرتی ہے۔

"(۳) گاہے حرارت کی وجہ سے رطوبات منجذب ہوجایا کرتی ہیں، جس طرح چراغ (کی بتی) میں تیل کھنچا کرتا ہے۔" (قانون)

اس کے بعد شیخ اس قسم اخیر پر نظرِ تحقیق ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ گو یہ بظاہر ایک الگ صورت معلوم ہوتی ہے اگر نظرِ امعان سے دیکھا جائے، تو یہ بھی خلاء کی صورت میں داخل ہو جائے گی:

"اگرچہ یہ قسم اخیر بھی محققین کے نزدیک "ضرورتِ خلاء" ہی کی طرف لوٹ جاتی ہے، بلکہ دونوں فی الحقیقت ایک ہی ہیں۔"

جذبِ غذاء میں عملِ انتخاب

صاحبِ کامل یہ بتانے کے بعد کہ چار میں سے تین قوتیں (جاذبہ، ماسکہ، دافعہ) قوتِ ہاضمہ کے لئے گویا خادم ہیں، لکھتے ہیں:

"طبیعت مدبّرِ بدن نے عضو کے اندر قوتِ جاذبہ کو اس لئے مہیا کیا ہے کہ وہ عضو کی طرف غذاء کے ایسے اجزاء کو (منتخب کرکے) جذب کرے، جو اس عضو کے جوہر کے مشابہ اور مناسب ہوں؛ پھر اس عضو کی قوتِ مغیرہ ان اجزاء (میں تغیرات و استحالات پیدا کرکے ان) کو جوہرِ اعضاء کے مشابہ بنا دیتی اور اس کے ساتھ چپکا دیتی ہے۔"

ہمارے اعضاء میں یہ عمل اُسی طرح انجام پاتا ہے، جیسا کہ نباتات میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"جیسا کہ نباتات میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی زمین میں مختلف پودے بوئے جاتے ہیں، اور ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے، (حالانکہ سب کی خوشبو جداگانہ ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ) ان میں سے ہر پودا اپنی مخصوص قوتِ جاذبہ کے ذریعہ زمین اور پانی سے محض اُن ہی اجزاء کو جذب کرتا ہے، جو اُس کے مناسب و مشابہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان جذب شدہ اجزاء کو قوتِ مغیرہ (مناسب تبدیلیاں پیدا کرکے) اس عضو کے جوہر کے مماثل بنا دیتی ہے۔"

"اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم کاشتکاروں کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کسی زمین شور کی اصلاح کرنی چاہتے ہیں، تو وہاں وہ بار بار چقندر کی کاشت کرتے ہیں جس سے زمین بہتر ہو جاتی اور اس کی شوریت دور ہو جاتی ہے۔"

"شوریت کے زائل ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چقندر کی طبیعت میں مُلُوحَت (شوریت) پائی جاتی ہے، اس لئے زمین سے وہ ایسے اجزاء جذب کرتا ہے، جو اس کی طبیعت کے مشابہ ہیں۔ یعنی شور اجزاء (جَوہرِ مَالِح)"

"اسی طرح سارے نباتات زمین سے ایسے مواد جذب کرتے ہیں، جو ان کی طبیعت (ترکیبِ جوہری) کے مناسب ہوتے ہیں۔ مثلاً حُمَّاض (چوکا) اور مخُوفه زمین سے اپنی قوتِ جاذبہ کے ذریعہ ترش جوہر (کے سامان و مواد) جذب کرتے ہیں:"

"یہی اُصول ہمارے جسم کے ہر حصہ میں جاری ہے: یعنی بدن کا ہر حصّہ اپنی اپنی قوتِ جاذبہ کے ذریعہ خون کے وسیع خوانِ نعمت سے غذا کے اُن ہی اجزاء کو جذب کرتا ہے، جو ان کے لئے مناسب و مشابہ ہوتے ہیں۔ پھر قوتِ مغیرہ ان میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرکے اُس عضو کی طبیعت (قوام و مزاج) میں منقلب کر لیتی، اور اُس کے مشابہ بنا دیتی ہے:" (کامل الصناعہ)

یہی انتخابی قوت ہے، جس سے ہڈی میں سختی آتی ہے، اور دماغ میں نرمی — قرنیہ میں شفافیت حاصل ہوتی ہے، تو صلبیہ میں کثافت — بعض اعضاء میں روغن زیادہ ہوتا ہے، تو بعض میں نمک — بعض اعضاء سفید ہوتے ہیں، تو بعض سرخ — بعض مستحکم ہیں، تو بعض بھُر بھُرے اور پھُسپھُسے۔

مزہ کے بارے میں بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے، اسی معنے سے کہا جاتا ہے کہ ہر عضو مفرد کا مزاج دوسرے سے جداگانہ ہے، اسی لئے اس کے خواص بھی دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں

قوتِ ہاضمہ اور انہضام

قوت ہاضمہ کا عمل فضول میں

قوتِ ہاضمہ کا جو فعل اوپر بتایا گیا ہے کہ وہ غذا میں تغیر پیدا کرکے ایسا قوام اور ایسا مزاج پیدا کر دیتی ہے کہ وہ جوہر

اعضاء میں تبدیل ہونے کے لائق ہو جاتی ہے، اس کا یہ فعل تو (بقول شیخ) نافع (مادۂ مفیدہ) میں ہوا کرتا ہے، جسے ھضم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

رہا قوتِ ہاضمہ کا وہ عمل جو فضلات میں ہوتا ہے، تو وہ یہ ہے کہ اگر ہاضمہ کے امکان میں ہو (اور اس کا بس چلے) تو ان فضلات کو بھی (بہ لحاظ مزاج و قوام) اسی ہیئت مذکورہ میں تبدیل کردے۔ (اور تغذیۂ بدن کے کام میں انھیں لے آئے)۔ اس کے اس عمل کو بھی ھضم ہی کہا جاتا ہے۔

ہضم و نضج اور اگر قوت ہاضمہ ایسے کارآمد تغیر پر قادر نہ ہو، اور فضلات کی اصلاح کرکے انھیں جزء بدن میں صرف نہ کرسکے، تو اس وقت قوت ہاضمہ کا فریضہ یہ ہے کہ وہ فضلات میں اس قسم کا تغیر پیدا کرے، کہ وہ بدن انسان سے بہ سہولت خارج ہوسکیں (جیسا کہ پیپ بننے کی صورت میں ہوا کرتا ہے)۔

قوتِ ہاضمہ کا یہ عمل اِنضَاج (پکانا) کہلاتا ہے، اگرچہ گاہے ھضم اور اِنضاج دونوں بہ طورِ مرادف بولے جاتے ہیں۔ (شیخ)

لیکن جب قوتِ ہاضمہ (مغیرہ) نہ فضلہ کی اصلاح پر قادر ہوتی ہے، کہ وہ تغذیہ میں کام آجائے، اور نہ پیپ کی طرح اس کے پکانے، اور جسم سے خارج کرنے پر، تو اسے اس طرح گھیر لیتی ہے کہ اس کا فساد دوسرے اعضاء تک نہ پہنچنے پائے، جیسا کہ تحجر و صلابات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، جو ورمِ حار کا تیسرا انجام ہے۔

ہضم و تعفین کا تشابہ

ربن طبری نے لکھا ہے،

ہضم عفونت کی ایک قسم ہے۔	اَلہضمُ ضَربٌ مِنَ العَفَنِ۔

یعنی عمل انہضام میں جو تغیرات ہوتے ہیں، وہ بہ لحاظ نوعیت اُن تغیرات سے مشابہ ہوتے ہیں، جو عفونتِ مواد میں پائے جاتے ہیں۔
علی ہٰذا عمل ہضم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو اس کے لئے شرائط کہلاتے ہیں، یہ وہی چیزیں ہیں، جن کی ضرورت عملِ تعفین میں پڑتی ہے — مثلاً مناسب درجہ کی حرارت و رطوبت، وغیرہ۔
اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ منہ کی رطوبت ہاضمہ، اور معدہ و امعار کی رطوبات ہاضمہ اجزار غذائیہ میں اُسی طرح عمل کرتی ہیں، جس طرح بیرونی اجسامِ ارضیہ خبیثہ سڑنے والی چیزوں میں عمل کرتے ہیں۔
کسی بوٹی یا رباط کے ٹکڑے کو اگر کسی مناسب مقام میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا جائے، تو پہلے اس کے بیرونی ریشے منحل ہوتے ہیں، اس کے بعد بتدریج یہ عمل اندر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی صورت عملِ ہضم میں واقع ہوتی ہے۔

ہضم کی قسمیں

یوں تو ہضم کی بہت سی اقسام ہیں، یعنی منہ میں غذار کے داخل ہونے سے جو ہر اعضار میں تبدیل ہونے تک اس پر ہضم و تغیر کے بیشمار مراحل گزرتے ہیں، جو حیطۂ علم انسانی میں نہیں آسکتے، مگر ان کو تسہیلی طور پر بہ لحاظ مقام تین یا چار حصّوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، جیسا کہ "غذار کے تغیرات" کے عنوان میں بتایا گیا ہے:
پہلے ہضم کے افعال نسبتہً واضح ہیں، اور باقی ہضوم و تغیرات کی نوعیت عمل اندھیرے میں، اس لئے پہلے ہضم کے حالات مختصراً یہاں درج کئے جاتے ہیں:

پہلا ہضم (ہضم معدی):

ہضم معدی کے لفظ سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ اس سے

محض معدہ کے تغیرات مراد ہیں، بلکہ اس میں معدہ اور آنتوں کے علاوہ وہ تغیرات بھی داخل ہیں، جو منھ میں واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مِئۃ کہتے ہیں :-

ہضم کی ابتداء منھ سے

"غذا میں ایک قسم کا تغیر منھ میں ہوتا ہے۔ اس ہضم کی صورت یہ ہے کہ غذا منھ (کی سطح) سے ملاقی ہوتی ہے، اور منھ کی رطوبتیں (جن میں ہضم و تغیر کی قوت ہوتی ہے) غذا کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہیں۔" (کتاب ۸، مِئۃ مسیحی)

علیٰ ہذا شیخ لکھتے ہیں :

"غذا چبانے سے کسی قدر ہضم ہو جایا کرتی ہے، کیونکہ منھ کی سطح معدہ کی سطح سے متصل ہے، بلکہ (ہاضم ہونے کے لحاظ سے) گویا یہ دونوں ایک ہی سطح ہیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں :

"جب منھ کی سطح سے چبائی ہوئی غذا ملتی ہے، تو منھ کی سطح اُس میں کسی قدر استحالہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس ہضم پر وہ رِیق (تھوک) امداد کرتا ہے، جس نے اپنے مخصوص نُضج کی وجہ سے، جو اس میں واقع ہوا ہے، ایک طبعی حرارت (اور مخصوص کیفیت و مزاج) حاصل کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دَماميل اور پھوڑوں کے پکانے میں حِنطَہ مَمضُوغَہ (چبایا ہوا گیہوں) جو کام کرتا ہے، وہ پیسا ہوا، اور پانی سے تر کیا ہوا، اور پکایا ہوا گیہوں نہیں کرتا۔"

نیز شیخ موصوف لکھتے ہیں :-

"اطباء کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کہ چبائی ہوئی غذا میں کچھ ہضم و نُضج شروع ہو چکا، یہ ہے کہ اس میں نہ پہلا مزہ باقی رہتا ہے، اور نہ پہلی بو۔" (قانون)

ہضم معدی

پھر جب غذا معدہ میں پہنچ جاتی ہے، تو وہاں (معدہ کا

محصوص ہضم پورا ہوجاتا ہے۔" (شیخ)

معدہ کیونکر اپنی خدمتِ ہضم انجام دیتا ہے ؟

اس میں متعدد چیزیں اثر و دخل رکھتی ہیں:

حرارت ، رطوبت ، دوری حرکت

معدہ کی مخصوص رطوبت (رطوبت معدیہ)

چنانچہ ابو سھل مسیحی کہتے ہیں:

"معدہ کے اندر کوئی چیز اس طرح نہیں پکتی، جس طرح گوشت تنور میں، یا آگ پر (شدتِ حرارت سے) پک جاتا ہے۔ کیونکہ معدہ میں جو حرارت بالفعل پائی جاتی ہے، اُس کا پکانا اور گلانا تو کجا، کسی چیز کو (اچھی طرح) گرم بھی نہیں کر سکتی۔"

یعنی معدہ کی حرارت تنور اور بیرونی آگ کی طرح بہت زیادہ شدید نہیں ہوتی، کہ گوشت کو محض گرمی سے گلا سکے، جیساکہ تنور میں، اور بیرونی آگ میں دیکھا جاتا ہے۔

"چنانچہ معدہ میں غذا، (بیرونی ہانڈی کی طرح) نہ جوش کھاتی ہے اور نہ (کباب کی طرح) بھنتی ہے، بلکہ معدہ کے ہضم و تغیر کی نوعیت اس قسم کی ہوتی ہے، جس میں کسی چیز کا جوہر متغیر ہو کر دوسرے جوہر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ (جس کو استحالہ حقیقیہ کہا جاتا ہے، اور جس کا بہترین مشاہدہ اعمال تخمیر و تعفین میں کیا جاتا ہے)"۔

"یہی وجہ ہے کہ مختلف الجواہر اغذیہ سے (ہضم معدہ کے نتیجے میں) ایک ایسا عصارہ حاصل ہوتا ہے، جس کے اجزاء (بہ ظاہر) یکساں ہوتے ہیں (یعنی کیلوس)، مگر اُن ساری غذاؤں سے جن سے وہ حاصل ہوتا ہے (بہ لحاظ خواص) مختلف ہوتا ہے۔" (مئۃ)

یعنی اصلی غذاؤں کے خواص (بو، مزہ، قوام وغیرہ) ہضم کے عمل سے بدل جاتے ہیں، اس لئے ان سے خلاصۂ غذا، جو حاصل ہوتا ہے، اُس کے خواص اصلی غذاؤں سے بدل جاتے ہیں، اسی کا نام انقلاب جوہری، اور استحالہ حقیقیہ ہے۔

حرارتِ معدیہ

"بہر حال وہ قوت جو ان غذاؤں سے یہ خلاصہ (کیلوس) تیار کرتی ہے، وہ حرارت غریزیہ اور رطوبت (رطوبۃ هاضمة) ہی کے توسط سے تیار کرتی ہے۔" (ہندہ مسیحی۔ کتاب شفا)

رطوبت معدیہ اور حنین

حُنین بن اسحٰق نے رطوبت معدیہ کا نام، جو ترش ہوتی ہے، حُموضتِ معدہ رکھا ہے اور اس کے وظائف میں بتایا ہے کہ وہ خواہش طعام کا ذریعہ بنتی ہے (لہ)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس رطوبت کے دیگر خواص (ہضم و انضاج) کی وہ تردید کرتا ہے۔

حرکتِ دودیہ

قدماء کے تجربات و مشاہدات نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہضم معدی کی تکمیل میں، وہ دورانی حرکت بھی معاون ہوتی ہے، جو معدہ کے الیاف عضلیہ سے پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے غذاء معدہ کے اندر عجیب نظام کے ساتھ گھومتی رہتی، اور غذاء کے اجزاء رطوبات معدیہ سے مخلوط ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ علی حسین گیلانی (شارح قانون) لکھتے ہیں:

"ہضم غذاء کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ معدہ غذاء کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے کر اُسے اس طرح پھرائے کہ اُس میں (معدہ کے اندر) حرکت دُودیہ کی سی حرکت واقع ہو۔ اور اپنی رطوبت ہاضمہ و حرارت غریزیہ کی امداد سے اُسے پکائے، اور اُس کے سارے اجزاء کو باریک کر کے ایسا بنائے، گویا کہ وہ سارے کا سارا ایک جوہر ہے، تاکہ اُن سارے اجزاء میں ایک ساتھ عملِ ہضم جاری رہے۔" (لہ)

لہ علم الادویہ، نفیسی، خواص زعفران۔

لہ جامع الشرحین، جلد دوم، فصل سابع، تدبیر ماکول، صفحہ ۳۳۰)

معدہ کی حرکتِ دوریہ
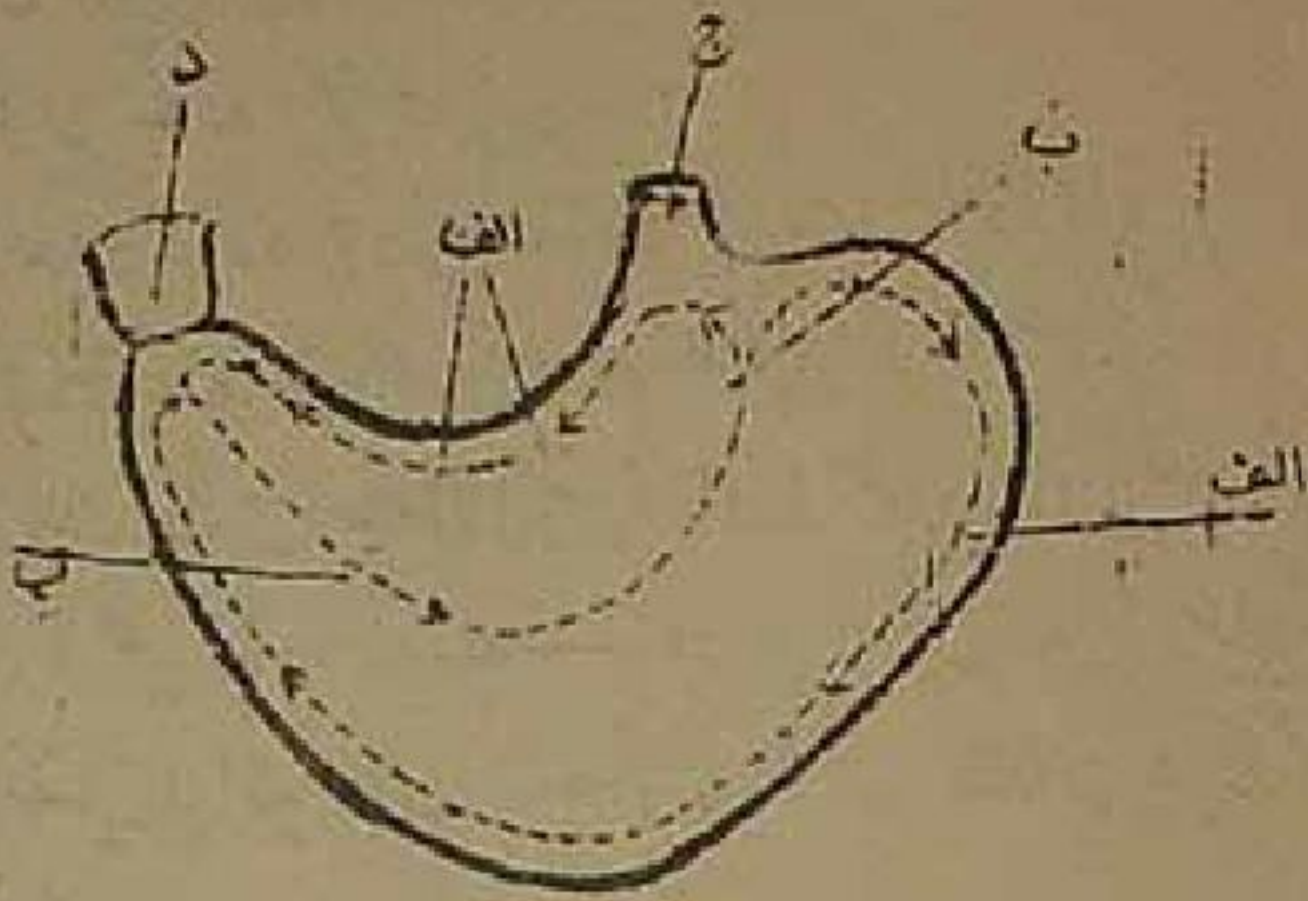
ج: فمِ معدہ ذ: اثنا عشری۔

الف۔ الف: محیطی رفتار جو اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ معدہ غذا کو بواب کی طرف ڈھکیلتا ہے، اور جب بواب بند ہوتا ہے، تو وہ ب کی طرف مڑ جاتی ہے، جو مرکزی یا محوری رفتار ہے، جو فمِ معدہ سے بواب تک واقع ہے۔

ہضمِ معوی (آنتوں کا ہضم)

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہضمِ اوّل کا نام "ہضمِ معدی" رکھا گیا ہے، اور اس میں وہ تمام تغیرات شامل ہیں، جو منھ سے شروع ہو کر آخری آنت پر ختم ہوتے ہیں، یعنی مدخلِ غذاء سے مخرجِ براز تک۔

قدماء اکثر اوقات معدہ کی اصطلاح ایک وسیع مفہوم میں استعمال کیا کرتے ہیں، جس میں آنتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح اَمعاء کی اصطلاح بھی وسیع مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے، جس میں چھ آنتوں کے علاوہ معدہ بھی داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ علی گیلانی نے اس طرف رہبری کی ہے (۱)

قدماء نے یہ بھی بتایا ہے کہ "معدہ و امعاء، دونوں بہ لحاظِ ترکیب و ساخت

(۱) جامع الشریعین، جلد اول، صفحہ (۱۴۵)

ایک دوسرے سے متشابہ ہیں۔"

اس لئے ان دونوں کے افعال و اعمال میں بھی تشابُہ پایا جاتا ہے۔

آنتوں کے دو اہم کام ہیں:

(۱) خلاصۂ غذار کا عروق مصاصہ (جاذبہ) میں نفوذ کرانا۔

(۲) جو اجزار غذائیہ معدہ میں ہضم نہ ہو سکیں اُن کا ہضم کرنا۔

جملہ چھ امعار میں سے بالائی تین آنتوں (امعار دقاق) میں انہضامِ غذار اور انجذاب کا عمل زیادہ ہوتا ہے —— اور زیریں تین امعار (امعار غلاظ) میں کیفیت فضلیہ (برازیہ) غالب ہو جاتی ہے، اس لئے ان کا بڑا کام دفعِ فضلہ سے وابستہ ہے۔

انجذاب کیلوس

ابو سہل مسیحی لکھتے ہیں:

"عصارۂ غذار (خلاصۂ غذار: کیلوس) جو معدہ سے جگر تک آتا ہے وہ اس عصارہ سے بہت ہی کم ہوتا ہے، جو آنتوں سے آتا ہے —— کیونکہ جَدَاوِل (ماساریقا) جو امعار سے متصل ہیں، وہ ان جَدَاوِل سے بہت زیادہ ہیں، جو معدہ سے اتصال رکھتی ہیں۔" (رمتّة)

اس تصریح سے ظاہر ہے کہ امعار میں بمقابلہ معدہ کے قوتِ انجذاب زیادہ ہے۔

انصباب صفرار

چھوٹی آنتوں میں سے پہلی آنت (اثنا عشری) میں صفرار آکر گرتا ہے، اور بحث اخلاط میں بتایا جا چکا ہے کہ صفرار کے افعال آنتوں میں متعدد ہیں:

(۱) ہضم میں امداد کرنا۔

(۲) قوتِ دافعہ کو حرکت میں لانا۔

(۳) انجذابِ غذار میں امداد کرنا۔ وغیرہ ——

معدہ اور امعار میں باہمی تشابہ

(۱) جس طرح معدہ کے اہم طبقات دو ہیں: ایک طبقۂ ہاضمہ یا سطح ہاضم، اور دوسرا طبقۂ عضلیہ لیفیہ، جس سے معدہ کے اندر غذار حرکتِ دوریہ کرتی ہے۔ —— اسی طرح امعار کے طبقات

مجرائے غذائی

حلق
مری
معدہ
قولون
قولون
اثنا عشری
صائم
اعور
دقیق
مستقیم
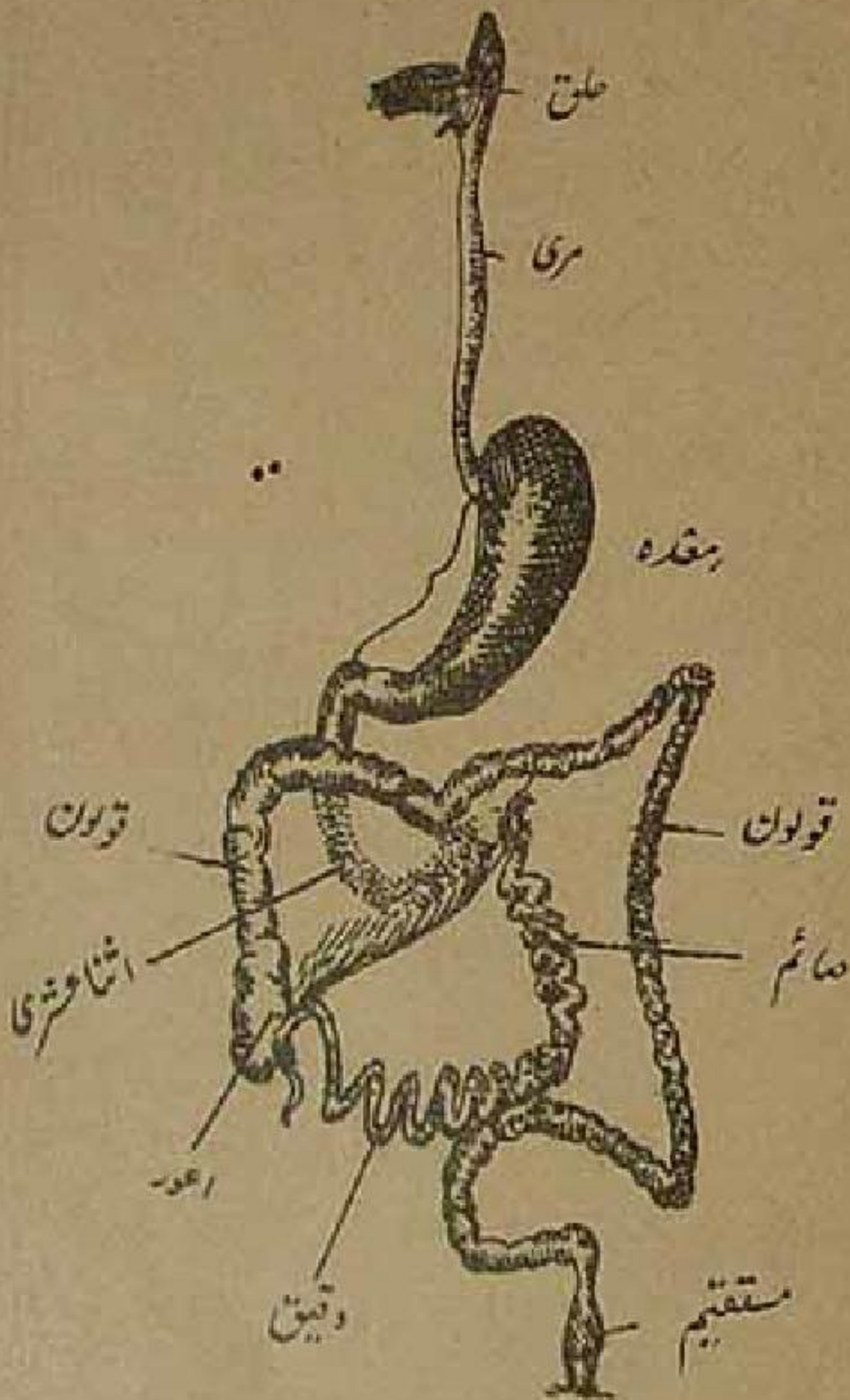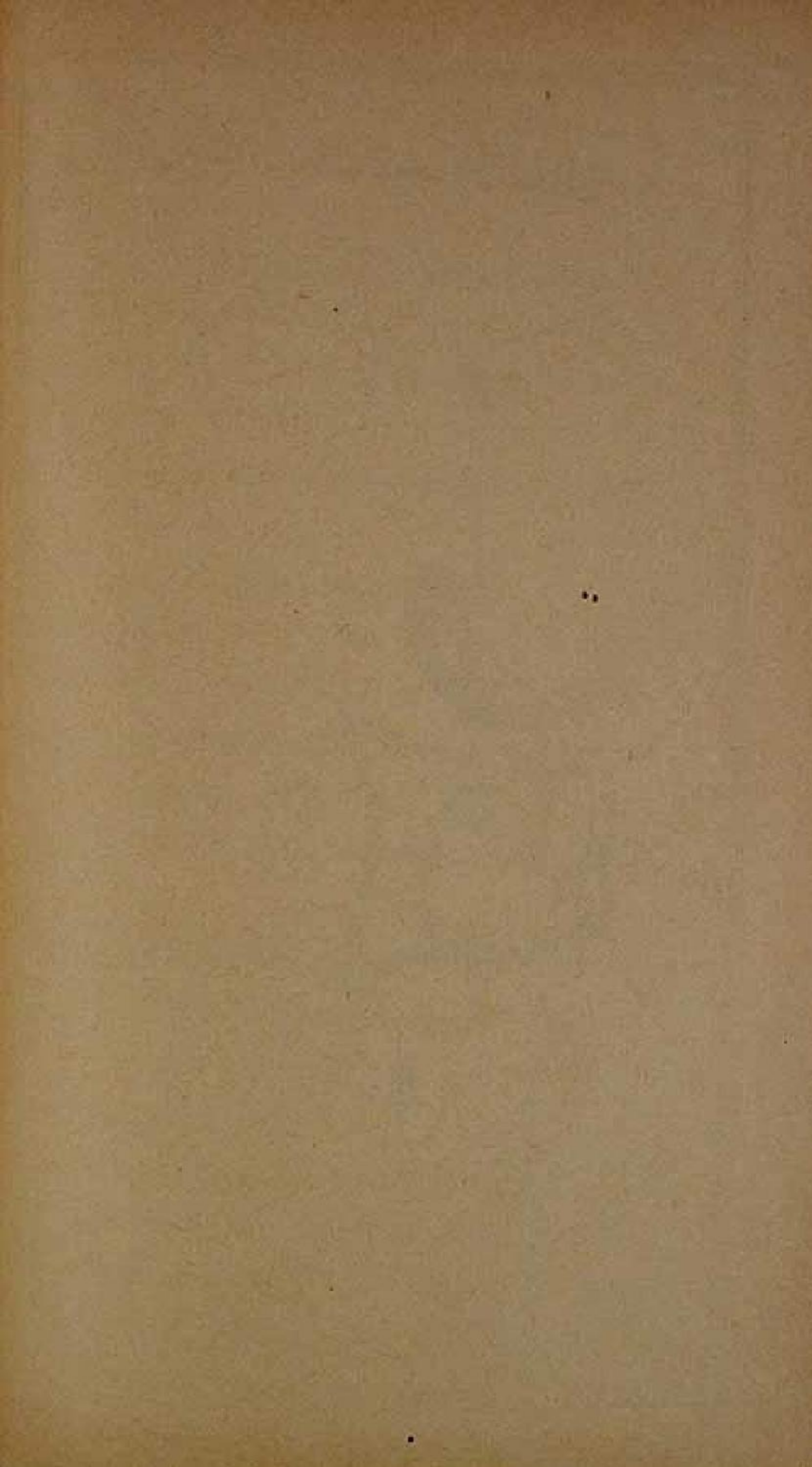
بھی دو ہیں:

اندرونی طبقہ (طبقۂ مخاطیہ)، جو معدہ کی سطح ہاضم کے مقابل ہے۔

بیرونی طبقہ (طبقۂ عضلیہ) جو معدہ کے طبقۂ عضلیہ کے مشابہ ہے، اور اسی طبقہ کی حرکات سے، جو عندالمعاینہ کیڑے کی سی حرکات معلوم ہوتی ہیں، غذا، اوپر کی آنتوں سے بتدریج نیچے کی آنتوں میں چلی جاتی ہے اور بالآخر براز کی صورت میں خارج ہو جاتی ہے۔

(۲) معدہ میں جو ہضم واقع ہوتا ہے، اُس میں تین چیزوں کی ضرورت ہے:

حرارت — رطوبت — حرکت

اسی طرح آنتوں میں بھی یہ تینوں چیزیں موجود ہیں:

رطوبت امعاء: جس طرح معدہ کی ترش رطوبت اس کی اندرونی سطح سے مترشح ہوتی ہے، اسی طرح امعاء کی رطوبت ان کی اندرونی سطح سے مترشح ہوتی ہے۔

(۳) یہ بھی مسلّم ہے کہ جو بیرونی رطوبتیں، مثلاً صفراء وغیرہ، آنتوں پر گرتی ہیں، وہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہیں، اور ہضم سے متعلقہ اعمال میں امداد کرتی ہیں۔

منافع امعاء، اور صاحب کامل | صاحب کامل الصناعۃ آنتوں کے منافع اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آنتوں کی اور ان کی ترکیب (وتخلیق) کی ضرورت یہ ہے کہ

فائدۂ انجذاب | جو غذا، معدہ میں ہضم ہو چکی، وہ آنتوں میں نفوذ کر جائے (اور وہاں سے عروقِ مصاصہ کے ذریعہ جگر وغیرہ کی طرف منجذب ہو جائے)؛ اسی لئے مبداءِ اولِ امعاء میں باب الکبد سے بہت سی رگیں آکر پھیلی ہیں، جن میں اُس غذا کا خلاصہ جو معدہ میں منہضم ہو چکی ہے، گزر کر جگر تک پہونچ جاتا ہے۔

فائدۂ انہضام | آنتوں میں اس کام (تنفیذ و جذب) کے علاوہ ایک قوتِ مغیرہ (ہاضمہ) بھی پائی جاتی ہے، جو غذا منہضم میں بار دیگر تغیر پیدا کرتی ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ وہ غذا جو معدہ میں منہضم ہو چکی ہے، جب وہ براہ بواب امعاء

دقاق میں پہونچتی ہے، تو اس کا خلاصہ اور نچوڑ اُن رگوں میں نفوذ کرجاتا ہے جو اسعار کی طرف گئی ہیں. پھر ان سے باب نامی رگ میں ہوتا ہوا جگر تک پہونچ جاتا ہے ـــ تاکہ جگر اُس خلاصہ میں تغیرات پیدا کرکے خون (کے اخلاط) میں تبدیل کردے.

پھر جس طرح غذا اولاً منھ میں اور اُس کے بعد اپنی گزرگاہ 'مری' میں منہضم ہوتی ہے، تاکہ اس کا ہضم و تغیر معدہ کے لئے سہل ہوجائے؛ اسی طرح اسعار دقاق میں بھی ایک قوت مغیرہ رکھی گئی ہے، جو اس غذا میں بار دیگر ہضم و تغیر پیدا کرتی ہے، جو معدہ میں ہضم ہونے کے بعد یہاں پہونچتی ہے، تاکہ اُس کا جوہر خون میں تبدیل کرنا جگر کے لئے سہل ہوجائے؛

یہی وجہ ہے کہ آنتوں کا جوہر (بلحاظ ترکیب وساخت وغیرہ) معدہ کے جوہر کے قریب ہے (یعنی بہت سی باتوں میں یہ ایک دوسرے سے متشابہ و متقارب ہیں) (کامل الصناعة)

شیخ الرئیس لکھتے ہیں: شیخ الرئیس

(۱) "انسان کی آنتوں کو، جو خشک فضلات کے دفع کرنے کے آلات ہیں، خالقِ برتر نے، اپنی عنایت وحکمت سے کثیر العدد اور پُر پیچ بنایا ہے تاکہ وہ غذا ان کے پیچ وخم میں کافی دیر تک ٹھہر سکے، جو معدہ سے اوتر کر یہاں پہونچتی ہے ـــ اگر بالفرض چھ کی جگہ آنت ایک ہی بنائی جاتی، یا ان کی مقدار چھوٹی کردی جاتی، تو یقیناً غذا پیٹ سے بسرعت خارج ہوجاتی، اور انسان ہروقت مسلسل کھانا کھانے، اور قضاء حاجت کے لئے اُٹھنے پر مجبور رہتا۔ اس طرح وہ ایک بات (امر اوّل) سے تو ایک دائمی مصروفیت میں پھنسا رہتا؛ اور دوسری بات (امر ثانی) سے ایک دائمی اذیت میں مبتلا رہتا ـــ الغرض چوپایوں کی طرح وہ (ہروقت) کھانے کا حریص رہتا"

"ان مصالح سے خالقِ برتر نے آنتوں کی تعداد بڑھادی، اور بیشتر امعاء کی مقدار دراز کردی، اور ان میں پیچ وخم بڑھادیئے." (قانون، تشریح اسعار)

قولون کی عروقِ مَصَّاصَہ اور غدد ماساریقیہ

قولون مستعرض

ثنا عشری

قولون صاعد

قولون نازل

اعور

زائدہ اعور

دقیق

مستقیم
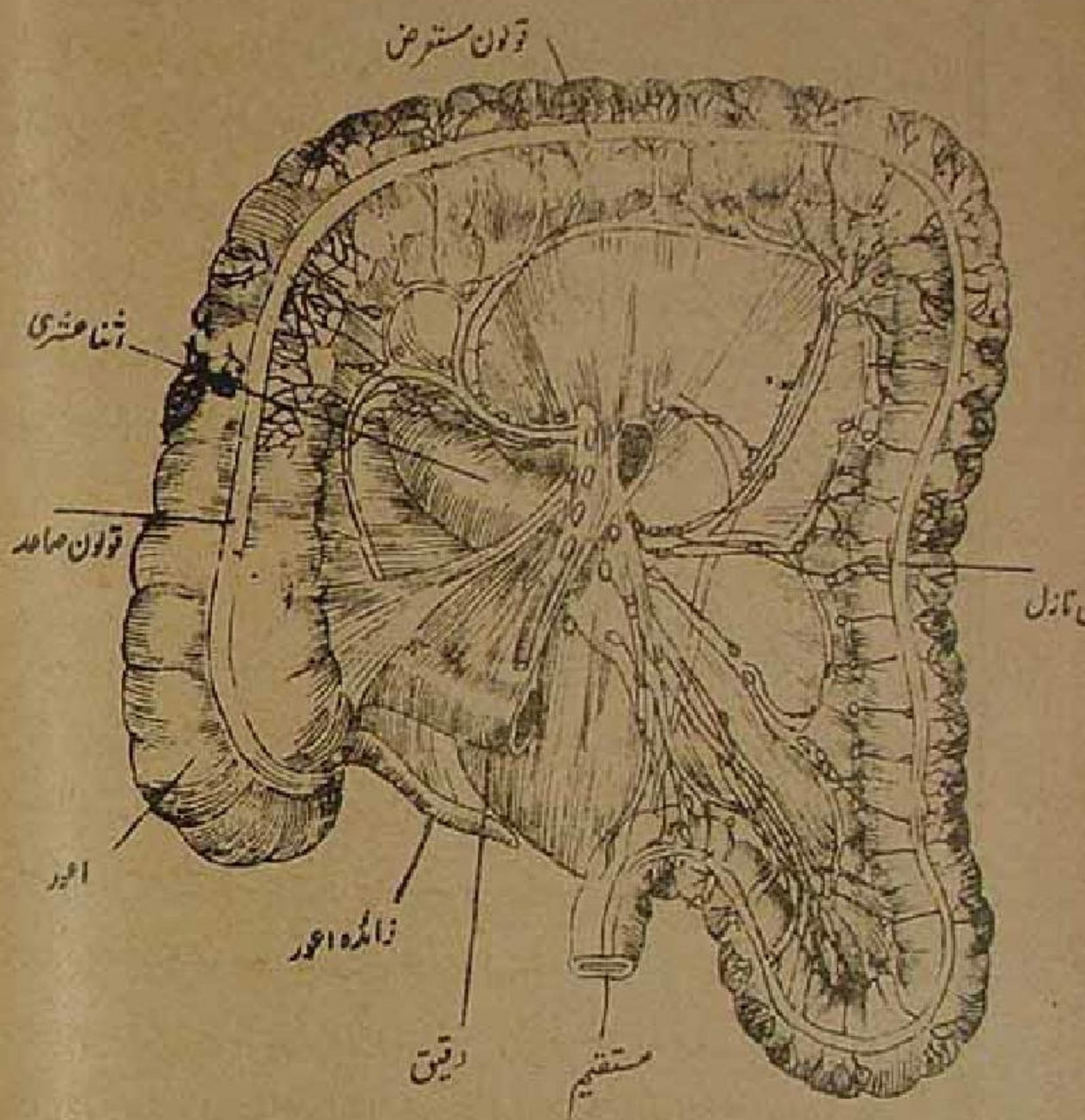
جداول امعاء، عروق مَصَّاصہ، اور غدد ماساریقیہ
جو گول گول نظر آرہی ہیں

نیز وہ لکھتے ہیں:

(۲) "صفراء جو آنتوں پر گرتا ہے، وہ قوتِ دافعہ کو حرکت و ہیجان میں لانے کی وجہ سے دونوں طرف دفع کرنے میں امداد کرتا ہے: یعنی جگر کی طرف (انجذاب کو بڑھا کر) ــــ اور نیچے کی طرف (اندفاع کو تیز کر کے)"۔

"(۳) اوپر کی ساری امعاء، جو دِقاق کہلاتی ہیں، اُن میں ساری نچلی امعاء کے مقابلہ میں، جو غِلاظ کہلاتی ہیں، قوتِ ہضم و تغیّر زیادہ ہوتی ہے ــــ کیونکہ زیریں امعاء کا بیشتر عمل ابراز (اخراج) کے لئے ثُفل کا تیار کرنا ہے؛ اگرچہ ان میں بھی کچھ نہ کچھ قوتِ ہاضمہ ضرور پائی جاتی ہے۔ جس طرح وہ اُن رگوں سے بھی خالی نہیں ہیں، جو جگر سے تعلق رکھتی ہیں، اور جو آنتوں میں امتصاص و جذب کے لئے آئی ہیں"۔

یعنی جس طرح ان میں کچھ نہ کچھ قوت ہاضمہ وغیرہ پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ان سے کچھ نہ کچھ انجذاب بھی ضرور ہوتا ہے۔

ہضم ماساریقی

خلاصۂ غذاء (کیلوس) عروق مصاصہ میں منجذب ہونے کے بعد اثنائے راہ میں، چند گلٹیوں سے گزرتا ہے، جن میں ایک نوع کا تغیّر (ہضم) واقع ہوتا ہے۔ اس قسم کے تغیّر کو ہضمِ ماساریقی کہا جاتا ہے، کیونکہ ان گلٹیوں کو غدد ماساریقیہ کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیلوس کے اس ہضم کو، جو امعاء کے بعد ان غدد میں واقع ہوتا ہے، اسے ہضم اوّلی میں شامل کیا جائے، یا ہضم دوم میں؟

علی حسین گیلانی نے اس کو ہضم معوی کا ایک ضمیمہ تصور کیا ہے اور اس ہضم کو آنتوں کے ہضم کا معاون قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

غدد ماساریقا

"ان آنتوں کے درمیان (یعنی امعاء میں) اجسامِ غُدّدیہ (گلٹی کی مانند کے اجسام) پائے جاتے ہیں جن کا ایک کام تو یہ ہے کہ یہ ماساریقا کی اُن شاخوں کے درمیان، جو آنتوں کی طرف آئی ہیں، قیام پذیر

ہوکر جگہ پُر کریں ـــــ اور دوسرا کام (اہم کام) یہ ہے کہ وہ اُس ہضم وتغیر پر (اضافہ کرکے) مددگار ہوں، جو آنتوں میں واقع ہوتا ہے۔ (مله)

یعنی یہ مسلّم ہے کہ ہضم اول درحقیقت ہضم دوم کی تیاری ہے، اسی طرح ہضم دوم ہضوم مابعد کی تیاری۔ اسی طرح غذا، منزل بہ منزل تغیرات پاتی چلی جاتی، اور جوہر عضو سے قرب ومشابہت حاصل کرتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ اخیر منزل میں یا ہوچکنے وہ جزو عضو ہو جاتی۔ اسی طرح معدہ وامعاء کے تغیرات کے بعد، اور عروقِ مقاصہ (جاذبہ) میں داخل ہوچکنے کے بعد غذائی مواد میں جو تغیرات واقع ہوتے ہیں، وہ درحقیقت اُن ہضوم وتغیرات کے لئے مزید استعداد پیدا کردیتے ہیں، جو اس کے بعد جگر وغیرہ میں ہونے والے ہیں۔ الغرض ہضم امساریقی درحقیقت ہضم معدی ومعوی کا ایک تتمہ وتکملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہضم دوم اور باقی ہضوم

ہضم دوم (ہضم کبدی): جگر میں اجزاءِ غذائیہ کس کس طرح متغیر ہوتے ہیں اور ان سے کیا کیا بنتا ہے، گو یہ بہت زیادہ غیر واضح ہے، مگر "مبحثِ اعضاء" میں جگر کے وظائف مختصراً لکھے جاچکے ہیں، جس سے اس مبہم علم پر تھوڑی سی جھلک پڑتی ہے۔

ہضم سوم وچہارم یعنی ہضم عروقی وعضوی، یہ تو بہت زیادہ تاریک ہے جس سے انسان کا ضعف ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے آگاہ نہیں، کہ وہ کیسے بنتا ہے، اور کیسے بگڑتا ہے۔ پھر سارے عالم کی حقیقت کی کتنی مقدار کا اُسے علم ہے۔ اور اگر انسان اپنے علم پر ناز کرتا ہے، تو اس فخر وناز کی پونجی کتنی حقیر ہے۔ سچ ہے:

وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ محض تھوڑا سا علم تمھیں دیا گیا ہے۔ (قرآن)

مله شرح تشریح اعضاء درکپ، صفحہ ۱۲۷

قوتِ دافعہ اور اندفاع

شیخ لکھتے ہیں،

فضلات کی قسمیں "قوّتِ دافِعہ اُس فَضلہ کو دفع کرتی ہے
(۱) جو غذا سے باقی رہ جاتا ہے، اور جو تغذیہ بخشنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" (مثلاً براز)

(یہ فی نفسہ و جوہرہ ردی ہوتا ہے۔)

(۲) یا وہ بلحاظ اُس مقدار کے، جو اس عضو کے تغذیہ کے لئے کافی ہے، فاضل ہوتا ہے (مثلاً دودھ چھاتیوں میں؟ اور منی خصیوں میں)"

یہ قسم بہ لحاظ جوہر کے صالح ہوتی ہے، ہاں مقدار مکتفی سے زائد ہوتی ہے، جس کو طبیعت کسی خاص مقصد کے لئے رطوباتِ صالحہ سے الگ کرتی ہے۔

یہ ذکر طبعی قوائے اور طبعی حالات کا ہے، ورنہ مرضی حالات میں، جب خون کی مقدار جسم میں کم ہوتی ہے، یا اس کے اجزا تناسب کے ساتھ نہیں ہوتے، ایسے حالات میں بھی طبیعت دودھ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ جس سے خون کی مقدار غیر مکتفی میں اور بھی خسارہ آجاتا ہے۔

(۳) یا اب اُس کی حاجت نہیں رہی، اور جس مقصد سے اُسے استعمال کیا گیا ہے، وہ پورا ہو گیا، مثلاً پیشاب۔"

پیشاب میں دیگر فضلات کے ساتھ بڑی مقدار اُس پانی کی ہوتی ہے، جو غذا کو باریک عروق میں نفوذ کرانے اور رطوبات کے ہضم و تغیر کی تسویل کے لئے استعمال کیا گیا تھا، اور جب یہ مقصد پورا ہو گیا، تو اب یہ ایک فضلہ ہے، جو اپنا کام کر چکا، اس لئے اسے خارج

کردیا جاتا ہے، جس کے ساتھ دوسرے فضلات بھی بہتے ہوئے چلے
جاتے ہیں۔
تقریباً یہی حال پسینہ کا ہے، جس سے، اس مقصد کے علاوہ طبیعت
مدبر بدن تعدیلِ حرارت میں بھی کام لیتی ہے۔

---

(۴) لیکن برہان الدین نفیس نے فضلات کی چار قسمیں کی
ہیں، جن کی صورت یہ ہے کہ قسم دوم کو، جس کا مادّہ فی نفسہ صالح ہوتا ہے،
دو قسموں میں تقسیم کردیا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:
"اگر فضلات کے مواد تغذیہ بخشنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ تو اس
کی دو صورتیں ہیں؛
(۱) یا اس سے سارے اعضاء بے نیاز ہیں، مثلاً دودھ اور منی؛
(۲) یا سارے اعضاء تو بے نیاز نہیں ہیں، بلکہ بعض اعضاء کو ان کی حاجت
ہے، اور دوسرے اعضاء کے لئے یہ فالتو ہیں، مثلاً وہ فضلہ جو کسی ایک عضو
کی غذا سے بچ رہتا ہے، اور اُسے دوسرے اعضاء کی طرف دفع کردیتا، اور
دوسرا اپنی طرف اسے کھینچ لیتا ہے۔" (کلیات نفیسی)
اس کا ماحصل یہ ہے کہ بعض اعضاء میں اُس کے تغذیہ سے زائد سامان
آتا ہے، جو نافع اور صالح الجوہر ہوتا ہے۔ پھر یہاں مناسب تغیرات پاکر یا باہر
خارج ہوجاتا ہے، یا دوسرے اعضاء کی طرف روانہ ہوکر اُن کے تغذیہ میں
خرچ ہوجاتا ہے۔
انتباہ یہ قسم اخیر گو پہلے عضو کے لحاظ سے فضلہ ہے، مگر دوسرے اعضاء کے
لحاظ سے جن کے تغذیہ میں وہ صرف ہورہا ہے ایک غذاءِ مفید ہے؛—
جس طرح دودھ اور منی والدین کے جسم کے لحاظ سے ایک فضلہ ہے، مگر جنین
اور بچہ کے لحاظ سے ایک بے بہا پونجی اور راس المال۔
جگر سے جو کار آمد اجزاء (اخلاط مختلفہ) نکل کر خون کے بہاؤ میں مل جاتے،
اور دوسرے اعضاء کے تغذیہ میں خرچ ہوتے، یا کوئی مفید کام انجام دیتے ہیں

فی الحقیقت وہ اسی گروہ میں شامل ہیں، مگر جگر کی اہمیت کی وجہ سے اس کی پیداوار کی شان بلند رکھی گئی ہے، اور اس کو فضلات کے ذیل میں بیان نہیں کیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جو ہر کبد کے تغذیہ سے جو چیز زائد ہوگی، وہی دوسرے اعضاء کی طرف روانہ ہوگی۔ اس اصطلاح کے لحاظ سے وہ فضلہ ہے، خواہ کتنا ہی صالح الجوہر کیوں نہ ہو۔

مسالکِ فضلات اور فضلات کا رُخ

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

"قوتِ دافعہ ان فضلات کو گا ہے اُن راستوں اور اُن منافذ سے دفع کرتی ہے، جو ان کے لئے قدرۃً بنے ہوئے ہیں، جو طبعی مخارج کہلاتے ہیں، (مثلاً پیشاب مثانہ کی طرف)۔

اور جب وہاں اس قسم کے بنے ہوئے منافذ نہیں ہوتے، تو قوتِ دافعہ شریف تر عضو سے خسیس تر کی طرف، یا سخت عضو سے نرم عضو کی طرف ان فضلات کو دفع کر دیا کرتی ہے۔"

بشرطیکہ قوتِ دافعہ طبعی حالت میں ہو، اور کسی وجہ سے وہ کمزور نہ ہو گئی ہو۔

"اسی طرح جب ان فضلات کے دفع کرنے کا طبعی رُخ وہی ہوتا ہے، جدھر مادہ کا میلان ہے، تو حتی الامکان قوتِ دافعہ اس رُخ کو بدلا نہیں کرتی۔"

مثلاً آنتوں کے مواد کا رُخ طبعاً نیچے کی طرف ہوتا ہے، تو جب تک کوئی سبب مانع نہ ہو، جو طبیعت مدبرِ بدن کو طبعی افعال سے منحرف کر دے، قوتِ دافعہ ان مواد کو نیچے ہی کی طرف دفع کرے گی۔

اور اگر کوئی مانع ہوگا، مثلاً آنتوں میں مستحکم سُدّہ ہوگا، جس کو طبیعت کوشش کے باوجود کھول نہ سکے گی، تو اس صورت میں دفع مواد کا دوسرا راستہ کھولنے پر مجبور ہو جائے گی، اور بجائے کی بجائے قے شروع ہو جائیگی جیسا کہ ایلاؤس نامی مرض میں قے کی راہ فضلات براز یہ! یا اسی جیسے گندہ مواد منہ سے خارج ہونے لگتے ہیں۔

کسی ایک رُخ میں زیادتی، اور دوسرے میں کمی،

بعض فضلات کم و بیش متعدد منافذ و مخارج سے نکلا کرتے ہیں، مثلاً اجزاء مائیہ پیشاب، پسینہ، اور پاخانہ کی صورت میں خارج ہوا کرتے ہیں. ایسے مواد کا بہاؤ جب کسی ایک رُخ پر زیادہ ہو جاتا ہے، تو دوسری طرف اِن کا زور گھٹ جاتا ہے؛ چنانچہ جب دست لگ جاتے ہیں، تو پیشاب کی مقدار گھٹ جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات سرے سے پیشاب بند ہی ہو جاتا ہے. اِسی طرح جب پسینہ کے ذریعہ مائیت خون کا استفراغ بڑھ جاتا ہے، تو بھی پیشاب میں کمی آجاتی ہے.

اس مثال سے اعضاء کے باہمی تعاونِ عمل پر گہری روشنی پڑتی ہے.

آلۂ طبیعت

"طبیعت کے آلۂ" سے یہاں کوئی جسمانی آلہ مراد نہیں ہے؛ بلکہ یہاں طبیعت کے آلہ سے مراد وسیلہ اور ذریعہ ہے، جس کے بغیر طبیعت کے اعمال و افعال سرزد نہ ہو سکیں.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سارے طبعی قویٰ (جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ) کے افعال یا کسی وسیلہ کے محتاج ہیں، یا یہ بلا کسی شرط کے جاری رہتے ہیں؟

ابُو سہل مسیحی اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

"طبیعت (مدبّرِ بدن) ہمارے بدن میں جو افعال و اعمال انجام دیتی ہے (خواہ وہ افعال طبعیہ ہوں، یا حیوانیہ، یا نفسانیہ، بلا تخصیص) اُن سارے اعمال میں وہ ایک آلہ (وسیلہ) کی محتاج ہوا کرتی ہے — اور جو کچھ کرتی ہے، وہ کسی غرض سے کرتی ہے."

آلۂ طبیعت

"چنانچہ "آلۂ طبیعت" تو عضو کا مزاج ہے — یا اُس کی ساخت — یا دونوں.

اور صحیح یہ ہے کہ آلۂ طبیعت مزاج و ترکیب دونوں ہی ہیں.

یعنی حقیقت یہی ہے کہ کسی عضو سے کوئی فعل اُسی وقت با قاعدہ سرزد ہوگا، جبکہ اُس کا مزاج اور اُس کی ترکیب، دونوں درست ہوں۔

غرض طبیعت

اور " طبیعت کی غرض " وہ چیز ہوتی ہے، جو اُس (کے) فعل سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً وہ خلاصۂ غذا (عصارہ) جو معدہ کی قوت (ہاضمہ) سے تیار ہوتا ہے، — اور مثلاً وہ خون (اور اُس کے اجزاء و اخلاط)، جس کو جگر کی قوت (ہاضمہ) تیار کرتی ہے "۔
(کتاب المئۃ ۸)

نیز وہ اس کے بعد کہتے ہیں:

" طبیعت اگرچہ اُن چاروں کیفیات — حرارت، برودت، رطوبت، اور یبوست — کو استعمال کرتی ہے، جو جوہرِ اعضاء میں ہوتی ہیں (اور جن کے تفاعل و تعامل سے ہر عضو کا " طبعی مزاج " حاصل ہوتا ہے) — اسی طرح بہ لحاظ شکل و نوع وغیرہ اعضاء کی تخلیق و ترکیب میں مختلف اندازہ (اور تناسب باہمی) رکھا گیا ہے (یعنی ہر عضو کا مزاج جس طرح مخصوص ہے، اسی طرح ہر عضو کی ترکیب و ساخت بھی جداگانہ ہے) — اور طبیعت اِن ساری چیزوں کو (اپنے افعال کے دوران میں) اس بناء پر استعمال کرتی ہے، کہ یہ سب چیزیں اُس کے لئے آلہ (ذریعہ) ہیں، جو اُسے منزلِ مقصود تک پہونچانے کا وسیلہ بن جاتے ہیں (آلۂ موصلہ ہیں)"۔ (کتاب المئۃ ۸)

اعتدال مزاج اور سارے قویٰ

اسی مقالہ میں مصنف موصوف آگے لکھتے ہیں:

" مزاج کا اعتدال " سارے قویٰ کے لئے موافق و مناسب ہے (یہ ایسی بھلی چیز ہے، جو سب کو یکساں راس آتی ہے) اور اس میں سارے قویٰ کے افعال ٹھیک ٹھیک صادر ہوتے ہیں۔

" رہے چاروں غیر طبعی مزاجات (حرارت، برودت، رطوبت، و یبوست

کی زیادتی) تو ان میں سے کوئی بھی کسی قوت کو کسی فعل پر زیادہ قادر نہیں بنا سکتی؛ اس لئے کہ ساری غیر طبعی چیزیں تمام قویٰ کے لئے باعث مضرت ہوا کرتی ہیں؛ اُن کے افعال کو گھٹا دیتی ہیں، یا مٹا دیتی ہیں، یا اُسے بگاڑ کر بدراہ کر دیتی ہیں ——— ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ہر سوء مزاج ہر قوت کے فعل میں یکساں اور ایک نوع کا ضرر نہیں پہونچاتا، بلکہ بعض سوء مزاج بعض قویٰ میں نسبتہً زیادہ ضرر پہونچاتے ہیں، اور بعض میں نسبتہً کم ——— لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی قوت کے لئے نافع ثابت ہو، کہ اس کی وجہ سے اُس قوت کا فعل زیادہ بہتر اور کامل ہو جائے اور اس سوء مزاج کے بعد اُس کی حالت مضرت سے بچی رہے۔"
(کتاب (۸) المئۃ)

اِن سب قویٰ کے لئے کوئی مشترک مفید چیز اگر ہے، تو وہ **حرارۃِ غریزیہ** (طبعی اور معتدل حرارت) ہے، جو سب کے لئے یکساں نافع ہے، اور کسی کے لئے مضر نہیں، خواہ قوای نفسانیہ ہوں، یا حیوانیہ، یا طبعیہ؛ چنانچہ **مسیحی** لکھتے ہیں:

"اِن تینوں قویٰ (نفسانیہ، حیوانیہ اور طبعیہ) کے لئے ایک **مشترک آلہ** ہے (جو سب کے لئے یکساں کارآمد ذریعہ بنتا ہے) ——— کیونکہ حرارت غریزیہ کا توسط قوت نفسانیہ کو ارادی تحریکات پر قادر بنا دیتا ہے، اور قوتِ حیوانیہ کو سارے بدن میں نفوذ کرنے پر قادر کر دیتا ہے، اور قوتِ طبعیہ کو ہضم غذا اور تغذیۂ بدن پر قادر بنا دیتا ہے۔ (کتاب (۸) المئۃ)

لیکن اطباء کا ایک گروہ قائل ہے، جیسا کہ مصنف (قرشی) لکھتے ہیں کہ

قوائے اربع اور کیفیات اربع	اِن چاروں قوتوں (جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ) کی چار کیفیتیں خدمت کرتی ہیں؛ یعنی حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست (قرشی)

اس دعوے کی تائید و تردید میں موافقین و مخالفین نے بہت کچھ لکھا ہے، مگر میں نے جہاں تک غور کیا، اس بارے میں ابو سہل کا مسلک صاف اور واضح ہے، جس کی کسی طرح تردید نہیں ہو سکتی۔

قوتِ غاذیہ، نامیہ، اور مولدہ اور ان کی باہمی نسبت

قوتِ غاذیہ قوتِ نامیہ (مُرَبِّیَہ) کی خدمت کرتی ہے،
اور قوتِ غاذیہ اور نامیہ، دونوں قوتِ مولدہ کی خدمت کرتی ہیں۔

(قرشی)

قوتِ غاذیہ اور نامیہ کے افعال، ممتاز طور پر الگ الگ بتانا بہت مشکل ہے، جیسا کہ سابقہ بیانات میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس لئے ایک کو خادم اور دوسری کو مخدوم کہنا، اور تحقیقی طور پر ثابت کرنا دشوار ہے جس سے فریق مخالف الرائے کو کلی طور پر طمانیت حاصل ہو جائے۔

یہی حال قوتِ غاذیہ و نامیہ کی خدمت کا ہے، جس کے مقابلہ میں قوتِ مولدہ کو مخدوم بنایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قوتِ غاذیہ کے افعال بہت وسیع اور پیچیدہ ہیں، اور یہ جس طرح صالح مواد میں کام کرتی ہے، اسی طرح فضلات میں بھی۔ پھر اس کے اعمال سے مختلف نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جب کسی نتیجہ کو نمایاں طور پر بتانا ہوتا ہے تو اس کے لئے خاص اصطلاح وضع کر لی جاتی ہے۔ نمو اور تولید اسی گروہ میں شامل ہیں۔

الغرض یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ نطفہ سے جنین کی تکمیل تک فلاں کام قوتِ غاذیہ کا ہے اور فلاں کام قوتِ مولدہ کا۔

اسی طرح مغیرہ اُولیٰ (جو منی میں تغیرات پیدا کر کے مختلف اعضاء کے لئے اُسے تیار کرتی ہے) اور مغیرہ ثانیہ (جو تغذیہ بدن کے لئے خون وغیرہ میں کام کرتی ہے) کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا، اور ایک کو غاذیہ کی طرف منسوب کرنا، اور دوسری کو مولدہ کی طرف، بہت مشکل ہے، چھاتیوں میں دودھ کا بننا، خصیوں میں منی کا بننا، اور گردوں میں پیشاب کا بننا، اسی طرح دوسرے غدد میں ان کی افرازات کا بننا: اگر غور کیا جائے، تو سارے اعمال کی نوعیت ایک دوسرے سے متشابہ و متناسب ہے، اس لئے سب کو غاذیہ کے اعمال کہنے میں کوئی خاص مضائقہ نہیں ہے۔

---

(۲) قوائے نفسانیہ

قُوّتِ نفسانیہ وہ قوت ہے، جس سے تمام اعضاء میں حِسّ و حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جن اعضاء میں یہ قوت رکھی گئی ہے، وہ "اعضائے نفسانیہ" کہلاتے ہیں، مثلاً دماغ، نخاع، اعصاب، آلاتِ حواس، اور عضلات وغیرہ۔ ان تمام اعضاء میں **دماغ** کو سردار (رئیس) کہا جاتا ہے (جیسا کہ مبحثِ اعضاء میں بتایا گیا ہے)۔

قوتِ نفسانیہ کی تقسیم

قوتِ نفسانیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **مُحرِّکہ** (حرکت دلانے والی قوت)۔

(۲) **مُدرِکہ** (ادراک کرنے والی قوت)۔

(قرشی)

"**قوّتِ مُحرِّکہ** سے مراد یہ ہے کہ اُسے حرکت میں کچھ دخل ہے، خواہ یہ قوت براہِ راست تحریک پیدا کرے، (جسے **فاعلۂ حرکت** کہتے ہیں) یا اعضاء کی تحریک میں محض اعانت کرے (اور محض حرکت کی باعث بنے جیسے **قوّتِ باعثہ** خود عضلات میں حرکت نہیں پیدا کرتی مگر حرکت کی باعث ضرور بنتی ہے، جس کا ذکر ابھی آنے والا ہے"۔

"**قوّتِ مُدرِکہ** سے مراد یہ ہے کہ اس سے ادراک کی تکمیل

ہوتی ہے، خواہ وہ خود مُدرِک ہو، یا ادراک میں مددگار ہو" (نفیس)
مثلاً حسِ مشترک اور قوتِ واہمہ قدماء کے مسلمات کی بنا پر براہِ راست
مُدرِک ہیں، اور قوتِ خیال و حافظہ خود مُدرِک نہیں ہیں؛ بلکہ
ادراک کی ہوئی چیزوں کی محض حفاظت کرکے ادراک کے عمل میں مددگار
ہوتی ہیں۔ اسی طرح قوت متصرفہ ادراک کی ہوئی چیزوں میں تصرف
اور کاٹ چھانٹ کرکے عملِ ادراک میں اعانت کیا کرتی ہے، جیساکہ قدماء
کے مسلمات کے مطابق آیندہ توضیح آنے والی ہے۔
الغرض قوتِ محرکہ میں وہ تمام قوتیں شامل ہیں، جن کے بغیر عمل تحریک
کی تکمیل نہیں ہوتی، جس طرح قوتِ مُدرکہ میں وہ ساری قوتیں داخل ہیں جن
کے بغیر عمل ادراک کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب ساری قوتیں مل کر کام کرتی ہیں؛
تو اس اشتراک عمل سے اندرونی ادراک کا کام پورا ہوتا ہے۔

(۱) قوتِ محرّکہ

تقسیم

قوّتِ محرّکہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شوقیّہ (باعثۂ حرکت)	(۱) وہ قوت ہے، جو حرکت کا باعث بنتی ہے، جسے شوقیّہ کہا جاتا ہے:

قوتِ شوقیہ کی خادم دو قوتیں ہیں:

شہوانیّہ اور غضبیّہ

(۲) قوت فاعلہ	(۲) وہ قوت ہے، جو حرکت کراتی ہے

۔ فاعِلۂ حرکت ہے ۔۔۔ جس کی صورت یہ
ہوتی ہے کہ یہ قوت عضلہ کو سکیڑتی ہے (اس میں

انقباض پیدا کرتی ہے) جس سے (متصلہ) وتر کھنچ جاتا ہے، پھر یہ وتر جس عضو کے ساتھ متصل ہوتا ہے، وہ عضو سکڑ جاتا ہے۔

یا یہ کہ قوتِ مذکورہ عضلہ کو مبدأ کے مخالف جانب ڈھیلا کر دیتی ہے، جس سے عضلہ کا وتر بھی مخالف جانب بڑھ جاتا ہے (دراز ہو جاتا ہے)، اور متعلق عضو پھیل جاتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

(قرشی)

قوتِ شوقیہ

کسی حرکت، یا کسی کام سے پہلے دماغ میں کسی قسم کا جو خیال یا تصور پیدا ہوتا ہے، (اور وہ عزم و ارادہ کا باعث بنتا ہے)، وہ اسی قوتِ شوقیہ کا فعل ہے۔

قوتِ شوقیہ کو **قوّتِ نُزُوْعِیَّہ** بھی کہا جاتا ہے۔

(نُزُوْع: آرزو کرنا، مشتاق ہونا۔)

قوتِ شہوانیہ و غضبیہ جو خیال یا تصور باعثِ حرکت ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا) اگر وہ کوئی مفید اور لذیذ شئے ہے، خواہ فی الحقیقت وہ مفید ہو، یا محض اس کا گمان ہو، تو اس وقت جو قوت اس کی طلب اور چاہت میں باعثِ حرکت بنتی ہے، اُسے **قوّتِ شَہْوَانِیَّہ** کہا جاتا ہے۔

(شَہْوَان: چاہت، خواہش)

(ب) اور اگر کوئی مضر اور مخالف شئی ہے، خواہ فی الحقیقت وہ مضر ہو

ؔ یہ ایک قرآنی آیت ہے، جس کا ترجمہ ہے:
"مبارک ہے اللہ، جو بہترین خالق ہے"

یا محض گمان ہو، تو جو قوت اُس سے بچنے کے لئے، بھگانے کی حرکت دلاتی ہے، یا اُس سے مقابلہ کراتی ہے، اُسے قوّتِ غَضَبِیّہ کہا جاتا ہے۔

(غَضَب : غصّہ)

اِس بیان سے ظاہر ہے کہ شہوانیہ اور غضبیہ درحقیقت قوتِ شوقیہ کی قسمیں ہیں، نہ کہ خادم۔ جیسا کہ شیخ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حرکتِ ارادیہ

علامہ برھان الدین نفیس لکھتے ہیں:

"الغرض ارادی حرکت چار قوتوں سے تکمیل پاتی ہے:

(۱) قوت خَیَالِیَہ، یا وَھمِیّہ (جس میں سب سے پہلے کوئی تصور قائم ہوتا ہے)۔

(۲) قوّتِ شوقیہ (جس میں اُس تصور کے مطابق شوق پیدا ہوتا ہے)۔

(۳) قوّتِ عَازِمَہ (جس کے متعلق شوق کے بعد قصد و ارادہ ہے)۔

(۴) قوّتِ فاعلہ (جو متعلقہ عضلات کو متحرک کرتی ہے، یعنی نظام و ترتیب کے ساتھ انقباض و انبساط پیدا کر کے موجبِ حرکت بنتی ہے)۔

چنانچہ انسان جب کسی مفید یا مضر چیز کا تصور کرتا ہے، تو اُس کے بعد سب سے پہلے قوتِ شوقیہ کمربستہ ہو کر شوق پیدا کرتی ہے۔ پھر شوق کے بعد قوتِ عازمہ قصد و ارادہ پیدا کرتی ہے۔ پھر قصد و ارادہ کے بعد قوتِ محرکہ عضلات کو حرکت میں لاتی ہے۔" (کلیاتِ نفیس)

قوتِ محرکہ اور شیخ

شیخ ابن سینا لکھتے ہیں:

تشنیج و ارخاء، یا انقباض و انبساط

(۱) "قوّتِ مُحَرِّکَہ کا کام (عضلات کے عمل سے) اوتار کو سکیڑنا اور ڈھیلا کرنا (تَشنِیج و اِرْخَاء) ہے۔

جس سے نتیجۃً (متصلاً) اعضاء اور مفاصل حرکت میں آجاتے ہیں۔ یعنی قوتِ محرکہ کے عمل سے یہ اعضاء یا پھیل جاتے، یا مُڑجاتے ہیں۔" (قانون)

یہ بیان قوتِ محرکہ کی اُس مثالی قسم کا ہے، جن سے ارادی حرکات وابستہ ہوتی ہیں، اور جن کی بدن میں کثرت ہے، اور ہر وقت بیرونی طور پر مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ ورنہ معدہ، امعاء، رحم، مثانہ، مرارہ، اور قلب وغیرہ میں مختلف اقسام کی حرکات پائی جاتی ہیں، اور ان میں بھی دماغ و نخاع سے اعصاب آتے ہیں، جو ان کے عضلی جوہر میں پھیل کر مناسب تحریک کا کام کرتے ہیں۔

قوتِ محرکہ خواہ کہیں پائی جائے، اس کی تحریک دو بنیادی اُمور سے وابستہ ہے: سکیڑنا اور پھیلانا (تشنیج و ارخاء)۔ ساری حرکات ان ہی دونوں اُمور سے تکمیل پاتی ہیں۔

علے ھٰذا جب کوئی عضلہ سکڑتا ہے، تو اس کا طول کم ہو جاتا، اور اس کا عرض بڑھ جاتا ہے، اور جب وہ پھیلتا ہے، تو طول بڑھ جاتا، اور عرض کم ہو جاتا ہے (نفیس)؛ خواہ ہمیں ہر جگہ بہ ظاہر محسوس نہ ہو۔

اس کے بعد شیخ کہتے ہیں:

اعصاب کے مسالک

(۲) "قوتِ محرکہ کا منفذ اُن اعصاب میں ہوتا ہے، جو عضلات سے اتصال رکھتے ہیں۔" (قانون)

یعنی مراکزِ حرکت سے عضلات تک قوتِ تحریک براہ اعصاب پہونچتی ہے کیونکہ اعصاب میں ایسے مسالک پائے جاتے ہیں، جن میں اس قسم کے اثرات منتقل ہو سکتے ہیں۔ خواہ یہ اعصاب وریدوں اور شریانوں کی طرح مجوف نہ ہوں۔ اس حکم میں اعصاب حرکت کے علاوہ اعصابِ حس بھی شریک ہیں۔

علی گیلانی کہتے ہیں:-

"اعصاب اگرچہ ٹھوس ہیں (وریدوں اور شریانوں کی طرح نالیدار نہیں ہیں) لیکن وہ ایسے الیاف سے مرکب ہوتے ہیں، جن میں مسالک

(راہیں) پائے جاتے ہیں، جیساکہ تحقیق کی جاچکی ہے۔ ان ہی مسالک میں روحِ محرک نفوذ کرتی ہے، اور اسی روح میں قوتِ محرکہ ودیعت ہوتی ہے" (جو براہ اعصاب مراکز سے عضلات تک پہونچتی ہے)۔

اس کے بعد علی گیلانی بتاتے ہیں:

"اعصاب کا اتصال عضلات کے ساتھ اس قسم کا ہے، جیساکہ جزء کا اتصال "کل" سے ہوتا ہے۔ — اور جیساکہ جڑ کا اتصال درخت سے ہوتا ہے"

یعنی عضلہ کی حیثیت کُل اور مجموعہ کی ہے، اور متعلقہ اعصاب کی حیثیت اس کے جزء کی۔

یہ بھی شیخ کا قول ہے:

عضلات کا تنوع

(۳) "قوتِ محرکہ ایک جنس ہے، جس کے انواع مبادیِ حرکات یعنی عضلات کے تنوع کے مطابق بہت سے ہیں؛ چنانچہ ہر عضلہ میں ایک جداگانہ طبیعت پائی جاتی ہے"۔

بقول علی گیلانی "عضلات کے مختلف انواع ہیں، اور ہر نوع کی طبیعت دوسری سے جداگانہ ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ:

(۱) بعض عضلات دوسرے عضلات سے رنگ وقوام وغیرہ میں مختلف ہوتے ہیں۔

(۲) بعض ادویہ، سموم اور مواد امراض کا اثر بعض پر خوب ہوتا ہے اور بعض پر نہیں۔ اثر کی یہ تخصیص بتاتی ہے کہ جس عضلہ یا جس گروہِ عضلات میں یہ خصوصیت موجود ہے، اُس کا مزاج وترکیب (طبیعت) دوسروں سے ممتاز ہے۔

(۳) گوشت کھانے والے جانتے ہیں کہ زبان کے عضلات کا کیا مزہ ہوتا ہے؟ پٹھے کے گوشت کا کیا، اور گردن کا کیا، وعلی ہذا۔

(۴) علی ہذا قلب کا لحم، معدہ کا لحم، اور رحم کا لحم، یہ سب ایک دوسرے سے جداگانہ قسم کے افعال واعمال انجام دیتے ہیں۔ جو یقیناً جداگانہ طبیعت

متقاضی ہیں۔

قوتِ محرکہ اور اجماع

شیخ کا یہ آخری قول ہے:

(۴) "قوتِ محرکہ" قوتِ واہمہ کے اُس حکم کے تابع ہوا کرتی ہے، جو اِجمَاع (عزمِ قوی) کا موجب ہوتا ہے۔" (قانون)

خیال یا وہم میں جو نقوش چھپتے ہیں، وہی ابتداءً شوق یا عزم قوی کے موجب ہوتے ہیں۔ پھر یہی شوق اور عزم قوتِ محرکہ کے فعل کا باعث ہوجاتا ہے: مثلاً سانپ کو دیکھکر ہی یہ ارادہ مستحکم ہوتا ہے کہ اُسے مثلاً مار ڈالنا چاہیئے، یا اُس سے بھاگ جانا چاہیئے۔ اس ارادہ کے استحکام (اِجتماع) کے بعد ہی قوتِ محرکہ کام کرتی اور سانپ کے مارنے، یا اُس سے بھاگنے کے لئے اعضاء میں مناسب حرکت پیدا کرتی ہے۔ اِس ارادی استحکام کے پہلے ہوسکتا ہے کہ ذہن میں تذبذب کا درجہ ہو۔ تذبذب کے عالم میں انسان سوچتا ہے کہ میں سانپ کو ماروں، یا نہ ماروں۔ جب یہ تذبذب ختم ہوجاتا ہے، تو وہ اِجمَاع[1] کہلاتا ہے۔ جو کبھی بہت ہی عجلت سے حاصل ہوجاتا ہے، اور کبھی اُس میں تاخیر واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ تیز طبیعت اور تیز مزاج لوگوں میں یہ چیز بہت جلد حاصل ہوجایا کرتی ہے، جس سے قوتِ فیصلہ کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔

عضلات اور حرکات

سابقہ بیانات سے ظاہر ہے کہ حرکات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حرکاتِ ارادیّہ (اختیاریّہ)، مثلاً اُن عضلات کی حرکت جن کی مدد سے ہم چلتے پھرتے ہیں۔

(۲) حرکاتِ طبعیّہ، جن میں ہمارے ارادہ کو کچھ دخل نہیں، مثلاً

[1] اِجمَاع اُس قصد کا نام ہے، جو خلل و فتور اور تذبذب سے خالی ہو۔ اسی عزم قوی اور قصد مصمم کا نام اِرَادَہ اور نفرت ہے۔ (نفیس) اگر کسی کام کے کرنے کا قصد ہو، تو اُسے ارادہ کہتے ہیں، اور اگر نہ کرنے کا قصد مصمم ہو، تو اُسے کراہت کہتے ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں درحقیقت ارادہ موجود ہے۔

قلب کی حرکت، معدہ و امعار کی حرکت، وغیرہ۔

اسی طرح عضلات کی بھی دو قسمیں ہیں، جو حرکات کی طرح اِرادِیّہ اور طبعیہ کہلاتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ اصطلاحًا عضلات مختص طور پر قسم اوّل ہی کو کہتے ہیں، جو ارادہ سے کام کرتے ہیں، یعنی جن پر ارادہ کا اقتدار مؤثر ہوتا ہے۔ یہ لوگ معدہ، امعار، رحم، مثانہ، اور مرارہ وغیرہ کے عضلی طبقہ کو، جو بلا ارادہ کام کرتا ہے، طبقۂ لیفیہ کہا کرتے ہیں ـ اسے عضلہ یا عضلی نہیں کہتے۔ لیکن اس اصطلاحی اختلاف سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ ابو سہل مسیحی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ چنانچہ حرکت کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اختیاری وغیر اختیاری حرکات

"عضلات کی حرکت "اختیاری" ہوا کرتی ہے،

"اور معدہ و رحم (جیسے اَحْشَاءِ لیفیہ) کی حرکت "طبعی" (غیر اختیاری)۔

"اور مَرِی کی حرکت (نگلنا) اختیاری و غیر اختیاری، دونوں قسم کی حرکات سے مرکب۔

"اس قسم (اخیر) کی توضیح یہ ہے کہ ہم میں یہ قدرت حاصل ہے کہ جب ہم چاہیں، کسی چیز کو (اپنے ارادہ سے) نگل لیں اور جب چاہیں، نہ نگلیں؛

"لیکن (یہ عجیب کرشمۂ قدرت ہے کہ ہمارا یہ اختیار) ہر چیز میں اور ہر وقت یکساں نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی چیز (خوش مزہ اور لذیذ ہونے کی وجہ سے) معدہ کے موافق ہوتی ہے، خصوصًا اُس وقت جبکہ معدہ کو اس کی حاجت بھی (شدید) ہو، تو اُس وقت وہ غذا کو منہ سے کھینچ کر نگل لیتا ہے۔ حالانکہ ہم ابھی اُسے چبا ہی رہے ہوتے ہیں۔ گویا کہ مری نے ہمارے ارادہ کے بغیر اُسے نگل لیا۔

"(اس کے برعکس) مکروہ چیزوں میں چونکہ بدمزگی ہوتی ہے اور بدن کو ان کی حاجت بھی کمتر ہی ہوتی ہے، اس لئے ان کا نگلنا ہمارے لئے دشوار ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت ہم ان کو محض اپنے اختیار و ارادہ کے زور

سے نگلنے کی کوشش کرتے ہیں"۔

(رسالہ مسیحی، کتاب ۴)

اس قول کی وضاحت یہ ہے کہ لقمہ کا نگلنا (ازدراد یا ابتلاع) ایک ایسا کام ہے، جس میں متعدد عضلات کام کرتے ہیں، جن میں سے ابتدائی عضلات (تالو اور حلق کے عضلات) تو ارادی عضلات کی قسم سے ہیں، اور اس کے بعد جو عضلات (مری کے عضلات) کام کرتے ہیں، وہ ارادہ سے خارج ہیں۔ اسی وجہ سے نگلنے کو "مرکب افعال" میں شمار کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں جو عضلات ارادہ سے کام کرتے ہیں، وہ دوسرے اوقات میں ارادہ کے بغیر بھی کام کیا کرتے ہیں، مثلاً تشنجی حرکات، بندوق کی آواز سے چونک پڑنا، روشنی کی چکا چوند میں آنکھیں بند کرلینا، وغیرہ۔

اسی طرح قے اور ہچکی کی صورتوں میں اندرونی احشاء کے سوا شکم کے عضلات بھی کام کیا کرتے ہیں، جو ارادہ سے باہر ہوتے ہیں۔

آلات عضلیہ کی وضع اور ان کے افعال

یہ اوپر بتایا گیا ہے کہ عضلات جب حرکت کرتے ہیں، تو یہ سکڑتے ہیں، اور جب یہ سکڑتے ہیں، تو ان کا طول کم ہوجاتا ہے، اس لئے متصلہ اجزاء و اعضاء کھنچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اور اسی کے مطابق بدن کے اندر انواع و اقسام کی حرکتیں واقع ہوتی ہیں۔

مثلاً اگر کوئی عضلہ کسی عضو کی لمبائی میں واقع ہے، تو اس کے سکڑنے سے اُس عضو کی درازی گھٹ جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی عضلہ کسی عضو میں آڑے طور پر اس طرح واقع ہے، کہ اس نے ایک حلقہ سا بنا لیا ہے، تو اس کے سکڑنے سے وہ نالی چھوٹی ہوجائیگی یا قطعاً بند ہوجائے گی۔

اسی طرح کسی عضو کو ہم گردش دیتے ہیں، تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بدن کے اندر کوئی ایسا عضلہ ہے، جو گھوما کرتا ہے۔ بلکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ ایسے گھومنے والے اعضاء میں متعدد عضلات ہوتے ہیں، جو باری باری سے

علی الترتیب سکڑتے ہیں، جس سے وہ عضو گھومنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ عضلات کا کام محض سکڑنا ہے، جس سے ان کے لمبے لمبے ریشوں کی درازی گھٹ جاتی ہے۔ اس لئے قدرت کو جو کام لینا ہوتا ہے، اسی کے مطابق اُن کے ریشوں کی وضع رکھی جاتی ہے، خواہ ارادی عضلات ہوں، یا طبعی۔

اسی طرف صاحب مئۃ اشارہ کرتے ہیں،

"عضلات، اور احشاء لیفیہ کے افعال ان کے الیاف (ریشوں) کی وضع کے مطابق سرزد ہوتے ہیں"۔

(ہاں، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عضلات کے افعال ارادہ سے صادر ہوتے ہیں، اور احشاء لیفیہ کے افعال طبیعی ہوا کرتے ہیں (جن میں ارادہ وشعور کو کوئی دخل نہیں ہوتا)"۔

(مئۃ مسیحی کتاب ۸)

احشاء لیفیہ (ریشہ دار احشاء) سے مراد معدہ، امعاء، رحم، مثانہ اور مرارہ جیسے اعضاء ہیں، جن کی ساخت میں حرکت کرنے والے ریشے پائے جاتے ہیں، ان ہی ریشوں کی امداد سے معدہ اپنے مافی الجوف کو آنتوں کی طرف روانہ کر دیتا ہے ــ اور ان ہی کی وجہ سے عند الہضم معدہ کے اندر مافی المعدہ میں گردش واقع ہوتی ہے (حرکۃ دوریہ)۔ اسی طرح قے کی حرکتِ دافعہ، اخراج بول وبراز کی حرکتِ نافضہ، اور ولادت کے وقت اخراج جنین کی حرکتِ ولادیہ، یہ سب ان ہی الیاف کا صدقہ ہے، جو ان اعضاء میں طبقہ بنا کر انھیں گھیر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو **طبقۂ عضلیہ** کہا جاتا ہے۔

(۲) قوتِ مُدرِکہ

قوتِ مدرکہ کی تقسیم

قوتِ مُدرکہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قوّتِ مُدرکہ بیرونی (جو دماغ سے باہر واقع ہیں)۔

(۲) قوّتِ مُدرِکہ اندرونی (جو دماغ کے اندر واقع ہیں)۔

بیرونی قوتِ مُدرِکہ

بیرونی قوتِ مدرکہ کی تعداد پانچ ہے (حوّاسِ خمسہ)، جو اندرونی قوتِ مدرکہ کے لئے مخبر اور جاسوس کے مانند ہیں:

(قرشی)

بیرونی حواس جاسوس ہیں

یعنی بیرونی پانچوں حواس (حواس خمسہ) حکومت کے جاسوسوں کی طرح بیرونی دنیا کی ساری خبریں دماغ کے اندرونی قوٰی تک، جو کھوپڑی کی سنگین دیواروں کے اندر قلعہ بند ہیں، پہنچایا کرتے ہیں۔ مثلاً آنکھ کی قوتِ باصرہ تمام دُنیا کی شکلیں، صورتیں، رنگتیں، اور کان کی قوتِ سامعہ ہر قسم کی بیرونی آوازیں، اسی طرح قوتِ ذائقہ چیزوں کے مزے، قوّتِ شامّہ چیزوں کی بوئیں، اور قوتِ لامسہ ہر چیز کی وہ کیفیات جو چھونے سے محسوس ہوا کرتی ہیں، مرکزِ حکومت تک پہونچا دیا کرتی ہے:

تاکہ دماغ کی اندرونی قوتیں، جن کے متعلق سارے بدن کی تدبیر اور تمام اُمور کی سیاست وابستہ ہے، اس علم کے بعد کوئی مناسب رائے قائم کریں، اور اگر ضرورت ہو تو اپنے ہرکاروں (عضلات) کو حکم دے کر حسب ضرورت دوڑ دھوپ کے لئے مجبور کردیں۔

مثال: بزدل انسان کی نظر جب سانپ پر پڑتی ہے، تو اس کے دماغی قوائے ٹانگوں کے عضلات کو بھاگنے کا حکم دیتے ہیں —— اور بہادر کی آنکھوں کے اندر جب سانپ کی تصویر کھنچتی، اور دماغ کے اندرونی قوائے کو اس کی خبر ملتی ہے تو وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں، کہ اس موذی کو مار ڈالنا چاہئیے، جس کے مطابق اُس کے ہاتھ پاؤں کے عضلات کے قوائے محرکہ کام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

اِسی وجہ سے **نفیس** نے صحیح لکھا ہے کہ:

"بیرونی قوائے کے افعال دماغ کے اندرونی قوائے کے افعال سے مقدم ہوتے ہیں"

کیونکہ باہر سے جب تک کوئی خبر اندر نہ پہونچے، اندرونی قوائے آخر کس چیز میں کوئی رائے قائم کریں گے۔ باہر سے جو محسوسات اندر پہونچا کرتی ہیں، وہی در حقیقت اندرونی قوائے کو کام کرنے کا مواد فراہم کرتی ہیں۔

بیرونی قوائے کی تعداد

"بیرونی قوائے پانچ ہیں"

"مشہور ایسا ہی ہے، اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پانچ[5] نہیں۔ بلکہ آٹھ[8] ہیں۔ یہ لوگ قوتِ لامسہ کو (ایک نہیں، بلکہ) چار مانتے ہیں (اس طرح):-

(۱) گرم اور سرد کے درمیان فیصلہ کرنے والی (حاکم)۔
(۲) تر اور خشک کے درمیان " " (")۔
(۳) سخت اور نرم کے درمیان " " (")۔
(۴) کھُردرے اور چکنے کے درمیان " " (")۔

ان کے نزدیک یہ چاروں قوتیں ایک ہی آلہ — جلد — کے اندر ہوتی ہیں، جس طرح ایک زبان میں ایک ساتھ دو قوتیں — ذائقہ اور لامسہ — پائی جاتی ہیں۔"

(نفیس)

اپنے اس خیال پر یہ لوگ دلیل یہ قائم کرتے ہیں کہ یہ چار قسم کی چیزیں الگ الگ ہیں، اس لئے ہر ایک قسم کی چیز کے لئے ایک الگ قوتِ مدرکہ ہونی چاہیئے۔

ان لوگوں کا یہ استدلال اتنا بے وزن نہیں ہے کہ اس میں صداقت کا کوئی پہلو نہ نکل سکے۔ یعنی یہ صحیح ہے کہ جلد وغیرہ میں مختلف قسم کے اعصاب پائے جاتے ہیں، جن سے الگ الگ مختلف چیزوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات کی جلد خصوصیت کے ساتھ گرمی سردی سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے، مثلاً ہتیلی کی پشت — اور دوسرے مقامات کی جلد میں گو گرمی سردی کا احساس تیز نہیں ہے، مگر ان میں قوتِ لامسہ کی وہ قسم، جو خشونت اور ملاست کی حاکم ہے، اتنی نازک ہے کہ دو باریک ذرات کو، جن کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہو، ٹٹول کر معلوم کر لیتے ہیں، مثلاً انگلیوں کے اگلے پوروں کی جلد، اور نوک زبان، — اس کے مقابلہ میں پشت اور ران کی جلد اس بارے میں بلید الحس ہے۔

اس لحاظ سے یہ صادق ہے کہ قوتِ لامسہ یقیناً متعدد ہے، لیکن اس کے ساتھ قوتِ باصرہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ سامعہ، اور قوتِ شامہ کے محسوسات بھی مختلف ہیں، اور مختلف محسوسات کے لئے (قوتِ لامسہ کی طرح) الگ الگ اعصاب ہیں، اس لئے ان سب کو متعدد ماننا پڑے گا۔

چنانچہ بعض اوقات بعض اعصاب کے افعال باطل ہو جاتے ہیں، اور بعض کے قائم رہتے ہیں، اس لئے ماؤف اعصاب اپنے متعلقہ محسوس کو ادراک کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، اور صحیح اعصاب کا کام جاری رہتا ہے۔

"گر ُمار" مشہور بوٹی ہے، جس کے چبانے کے بعد زبان میں مٹھاس کا

پتہ نہیں چلتا۔ گڑکھائیے تو محسوس ہوتا ہے کہ مٹی چبائی جارہی ہے۔ لیکن ترشی اور شوریت وغیرہ کا ادراک برابر قائم رہتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس بوٹی سے اعصاب ذائقہ کے محض وہی ریشے متاثر ہوتے ہیں، جو مٹھاس کے ادراک کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

یہی حال آنکھ کی قوتِ باصرہ کا ہے: یعنی مختلف الوان کے لئے مختلف الیافِ عصبیہ کام کرتے ہیں، اس لئے اس میں بھی یہ ممکن ہے کہ بعض مخصوص اعصاب ماؤف ہو جائیں، اور متعلقہ رنگ کا ادراک ختم ہو جائے، درانحالیکہ دوسرے الوان کے ادراک میں کوئی خلل نہ واقع ہو۔

---

(۱) قوتِ باصرہ

فعل ابصار

قوّتِ باصرہ (بینائی کی قوت)

اس قوت کی جگہ وہ مقام ہے، جہاں آنکھ کی طرف آنے والے دونوں اعصاب باہم صلیب کی طرح مل جاتے ہیں، جس کو **تقاطعِ صلیبی** کہتے ہیں

قوتِ باصرہ کا کام رنگوں، روشنیوں اور شکلوں کا ادراک کرنا ہے۔

(قرشی)

قوتِ باصرہ کی اہمیت حواس خمسہ ظاہرہ میں گو سب سے زیادہ ضروری قوتِ لامسہ ہے، جس کے بدون حیات ناممکن ہے، مگر انسانی عقل نے جتنی توجہ قوتِ باصرہ کی طرف کی ہے، وہ کسی دوسری قوت کو نصیب نہیں۔ اس موضوع

کرۂ چشم (کُرۃُ العَین)

مع طبقات و رطوبات

GOVT. NIZAMIA TIBBI ... LIBRARY
No. ......
Date ......
HYDERABAD

قرنیہ
بیضیہ
عنبیہ
عنبیہ
جلیدیہ
خل
ملتحمہ
ملتحمہ
رطوبۃ زُجاجیہ
شبکیہ
مشیمیہ
صلبہ
محل التحدیق
عصبہ مجوفہ
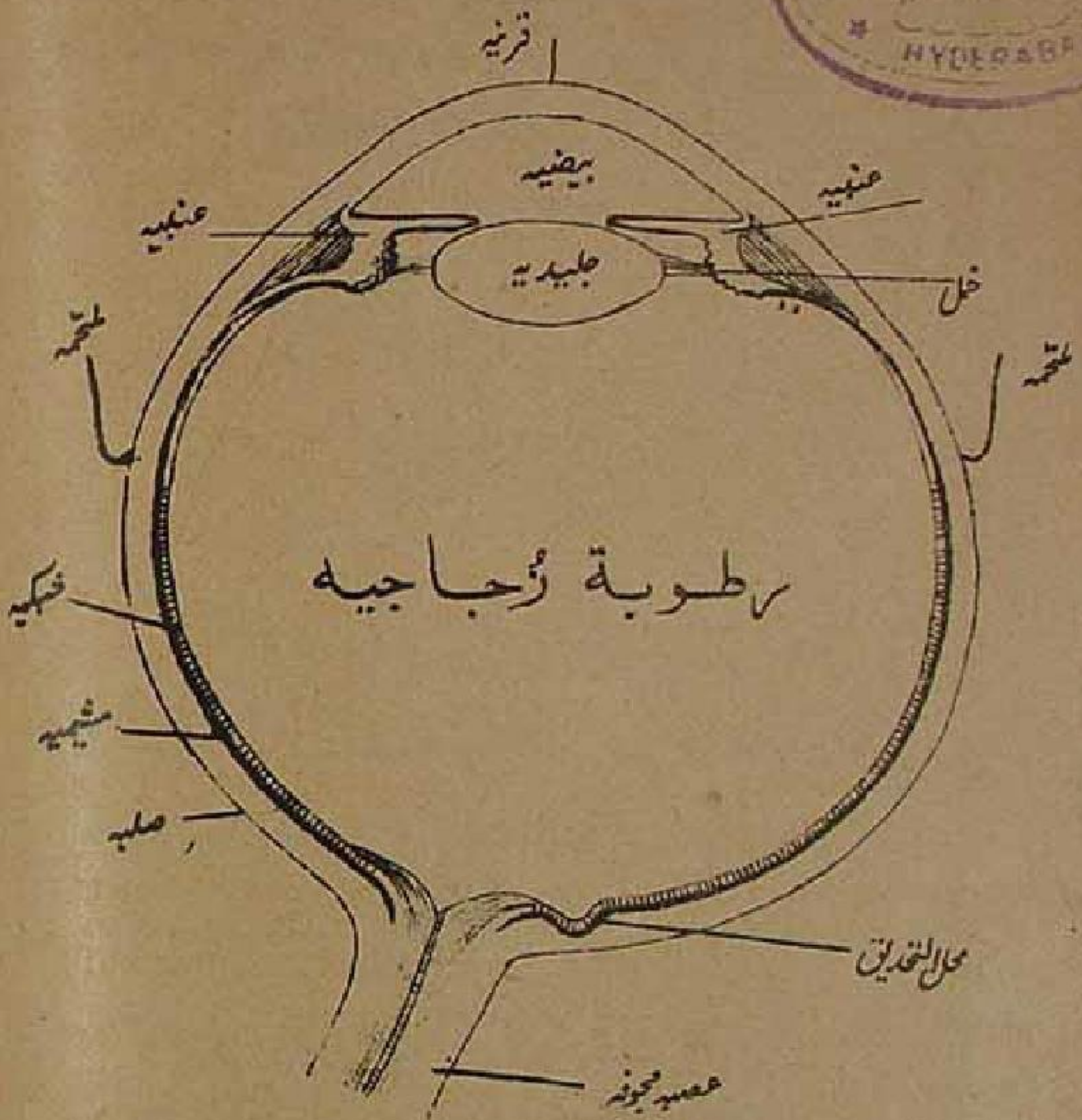
کرۂ چشم کو بیچ سے تراش کر دکھایا گیا ہے

کا نام عِلْمُ المَنَاظِر ہے، جس پر ہزاروں صفحات کی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں [1]

عَیْنُ (آنکھ)

رَبَّن طبری نے آنکھ کو بدن کے "چراغ" سے تشبیہ دی ہے، اور عام اطباء قوتِ بینائی کو "نُورُ البَصَر" کہا کرتے ہیں۔ [2]

کیونکہ تمام حواس میں آنکھ کو جو تعلق نُور (روشنی) سے ہے، وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ بینائی کا عمل نور کے وجود پر موقوف ہے، اور تاریکی میں ہرگز کوئی چیز دکھائی نہیں دے سکتی، نیز اگر آنکھ نہیں، تو ساری دنیا تاریکی ہی تاریکی ہے۔

علاوہ ازیں حکماءِ قدیم کا ایک گروہ (ریاضیین) یہ رائے رکھتا تھا کہ فعل ابصار کے وقت آنکھوں سے نورانی شعاعیں خارج ہوا کرتی ہیں۔

ترکیبِ عَیْن

آنکھ کو کُرَۃُ العَیْن (کرۂ چشم: آنکھ کی گولی) کہا جاتا ہے، کیونکہ آنکھ کا ڈھیلا گیند یا گولی (کُرَہ) کی شکل پر تقریباً گول بنایا گیا ہے۔ جو عضلات کی امداد سے خانۂ چشم (مِحْجَر) کے اندر ہر طرف گھومتا رہتا ہے۔

آنکھ کی یہ گولی چند جھلیوں سے بنی ہے، جن میں بعض عصبی ہیں بعض عروقی، اور بعض رباطی۔ یہ جھلیاں پیاز کی طرح کئی پرت بناتی ہیں، جن کو طبقاتِ چشم کہا جاتا ہے۔ ان طبقات کے وسط میں (جن کی تعداد کسی مقام پر تین سے زائد نہیں) ایک خلاء (کوٹھری) حاصل ہو جاتی ہے،

---

[1] جن میں سے ایک ضخیم کتاب (تنقیح المناظر) دو جلدوں میں "دائرۃ المعارف" حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

[2] اسی مناسبت سے عصبۂ باصرہ کو عصبۂ نُورِیّہ اور تقاطع صلیبی کو مَجْمَعُ النُّور کہا کرتے ہیں۔

جن کو تین رطوبتیں (رطوبات چشم) پُر کرتی ہیں،

طبقات	صُلبیہ مع قرنیہ	مشیمیہ مع رعنبیہ	شبکیہ (ملتحمہ و عنکبوتیہ اختلاف)
رطوبات	زُجاجیہ	جَلیدیہ	بَیضیہ

طبقاتِ چشم

طبقۂ صُلبہ (صُلبہ: سخت) یہ سب طبقات میں سے بیرونی طبقہ ہے، جو بہت ہی سخت اور مستحکم بنایا گیا ہے۔ آنکھ کی مخصوص شکل اسی سے قائم ہے۔ یہ بلحاظ جوہر رباطی ہے۔ آنکھ کی گولی کا بڑا دائرہ اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ دائرہ اکلیل[1] پر ختم ہوتا ہے، جہاں سے قرنیہ شروع ہو جاتا ہے۔

طبری کہتے ہیں:

"اس کی شکل (تقریباً) گول ہے، جو بیشتر اجزاء چشم سے (بصورتِ احاطہ) متصل ہے۔"

یعنی اس کی گولائی میں سے محض قرنیہ نے ذرا سی کمی پیدا کر دی ہے، ورنہ آنکھ کی پوری گولائی پہ اسی کا احاطہ ہوتا ہے۔

قرنیہ اسی طبقہ کے اگلے حصے سے **طبقۂ قرنیہ** بنتا ہے، جو سینگھ کے باریک طبقات اور صیقل کئے ہوئے پرتوں کی طرح شفاف ہوتا ہے۔ (قرن: سینگھ)

طبری کا قول ہے:

"قرنیہ میں چار پرت ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے سے اس طرح چپکے ہوئے ہیں کہ سب مل کر ایک طبقہ کی صورت میں تبدیل ہو گئے ہیں، جن کا بظاہر احساس نہیں ہوتا۔ (کُنّاش طبری)

[1] اِکلیل: وہ مقام یا دائرہ، جہاں آنکھ کی سیاہی اور سفیدی باہم ملتی ہیں۔ (اِکلیل: تاج)

طبقۂ مشیمیہ

طبقۂ صلبیہ سے اندر کی طرف طبقۂ مشیمیہ ہے، جو جنین کی غشاء مشیمی اور آنول کی طرح بہت ہی عروقی ہے جس سے بیشتر اجزاءِ چشم کا تغذیہ ہوتا ہے، اور یہ اس کا اہم فعل ہے۔

(یہ مَشِیمَۃُ الجَنِین کی طرف منسوب ہے)

صلبیہ کی طرح یہ بھی بہت بڑا ہے، اور قرنیہ کی طرح عنبیہ بہت چھوٹا سا۔

عِنَبِیّہ

اسی طبقۂ مذکورہ کے اگلے حصے سے، مقامِ اِکلیل کے پاس طَبَقَۂ عِنَبِیّہ بنتا ہے، جس کے وسط میں انگور (عِنَب) کی طرح ایک سوراخ ہوتا ہے۔ جو انگور سے تنکہ الگ کرنے پر نظر آتا ہے۔ اس سوراخ کو ثُقبۂ عِنَبِیّہ اور اِنسانُ العَین (پُتلی، مردمکِ چشم) کہا جاتا ہے۔

طبقۂ عنبیہ سے متصل، اس کی اندرونی سطح کے پاس کچھ مخملی زوائد ہوتے ہیں، جن کو "خَمْل" کے نام سے پکارا جاتا ہے[1]۔

(خَمْلُ العِنَبِیَّۃ: زوائدِ ہدبیہ)۔

طَبری کہتے ہیں: "طبقۂ عنبیہ فی الحقیقت دو طبقات سے مرکب ہے:

اس کے اندر کی طرف ایک طَبَقَۂ خَمْلِیّہ ہے، جس کے خمل نازک، نرم، اور روئیں (زِئْبَر: پھولنڈے) جیسے ہوتے ہیں۔" (کناش)

یہ طبقہ مختلف لوگوں اور مختلف اقوامِ عالم میں مختلف قسم کا ہوتا ہے، یعنی سیاہ، نیلگوں، بھورا (اَشْعَل: سرخی مائل)، کرنجی (اَشْہَل: سیاہ نیلگونی مائل)۔

ثقبۂ عنبیہ کا فائدہ

ابو سہل مسیحی کہتے ہیں:

"چونکہ طبقۂ عنبیہ (قرنیہ کی طرح) شفاف نہیں ہے (بلکہ مکدر ہے)، جو نفوذِ بصر (اور نفوذِ نور) میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، اس لئے اس کے وسط میں رطوبتِ جلیدیہ کے مقابل ایک سوراخ (ثقبۂ عنبیہ) بنا دیا گیا ہے — کیونکہ بَصَر اور مُبْصَر[2] کے درمیان جو چیز واقع ہو، اُسے شفاف ہونا چاہئے۔

---

[1] قالین اور غالیچہ میں جو روئیں پائے جاتے ہیں، انھیں خَمْل کہا جاتا ہے۔ اسی سے مخمل ماخوذ ہے، جو اصل میں مُخْمَل (روئیں دار) ہے۔

[2] مبصر: مرئی۔ وہ چیز جو دکھائی دیتی ہے۔

یا اس میں چھید ہونا چاہیئے، ورنہ اُس کے پیچھے کی چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں۔"

اس کے بعد کہتے ہیں؛

"اس سوراخ میں یہ خوبی رکھی گئی ہے، کہ (بیرونی) روشنی کی زیادتی کے وقت تنگ ہو جاتا ہے، اور اس کی کمی کے وقت پھیل جاتا ہے"

— یعنی بیرونی نور کے لئے یہ ضابطہ ہے۔

"ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ نور کی زیادتی چونکہ بینائی کے فعل میں باعثِ مضرت بن جاتی ہے، اور اس کی افراط ابصار کو بگاڑ دیتی ہے، اس لئے ثقبۂ مذکور ایسی صورت میں سمٹ کر تنگ ہو جاتا ہے، اور روشنی کی اذیّت سے بینائی محفوظ ہو جاتی ہے۔"

"اس کے برعکس جب (باہر) روشنی کم ہوتی ہے (جیسا کہ ابر، غبار، شام اور دوسری تاریکیوں کے وقت بیرونی فضا میں روشنی کم ہوتی ہے)، تو یہ سوراخ پھیل جاتا ہے، تاکہ اندر روشنی کی زیادہ مقدار پہونچے، جو عملِ ابصار کے لئے کافی ہو۔" (منۃ، کتاب ۵)

اِمامِ ابنِ ھَیثَم بھی اس خیال کے مؤیّد ہیں، کہتے ہیں:

"جب مقام روشن ہوتا ہے، تو طبیعت تھوڑی روشنی روانہ کرتی ہے، اور جب مقام تاریک ہوتا ہے، تو زیادہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس وقت سوراخ پھیل کر بڑا ہو جاتا ہے۔"

(تنقیح المناظر)

امام ابن ھَیثَم زکریا رازی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ثقبۂ عِنَبیَہ (پتلی) کے سکڑنے اور پھیلنے کا سبب ایک بہت ہی باریک عضلہ ہے، جس کے سپرد یہ کام ہے، مگر بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہو سکتا۔

"اس عضلہ کی منفعت یہ ہے کہ وہ حسب ضرورت سوراخ کی مقدار کی نگرانی رکھتا ہے، تاکہ آنکھ کے اندر پہونچنے والی روشنی جودتِ ابصار

(غربی مینائی) کے مطابق ہو"

(تنقیح المناظر)

طبقۂ شبکیہ طبقۂ مشیمیہ سے اندر کی طرف طبقۂ شبکیہ ہے؛ جو رطوبت زجاجیہ کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے، جس طرح جال شکار کو گھیر لیتا ہے۔ (شبکہ: جال)۔

طبقۂ شبکیہ ہی میں عصبۂ باصرہ کے ریشے ختم ہوتے ہیں؛ گویا بینائی ہی کا عصب پھیل کر شبکیہ بن گیا ہے؛ اسی وجہ سے اس کو بجا طور پر عصبی کہا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کی اگلی حد مقام اکلیل پر ختم ہوتی ہے۔

آنکھ کے طبقات کا تعلق دماغی پردوں سے عصبۂ باصرہ جب دماغ سے اگتا ہے، تو دیگر اعصاب کی طرح اس پر دو پردے بھی لپٹ جاتے ہیں، جو دماغ پر محیط ہوتے ہیں؛ جس طرح درخت کی شاخوں پر وہ چھلکا محیط ہوتا ہے، جو تنے پر لپٹا رہتا ہے۔ مثلاً اُمّ غلیظہ ـــ اُمّ رقیقہ۔

آنکھ کا بیرونی دبیز طبقہ صُلبیہ دماغ کی بیرونی دبیز جھلی اُمّ غلیظہ سے اسی عصبۂ باصرہ کے ذریعہ ارتباط رکھتا ہے۔ گویا وہ اسی دماغی پردے کا بڑھاؤ ہے۔

اسی طرح آنکھ کا درمیانی عروقی طبقہ مشیمیہ دماغ کی عروقی جھلی اُمّ رقیقہ سے ارتباط و تعلق رکھتا ہے، گویا وہ اسی عروقی پردے سے بنا ہے؛ اور اسی کی طرح عروقی ہے۔

اِکلیل "اِکلیل، یا، اکلیل العین وہ دائرہ ہے، جس پر تمام طبقات کے کنارے ختم ہوتے ہیں"۔ (علی گیلانی)

یہ وہی دائرہ ہے، جو باہر سے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اگر آنکھ کو اس مقام سے تراشا جائے، تو جلیدیہ کا کنارا اسی مقام میں ملیگا۔

یہ ایک مشترک مقام اتصال ہے، جس پر تمام طبقات ختم ہوتے ہیں؛ مثلاً اس کے سامنے قرنیہ ہے، تو پیچھے صلبیہ، ـــ اسی طرح اسی خط پر

طبقۂ مشیمیہ ختم ہوتا، اور عنبیہ شروع ہوتا ہے، نزول الماء کے اعمال میں اس مقام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اِسی مقام پر قرنیہ کا چھوٹا دائرہ آنکھ کے بڑے دائرہ سے اتصال رکھتا ہے۔ یعنی اِس مقام پر قرنیہ ذرا اُبھرا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

طبقۂ مُلتحِمَہ آنکھ کے ڈھیلے میں سامنے کی طرف (سب سے باہر) ایک جھلی ہوتی ہے، جو آنکھ کے ڈھیلے کو پپوٹوں سے، اور آنکھ کے دیگر عضلات سے ملاتی ہے۔ اس کو طبقۂ مُلتحِمَہ کہا جاتا ہے۔

(مُلتحِمَہ: التحام: ملنا، جُڑ جانا)

عنکبوتیہ رطوبتِ جلیدیہ پر مکڑی کے جالے کی طرح ایک باریک اور حبابی جھلی ہوتی ہے، جس کو عنکبوتیہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کچھ ریشے طبقۂ شبکیہ سے، اور کچھ ریشے طبقۂ مشیمیہ سے آتے ہیں۔ (عنکبوت: مکڑی)

بقول طبری، یہ رطوبتِ جلیدیہ کا ایک حصہ ہے، جو اُسے ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

عصبہ باصرہ اور تقاطع صلیبی دونوں طرف کے عصبہ باصرہ، جس کا دوسرا نام عَصَبَہ مُجوّفَہ[1] ہے، دماغ سے نکل کر سامنے کی طرف اس طرح بڑھتے ہیں کہ دائیں عصب کو ترچھے طور پر بائیں طرف چلنا پڑتا ہے، اور بائیں عصب کو دائیں طرف، حتیٰ کہ دونوں باہم ملاقی ہو جاتے ہیں۔ اس مقامِ اتصال کو، جو صلیب کی شکل پیدا کر دیتا ہے، **تقاطعِ صلیبی** کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دونوں اعصاب الگ الگ ہو کر دونوں آنکھوں میں چلے جاتے، اور پھیل کر طبقۂ شبکیہ بناتے ہیں، جو رطوبت زجاجیہ پر محیط ہو جاتا ہے۔

رطوباتِ چشم: آنکھ کی خلاء میں، جو مذکورہ طبقات سے بنتی ہے، تین

---

[1] اس کو عصبہ مُجوّفہ (جوفدار، نالیدار) اس لئے کہا جاتا ہے، کہ اس میں ایک باریک شریان گزرتی ہے، جو طبقۂ شبکیہ میں پھیلتی ہے۔ اسی طرح اس کو مجوّفاء (جوفدار) بھی کہا جاتا ہے۔

رطوبتیں بہ ترتیب ذیل پائی جاتی ہیں:

رطوبۃ زُجاجیہ کرۂ چشم کی پچھلی خلا میں رطوبت زُجاجیہ ہے، جو پگھلی ہوئی کانچ کی طرح نیم سیّال اور گاڑھی ہوتی ہے۔
(زُجاج: کانچ)

طبری کہتے ہیں:

"طبقۂ شبکیہ کے بعد (اور سامنے) ایک رطوبت ہے، جو کانچ کے رنگ کی (یعنی پگھلی ہوئی کانچ کی طرح) لیسدار اور صاف شفاف ہوتی ہے، جس میں نور کسی رکاوٹ کے بغیر نفوذ کرسکتا ہے۔ یہ رطوبت (جلیدیہ کے مقابلہ میں) نرم اور ڈھیلی سی ہے۔"

"رطوبتِ زجاجیہ" "رطوبتِ جلیدیہ" کے لیے گدے (وطاء[1]) کے مانند ہو، جس میں جلیدیہ سے گھس کر اپنے لیے ایک (نرم اور مقعر) فرش یا گدا بنا لیا ہے[2]۔" (معالجات بقراطیہ)

"یہ شبکیہ کی تجویف کو جلیدیہ تک (اکلیل تک) پر کرتی ہے":
یعنی طبقۂ شبکیہ، جو ایک عصبی طبقہ ہے، اس کے کروی پھیلاؤ سے ایک گول جوف بن جاتا ہے، جس کی اگلی سطح مقعر ہوتی ہے۔ اس پورے جوف کو یہ رطوبتِ زجاجیہ اپنے حجم سے بھر دیتی ہے۔

"اور زجاجیہ کو شبکیہ پیچھے کی جانب سے اس طرح اپنے گھیرے میں لیتی ہے، کہ اُس سے ایک بہت بڑا دائرہ بن جاتا ہے۔" (تنقیح المناظر)

رطوبۃ جَلِیدِیّہ (رطوبۃ عَدَسِیّہ) رطوبتِ زجاجیہ سے آگے رطوبتِ جَلِیدِیہ (عَدَسِیّہ[3]) ہے، جو اولے کی طرح گول سی، شفاف اور نسبتاً سخت ہے، اور جو مسور کی شکل پر آگے پیچھے سے محدب ہے (مُحَدَّب الطَّرَفَیْن)۔ (جَلِید: اولہ؛ عَدَس: مسور)

---

[1] وِطَاد: بچھونا، فرش، بستر۔
[2] یہاں جلیدیہ کی پچھلی محدب سطح قیام پاتی ہے۔
[3] عَدَسِیّۃُ الشّکل (دائیں مسل سیمی) نیز ابن نفیس صاحب کتاب "العمدۃ فی الجراحۃ" نے کہا ہے کہ رطوبت جلیدیہ کا دوسرا نام عَدَسیہ ہے۔

"رطوبتِ جلیدیہ کی اگلی سطح میں تحدب نسبتہً کم ہوتا ہے، اور پچھلی سطح میں زیادہ۔" یعنی بالغوں میں اگلی سطح نسبتہً چپٹی ہوتی ہے۔ (شیخ)
"اس کی ساخت میں پیاز کے طبقات کی طرح پرت پرت ہوتے ہیں، جو (ترکیب خاص سے) الگ الگ ہو سکتے ہیں، حتیٰ کہ ان طبقات کے ختم ہو جانے سے یہ رطوبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔" (بقراط)
اس رطوبت کا قوام باوجود سخت ہونے کے نرم بھی ہے؛ اسی وجہ سے بعض مشرحین نے اس کے جوہر کو پنیر تر (جُبن رطب) سے تشبیہ دی ہے، اور بتایا ہے کہ چھونے میں یہ نرم ہے۔
اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ دیگر رطوبات سے اگرچہ سخت ہے، مگر اس میں نرمی بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دبانے سے دب جاتی، اور پھر اپنی شکل پر لوٹ آتی ہے۔ گویا یہ ایک لچکدار بلور، یا نرم شیشہ ہے۔
آنکھ کے طبقات اور رطوبات، جب کھول کر دیکھے جاتے ہیں، تو سب سے دلکش اور جاذبِ نظر یہی رطوبتِ جلیدیہ ہوتی ہے۔ جو بلوری نگینہ کی طرح چمکتی نظر آتی ہے، اسی دلکش منظر نے اطباء سے اشرفِ اجزاءِ چشم کا لقب حاصل کر لیا۔
علاوہ ازیں آنکھ کا اہم کام مبصرات کی تصویر (شبح) کا عصبۂ باصرہ تک پہنچانا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس عمل میں سب سے بڑا حصہ رطوبتِ جلیدیہ ہی کا ہے۔
"یہ رطوبت ایک نہایت باریک اور لچکدار جھلی میں ملفوف ہوتی ہے؛ اس کی باریکی اور نزاکت کی وجہ سے اسے عنکبوتیہ کہا جاتا ہے۔
یہ جلیدیہ ہی کا ایک حصہ ہے، جو ہر چہار طرف سے اُسے گھیرے ہوئے ہے۔" (تنقیح المناظر)

رطوبتِ بَیضیّہ رطوبتِ جلیدیہ کے آگے رطوبتِ بیضیہ ہے، جو انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف ہے؛ اسی وجہ سے اس کا نام بَیضیّہ

---

[۱] بحوالہ صاحب "معالجات بقراطیہ" (کتاش طبری)

رکھا گیا ہے۔ (بَیض : انڈہ)

علامہ کمال الدین فرماتے ہیں:

"یہ انڈے کی سفیدی (بَیاضِ بَیض) کی طرح ایک شفاف اور لطیف رطوبت ہے، یعنی اس کا قوام جلیدیہ سے (بلکہ زجاجیہ سے بھی) رقیق ہوتا ہے، لیکن زجاجیہ سے زیادہ اس میں صفائی اور شفافیت پائی جاتی ہے، مردہ انسانوں میں یہ (میلی ہوجاتی اور) گوند کے رنگ کی نمتی ہے: نیز یہ مرنے کے بعد سکڑ سمٹ کر چھوٹی ہوجاتی (اور اپنی خلار کو پُر نہیں کر سکتی اس کے برعکس) زندگی میں یہ صاف اور (اپنی خلار میں) پُر ہوتی ہے۔

(تنقیح المناظر)

کیفیت ابصار

مصنف نے کہا ہے کہ

"قوتِ باصرہ کا کام رنگوں، روشنیوں، اور شکلوں کا ادراک کرنا ہے۔"

علامہ نفیس کہتے ہیں:

"اس ادراک کی کیفیت کیا ہے؟ اس میں علمار (علمار علم البصر) کا اختلاف ہے۔"

"(۱) بعض علمار (علمار ریاضیین آنکھ سے شعاع نکلنے کے قائل ہیں، یعنی آنکھ سے مخروطی شکل کا ایک شعاعی جسم خارج ہوتا ہے۔ جس کا قاعدہ بیرونی جسم مَرئی[۱] (مُبصَر) کے پاس ہوتا ہے، اور سر اس (زاویہ) آنکھ کے پاس۔"

(۲) بعض علمار استحالہ شعاعیہ[۲] کے قائل ہیں۔ یعنی آنکھ سے کسی قسم کی شعاع نہیں نکلتی، بلکہ آنکھ اور بیرونی جسم مرئی کے درمیان فضاء میں جو ہوا ہوتی ہے، وہ آنکھ کی شعاعی کیفیت حاصل

---

[۱] جسم مَرئی (مُبصَر) وہ بیرونی جسم، جو نظر آتا ہے۔

[۲] استحالہ شعاعیہ: شعاع میں تبدیل ہوجانا۔

کرکے آلۂ اَبصار اور ذریعۂ بینائی بن جاتی ہے۔"

۳۔ (۲) بعض علماء (علماء طبعی) انطباع (تصویر چھپنے) کے قائل ہیں۔ — یعنی بیرونی جسم مرئی کی تصویر (شَبَح) شفاف ہوا کی وساطت سے رطوبت جلیدیہ میں چھپ جاتی ہے۔ (پھر یہ رطوبت، جو عدسہ کی شکل پر ہوتی ہے، کچھ تغیرات، پیدا کرکے آگے روانہ کردیتی ہے)۔"

(کلیاتِ نفیس)

امام ابن ھیثم اور صاحب تنقیح المناظر نے اسی مذہب کی تائید کی ہے، اور پوری ضخیم کتاب کے بیانات کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے۔

۴۔ امام (فخرالدین رازی) فرماتے ہیں کہ بیرونی جسم مرئی جب قوتِ باصرہ کے سامنے آجاتا ہے، تو اُس کا اس طرح مقابلہ پر آجانا اس امر کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے کہ بیرونی جسم کی تصویر جلیدیہ پر قدرۃً چھپ جائے .... پھر جلیدیہ میں تصویر کا چھپنا اس امر کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں اعصاب کے مقامِ اتصال (مُلتقی العَصَبَتَین) پر قدرۃً تصویر بن جائے۔ اور اس ملتقی پر تصویر کا چھپنا حسِّ مشترک پر تصویر بننے کی قابلیت پیدا کر دیتا ہے۔ اب قوتِ حاسہ، یعنی حسِّ مشترک متاثر ہوتی ہے، اور جب یہ متاثر ہوتی ہے، تو نفس (جو حقیقی مُدرِک ہے) بیدار ہو کر بیرونی جسم مرئی کا، اور اُس کے حجم و مقدار کا ادراک کر لیتا ہے، اور اُسے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے، کہ وہ جسم کہاں ہے؛ قریب ہے، یا دُور ہے۔ الغرض یہ تصویر جو اندر چھپا کرتی ہے، محض اِبصار کا آلہ اور ذریعہ ہے — یہ خود دکھائی نہیں دیتی (بلکہ دیکھنے کا ذریعہ بن جاتی ہے)۔"

(کلیاتِ نفیسی)

فعلِ بصر اور ابن ہیثم

مذکورہ بالا اجمالی بیان کے بعد اب ذرا تفصیل کے ساتھ امام ابن ھیثم

لہ اِبصار: دیکھنا، دکھلانا۔

کے آراء کے مطابق، فلسفۂ بصر بیان کیا جاتا ہے، جو انطباع پر مبنی ہے۔

ہم کیوں کر دیکھتے ہیں؟

آنکھ میں قدرت نے اس قسم کا انتظام رکھا ہے کہ روشنی کی موجودگی میں بیرونی اشیاء کی تصویریں آنکھ کے اندر چھپ جاتی ہیں، فرق صرف اس قدر ہے کہ باہر وہ چیز بڑی ہوتی ہے، اور اندر اُن کی تصویر بہت ہی چھوٹی سی۔ چنانچہ مثلاً ہمارے سامنے ایک ہاتھی، یا ایک پہاڑ ہے، جسے ہم دیکھنا چاہتے ہیں، تو ان کی تصویر جو آنکھ کے اندر پہونچے گی، وہ آنکھ کی پتلی ہی کی راہ اندر گزرے گی۔ اگر پہاڑ اور ہاتھی کی پورے حجم کے برابر تصویر ہو، تو اتنی سی پتلی کی راہ کیسے گزر سکے گی۔

اب اگر بیرونی پہاڑ یا بیرونی ہاتھی کا مقابلہ آنکھ کے اندر کے پہاڑ یا ہاتھی سے کیا جائے، اور دونوں کے درمیان خطوط کھینچے جائیں، تو اندرونی پہاڑ ایک نقطے کے برابر ہوگا، اور باہر کا پہاڑ ایک وسیع رقبے کو گھیرے گا۔

مخروط شعاعی

اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا جاتا ہے کہ "جب آنکھ کسی مُبصَر (مرئی) کے مقابل ہوتی ہے، تو آنکھ اور اس مبصر کے درمیان ایک مخروط بن جاتا ہے، جس کا راس (راس المخروط) اگر آنکھ میں ہوتا ہے، تو اس کا قاعدہ مُبصر کی سطح پر۔" (ل)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنکھ کے اندر یہ تصویر کیسے بنتی ہے، خود ہاتھی یا پہاڑ تو آنکھ کے اندر داخل نہیں ہوتا؟

شعاعی خطوط

اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ ادراک بصر کے وقت بیرونی جسم مرئی (مُبصر) کے ہر حصے سے شعاعی دھاریاں خارج ہو کر آنکھ کے اندر ایسی ترتیب و نظام سے پہونچتی ہیں کہ اندر بعینہ اُس جسم کی تصویر رنگ کے ساتھ بن جاتی ہے، گو وہ بہت ہی چھوٹی ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ بینائی کا ادراک شعاعوں کے ذریعہ ہوا کرتا ہے جن کو شعاعی دھاریاں (خطوط شعاع) کہا جاتا ہے، اور جو مرکز بصر سے

ل امام رازی [illegible] تحفۃ المناظر

ملاقی ہوتے ہیں (سلہ)

قوتِ بینائی آنکھ میں نہیں

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ درحقیقت قوتِ بینائی آنکھ میں نہیں ہے — آنکھ تو تصویر چھاپنے کا محض ایک آلہ اور ذریعہ ہے — قوتِ باصرہ کا حقیقی مقام مُقدَّمِ دماغ میں ہے، جس کو امام ابن ہیثم نے حسّاس اخیر کے نام سے یاد کیا ہے: وہ قائل ہے کہ

"شعاعی دھاریوں کے ذریعہ جو تصویر جلیدیہ پر پڑتی ہے، وہ (دوسرے احساسات کی طرح) عصبۂ مجوّفہ کے ریشوں کے ذریعہ مقدّم دماغ میں پہونچتی ہے، جہاں آخری احساس ہوتا ہے؛ یعنی حسّاسِ اخیر، جو دراصل قوتِ حسّاسہ نفسانیہ ہے، وہ مقدمِ دماغ میں واقع ہے۔ اور جو محسوسات کا حقیقی مُدرِک ہے؛ رہی آنکھ، تو وہ ادراک کا محض ایک آلہ ہے، جس کا کام مبصرات کی تصویروں کا قبول کرنا، اور ان کو حساس اخیر تک پہونچا دینا ہے۔"ٹلہ

یعنی بیرونی اشیاء (مُبصَرات) سے شعاعی دھاریاں قرنیہ و رطوبتِ بیضیہ سے نفوذ کر کے ثقبۂ عنبیہ (پُتلی) کی راہ جلیدیہ پر پڑتی ہیں، — پھر جلیدیہ چونکہ مسور کی طرح محدب الطرفین ہے، اس لئے ان شعاعوں میں یہاں لازماً کم و بیش اِنعِطاف[سے] واقع ہوتا ہے، جس سے شعاعی لکیریں باہم زیادہ قریب ہو کر اور سمٹ کر عصبی پردہ (شبکیہ) پر پڑتی ہیں، جس سے شبکیہ کے اعصاب متاثر ہوتے ہیں: — پھر شبکیہ کے اعصاب کے توسط سے شعاعوں کے یہ اثرات مقدمِ دماغ کے مخصوص جزء (حسّاسِ اخیر) تک پہونچ جاتے ہیں — یعنی جس طرح دُکھ درد، گرمی، سردی بدبو اور خوشبو، نزدیک اور دُور کی آواز وغیرہ کا احساس دماغ کے مختلف

سلہ امام ابن ہیثم (تنقیح المناظر) سے انعطافِ شعاع: شعاع کا مڑ جانا، خم کھا جانا
ٹلہ تنقیح المناظر ص ۱۶۹

اجزار ہی میں پایا جاتا ہے، اسی طرح احساس بصارت کی خدمت بھی دماغ ہی کے سپرد ہے۔

تحدیق بصر

جب آنکھ کے سامنے ایک وسیع رتبہ ہوتا ہے، تو گو سامنے کی چیزیں بہت بڑے حصے تک دکھائی دیتی ہیں، لیکن ہر چیز یکساں صاف ہرگز نظر نہیں آتی؛ بلکہ نگاہ کے سامنے عین وسط میں جو چیز ہوتی ہے، وہ زیادہ صاف نظر آتی ہے؛ اور اس کے بعد اس سے قریب کی چیزیں۔ — اسی طرح وسط و مرکز سے چیزیں جتنی دور ہوتی چلی جاتی ہیں، اسی قدر بتدریج دُھندلی ہوتی چلی جاتی ہیں۔

جس وقت ہم کسی باریک چیز کو گھور کر دیکھتے ہیں، تو ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ چیز ہماری نگاہ کے ٹھیک محور پر آجائے چنانچہ جب وہ اس خاص خط پر آجاتی ہے، تو صاف نظر آنے لگتی ہے۔ باریک ہلال کے دیکھنے میں یہی صورت پیش آیا کرتی ہے۔ اسی کو تحدیق (گھورنا) کہا جاتا ہے۔

امام ابن ہیثم نے اس حقیقت کی جو توضیح کی ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"بَصَر اور مُبْصَر کے درمیان ایک شعاعی مخروط بنا کرتا ہے (جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے)، جس کا قاعدہ مُبْصَر کی سطح پر، اور سر اس آنکھ کے اندر ایک خاص نقطہ پر ہوتا ہے۔ اس مخروط کے مرکزی خط (سہم) پر مُبْصَر کے جس حصے کی تصویر آنکھ کے اندر چھپتی ہے، وہ صاف اور واضح ہوتی ہے اور جو حصہ اس سے دُور ہوتا ہے، وہ اسی دُوری کے تناسب سے غیر واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔"

بصر کے اس محوری نقطہ کو، جہاں بینائی تیز ہوتی ہے، ابن ہیثم "مَحَلّ التَّحْدِیق" کی اصطلاح سے یاد کرتا ہے۔

دو آنکھوں سے ایک نظر آنا

جب انسان کی دونوں آنکھیں طبعی وضع پر ہوتی ہیں، تو دونوں آنکھوں سے دیکھنے پر ایک چیز ایک ہی نظر آتی ہے؛

حالانکہ ایک چیز کی تصویر دونوں آنکھوں میں الگ الگ چھپتی ہے۔
لیکن جب ایک آنکھ تو اپنی طبعی وضع پر قائم ہو، اور دوسری آنکھ کو نرمی کے ساتھ انگلی کے سہارے سے اس طرح دبایا جائے کہ اُس کی طبعی وضع بدل جائے۔ اسی حالت میں دونوں آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھا جائے، تو وہ دو نظر آئے گی۔
پھر اگر اس ہاتھ کو ہٹا لیا جائے، اور آنکھ طبعی وضع پر لوٹ آئے، اس کے بعد دونوں آنکھوں سے دیکھا جائے، تو وہ چیز ایک نظر آئے گی۔
اور اگر دبانے کی حالت میں دوسری آنکھ بند کر لی جائے، تو بھی وہ چیز ایک ہی نظر آئے گی۔
بقول ابن ہَیثَم اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں آنکھیں طبعی وضع پر ہوتی ہیں، یعنی دونوں کا مُحور ایک ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں دونوں آنکھوں کی دونوں تصویریں عَصَبَۂ مشترکہ[1] نامی مقام میں پہونچ کر باہم مل جاتی، اور مل کر ایک ہو جاتی ہیں، جس کو حاسِّ اَخیر ایک ہی ادراک کر لیتا ہے۔
اور جب دونوں آنکھوں کے مِحوَر بدل جاتے ہیں، جیسا کہ دبانے سے، اور مرض حَوَل (بھینگے پن) میں ہوتا ہے، تو حاسّ اخیر تک دو تصویریں پہونچتی ہیں، اس لئے ایک چیز دو نظر آیا کرتی ہے۔

بہ الفاظِ دیگر

جب دونوں آنکھیں طبعی وضع پر ہوتی ہیں، تو مُبصَر کی تصویریں دونوں آنکھوں میں دو ایسے مقامات پر چھپتی ہیں، جو بہ لحاظِ عصبہ مشترکہ ایک دوسرے کے مطابق ہوتے ہیں، یعنی دونوں مقامات کی دو تصویریں عصبۂ مشترکہ میں ایک ہو جاتی ہیں۔ ایسے مقامات کو ابن ہَیثَم مَوَاضِع مُتشابِہَہ کہتا ہے۔

روشنی کی تاثیر کی نوعیت | ایک لطیف سوال ہے کہ ہماری بینائی روشنی سے کیونکر

[1] عَصَبَہ مشترکہ کو مُلتَقَی العَصَبَتَین بھی کہا جاتا ہے۔ (مُلتَقی: ملاپ کا مقام۔ عَصَبَتَین: دو اعصاب)

متاثر ہوتی ہے؟

اِس کا جواب علامہ ابن ھیثم نے یہ دیا ہے کہ

"روشنی سے بینائی کا یہ تاثر جنسِ الآلام سے ہے"۔

یعنی درد پیدا کرنے والی چیز سے ہمارے اعصاب جس طرح متاثر ہوتے ہیں، اسی طرح روشنی کی شعاعوں سے آنکھوں کے اعصاب باصرہ متاثر ہوتے ہیں۔

بات صرف اتنی ہے کہ روشنی روشنی میں فرق ہے: ایک روشنی وہ ہوتی ہے، کہ آنکھ اُسے برداشت نہیں کرتی، اور انسان کو بے چین کر دیتی ہے۔

ایک روشنی وہ ہوتی ہے جسے قابلِ برداشت کہا جا سکتا ہے۔

اور ایک روشنی وہ ہوتی ہے، کہ وہ اپنے ضعف کی وجہ سے نظر ہی نہیں آتی — یعنی قوتِ حاسّہ پر اُس سے قابلِ ذکر کوئی بار ہی نہیں پڑتا۔

اس کے بعد ابن ھیثم کہتے ہیں:

"اس کی دلیل کہ روشنی کی تاثیر آلام (دردوں) کے قبیلے سے ہے، یہ ہے کہ تیز روشنیاں بینائی کو پریشان کر دیتی، اور آنکھوں کے لیے باعثِ آلم بن جایا کرتی ہیں، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے — اور ہر روشنی کی تاثیر ایک ہی جنس سے ہے، فرق محض شدت و خفت کا ہو سکتا ہے"۔ (تنقیح المناظر)

دیکھنے میں کیا وقت خرچ ہوتا ہے؟

اس سوال کا جواب ابن ھیثم اثبات میں دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ ہمارے حواس کا قصور ہے کہ غایت درجہ کی چھوٹی چیزوں کا وہ پتہ نہیں چلا سکتے۔ ورنہ دیکھنے میں وقت ضرور صرف ہوتا ہے! کیونکہ بیرونی اشیاء کی تصویروں کا جلیدیہ پر پڑنا، پھر جلیدیہ سے طبقۂ شبکیہ پر پہنچنا، پھر یہاں سے عصبۂ مشترکہ کے ذریعہ مقدم دماغ کے حاسّ اخیر تک روانہ ہونا — یہ ایسے کام نہیں ہیں، جو آن واحد میں ہو جائیں، ان میں وقت ضرور خرچ ہوتا ہے، گو اقل قلیل ہی سہی۔ علاوہ ازیں بینائی کے

لہ آلام: اَلَم کی جمع: درد

عمل یہ ہیں کہ نورانی شعاعوں سے آنکھ کے اعصاب متأثر ہوتے ہیں، اور تاثر ایک قسم کا تغیر ہے، اور تغیر میں کچھ نہ کچھ وقت لگتا ہے، خواہ تھوڑا ہی سہی۔

تیز روشنی کا اثر

پھر یہ تاثر گاہے سریع الزوال ہوتا ہے، اور گاہے دیرپا، چنانچہ اگر کسی تیز روشنی کو دیکھا جائے، تو آنکھ میں اس کا اثر کافی دیر تک باقی رہتا ہے، بلکہ بعض اوقات بینائی ہمیشہ کے لئے باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابن ھیثم کہتے ہیں کہ

"میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے، جو آفتاب کو دیر تک ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ سے دیکھتا رہا، جس سے اُس کی آنکھ میں قرصِ آفتاب کی تصویر بن گئی۔ چنانچہ وہ جب کسی چیز کی طرف اس آنکھ سے نگاہ ڈالتا، تو مخروطِ شعاعی کے وسط میں یعنی محلِ تحدیق میں قرصِ آفتاب کی صورت پیدا ہو جاتی، اور اس کی سیدھ میں باہر جو چیز واقع ہوتی، اُس قرص کے برابر، وہ نظر سے اوجھل رہتی" — اس کے معنی یہ ہوئے کہ آفتاب کی تیز شعاعوں سے آنا حصہ اندھا ہو گیا — "اُس شخص کی یہ کیفیت مدۃ العمر باقی رہی"۔

آنکھیں دو کیوں بنائی گئیں؟

آنکھوں کے دو ہونے کا ایک فائدہ تو بہت ہی مشہور ہے، یعنی کسی وجہ سے ایک آنکھ اگر ماؤف ہو جائے تو دوسری آنکھ کام کرتی رہے۔

دوسرا فائدہ، جو بقول علامہ کمال الدین فارسی[۱]، "آنکھ کے دو ہونے کا سب سے بڑا فائدہ، جس کو کسی نے ذکر نہیں کیا ہے — یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کو دونوں آنکھوں سے دیکھتے ہیں، تو ایک آنکھ سے دیکھنے کے مقابلہ میں وہ چیز زیادہ واضح طور پر دکھائی دیتی ہے"۔

---

[۱] علامہ کمال الدین الفارسی، یہ کتاب تنقیح المناظر کے مصنف ہیں، یہ کتاب دراصل علامہ ابن ھیثم کی کتاب المناظر کی شرح و تلخیص ہے۔

آنکھ میں تصویریں اُلٹی ہوتی ہیں

رطوبت جلیدیہ چونکہ گول اور مسور نما (عدسی الشکل) ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ ایسی شفاف چیزوں سے جو شعاعیں داخل ہو کر خارج ہوتی ہیں، وہ سیدھی نہیں رہتی ہیں، بلکہ وہ کم و بیش مُڑ جاتی ہیں (انعطاف) یعنی دائیں طرف کی شعاعیں بائیں طرف چلی جاتی ہیں، اور بائیں طرف کی دائیں طرف۔ وعلیٰ ہذا اوپر کی نیچے، اور نیچے کی اوپر۔

اس لیے آنکھ میں جو تصویریں بنتی ہیں، ان کے تمام اجزاء کی وضع برعکس ہوتی ہے، یعنی مثلاً دائیں ہاتھ کی وضع بائیں طرف، اور بائیں ہاتھ کی وضع دائیں طرف، اسی طرح سر نیچے، اور پاؤں اوپر۔

چنانچہ ابن ھیثم کہتے ہیں:

"تصویریں جو جلیدیہ کی سطح میں منعطف ہوتی ہیں، اُن کے سارے اوضاع اُلٹے ہوتے ہیں۔"

إنّ أوضاعَ الصُّوَرِ المُنعطِفَةِ فی سَطحِ الجَلیدیّةِ مُنتَکِسَةٌ

رطوبت جلیدیہ گول کیوں بنائی گئی

علّامہ ابن ھیثم کہتے ہیں کہ

"رطوبت جلیدیہ میں گولائی (کرویّت) اس لیے رکھی گئی ہے کہ اُس کی گردی سطح پر جو سیدھی شعاعیں پڑیں، وہ (منعطف ہو کر) ایک نقطہ سے خارج ہوں۔"

اس نقطہ کو، جہاں شعاعیں منعطف ہو کر اکٹھی ہوتی ہیں، گاہے **نقطۂ احتراق** اور **مُحترق** کہا جاتا ہے، اور گاہے **نقطۂ جامعہ** اور **ماسکہ**۔

نقطۂ احتراق اور مُحترق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نقطہ کے مقام میں تکاثفِ شعاع کی وجہ سے، شدّتِ نور کے علاوہ، شدّتِ حرارت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ عدسہ نما آتشیشوں کے ذریعہ سورج کے سامنے تجربہ کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ اس نقطہ پر کپڑا جل جاتا ہے۔

(احتراق: جلنا۔ مُحترق: جل جانے کا مقام)

اس نقطہ کو گاہے بہ نظرِ اختصار مُحرِقہ (جلانے والا نقطہ) بھی کہا جاتا ہے۔

طبقاتِ چشم میں گولائی | رطوبتِ جلیدیہ کے اصول پر طبقۂ قرنیہ بھی گول ہے، اور اس کی گولائی کی منفعت بھی (بقول ابن ہیثم) وہی ہے، جو جلیدیہ میں بتائی گئی۔

علاوہ ازیں رطوبت جلیدیہ اور آنکھ کے اگلے طبقات کو اگر گول نہ بنایا جاتا، بلکہ یہ سطح اور ہموار ہوتے، تو بڑے بڑے مُبصرات کی تصویریں، جو اب چھوٹے سے زجاجیہ میں عجیب بنایا کرتی ہیں یہ اسی وقت ممکن ہوتا، جب ان کے مطابق طبقات بھی ان کے برابر ہوتے۔

اس کے بعد ابن ھیثم آنکھ کی گولائی کی ایک منفعت یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہر طرف گول چیز کا پھرانا آسان ہوا کرتا ہے، جس کی ضرورت آنکھ میں شدید ہے۔ (تنقیح المناظر ۱۴۵)

---

(۲) قوتِ سامعہ

فعلِ سمع

قوّتِ سامعہ (سُننے کی قوّت):
اس قوّت کا مقام وہ عَصَبَہ (پٹّھا) ہے، جو کان کے سوراخ میں بچھا ہوا ہے۔
قوتِ سامعہ کا کام آوازوں کا ادراک کرنا ہے۔
(قرشی)

کان (اُذُن)

حواسِ خمسۂ ظاہرہ میں کان وہ عضو ہے، جس سے آواز کی بیرونی تموّجات

صَوتیّہ) کا احساس ہوتا ہے۔
کان متعدد اجزاء سے مرکب ہے:

(۱) { بیرونی حصہ — کان (غُضْرُوفُ الْأُذُن)
کان کا بیرونی سوراخ (صِمَاخِ ظَاھِر)

(۲) { درمیانی حصہ (جَوْبَہ: طَبلہ)
(عُظَیمَاتُ السَّمْع)

(۳) { اندرونی پیچیدہ حصہ (لَوْلَب، عِطَافَات)
کان کا اندرونی سوراخ (صِمَاخِ بَاطِن)

غُضْرُوفُ الْأُذُن صِمَاخِ ظَاھِر	جَوْبَہ (طَبلہ) عُظَیمَاتُ السَّمْع	لَوْلَب عِطَافَات

(۱) بیرونی حصہ (غُضْرُوفُ الْأُذُن)

یہ حصّہ غضروفی ہے، جس کے اندر کان کا بیرونی سوراخ (صِمَاخ ظاھر) واقع ہے؛ یہی حصہ عُرفاً کان (اُذن) کہلاتا ہے۔ چونکہ اس کری میں بہت سے نشیب و فراز ہوتے ہیں، اس لئے شیخ نے اس کو صَدَف مُعوَج (ٹیڑھی سیپ) کی اصطلاح سے یاد کیا ہے، اور ابوسہل نے صَدَفہ ناشِرہ (پھیلی ہوئی سیپ) کی اصطلاح سے۔

اس کری کا فائدہ ہوائی موجوں کو قبول کرکے متاثر ہونا، اور ان کو سماعت کے اصلی آلہ تک پہونچا دینا ہے۔

کری میں نسبۃً سختی پائی جاتی ہے، اس لئے کان کی کری میں آواز کی لہروں سے ایک قسم کی لرزش واقع ہوتی ہے جسے شیخ نے طَنِین (کھنکھناہٹ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے[۲]۔ اسی وجہ سے کان کی کری کی جبلہ

---

[۱] کما صرح بہ صاحب الکامل۔

[۲] وجعل لہ صَدَف مُعوَج لیحسن جمع الصوت ویوجب طَنِینہ۔ (قانون)

نہایت باریک اور خوب تنی ہوئی ہے۔

ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے کہ

"کان کا بیرونی حصہ جوہرِ غضروف سے اس لئے بنایا گیا کہ آواز کے قبول کرنے کے لئے غضروف اسی طرح موافق ہے، جس طرح سوکھی کھال جو ڈھولوں (طبول) پر منڈھی ہوتی ہے۔ قبولِ صوت کے لئے مناسب ہے۔"

صاحب کامل کہتے ہیں:

"کان کی کرہی کی منفعت یہ ہے کہ اس سے آواز کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بادھنج[1] کی طرح مقعر بنایا گیا ہے، تاکہ اس میں ہوا اکٹھی ہو کر اندر قوت کے ساتھ داخل ہو۔"

کان کا بیرونی سوراخ (صماخ ظاہر) آواز کی لہروں کے پہونچانے میں وہی خدمت انجام دیتا ہے، جو ثقبۂ عنبیہ بیرونی مرئیات کی شعاعوں کے پہونچانے میں کام کرتا ہے، اسی وجہ سے شیخ نے بصراحت بتایا ہے کہ

"کان کا سوراخ ثقبۂ عنبیہ کی طرح ہے۔"

یہ سوراخ کان کے پردہ (غشاء طبلی) پر ختم ہوتا ہے، جو دشتی کی سیدھ میں منظار الاذن سے صاف نظر آتا ہے۔

(۲) درمیانی حصہ (جوبہ)

جوبہ۔ لغۃً ۔ اس خالی مقام کو کہتے ہیں، جو دو گھروں کے درمیان واقع ہو۔

کان کے اندر جس فضا کا نام جوبہ رکھا گیا ہے، یہ بھی کان کے بیرونی اور اندرونی حصوں کے درمیان واقع ہے۔

اس خلاء کا نام بعض لوگوں نے طبلہ (ڈھول) اس مناسبت

---

[1] بادھنج: فارسی لفظ باد ذہنہ کا معرب ہے، جو دو کلمات سے مرکب ہے: باد: ہوا۔ دہنہ: دہانہ۔ جوڑے منھ کا قرن نما، یا قیف نما ایک خولدار آلہ ہوتا ہے، جو چھتوں کے اوپر ہوا کے رُخ پر نصب کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی راہ گھر کے اندر صاف اور تازہ ہوا بکثرت پہونچے۔ اس کا عمل گھروں کے آتشدان کے خلاف ہے۔

سے رکھا ہے[1] کہ:

(۱) ڈھول کی طرح اس کی خلاء میں بھی ہوا بھری رہتی ہے۔

(۲) ڈھول کی طرح اس میں کھال منڈھی ہوتی ہے، اور اس کی تنی ہوئی کھال کی طرح اس میں بھی صَوتی قرعات سے لرزش واقع ہوتی ہے۔

صَوتی قَرعَات: آواز کی ٹھوکریں۔

جن صدمات اور تحریکات سے آواز پیدا ہوتی ہے، انھیں اصطلاحاً قرعات کہا جاتا ہے، جس کا دوسرا ترجمہ ضَربات بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس فضا میں چار ننھی ننھی مخصوص شکل کی ہڈیاں پائی جاتی ہیں، جن کو مُشَرِّحین بغداد نے **عُظَیمَاتُ السَّمع** کا نام اس لئے بخشا کہ یہ ہڈیاں آواز کی لہروں کو پہونچا کر سماعت کی خدمت انجام دیتی ہیں۔

عُظَیمَات: چھوٹی ہڈیاں (عُظَیمَہ: چھوٹی ہڈی)

سَمع: سماعت، سننا۔

(۱) **مِطرَقی**: یہ ہڈی باہر کی طرف کان کے پردہ سے لگی ہوئی ہے۔ اس کی شکل چھوٹی سی ہتھوڑی سے مشابہ ہے۔

(مِطرَقَۃ: ہتھوڑی)۔

(۲) **سَندَانی**: یہ مطرقی کے بعد، اور اُس سے اندر کی طرف متصل ہے۔ اس کی شکل لوہار کے سَندَان (اہرن) سے کسی قدر مشابہ ہے، جس پر لوہا رکھ کر پیٹتا ہے۔

(۳) **عَدَسی**: یہ چھوٹی سی ہڈی ہے، جو اپنی شکل میں کسی حد تک مسور (عَدَس) سے مشابہ ہے۔ اس کے ذریعہ سندانی رکابی سے ملتی ہے۔

(۴) **رِکابی**: یہ زین کے رکاب سے مشابہت رکھتی ہے، جو باہر کی طرف عظم عدسی کے ذریعہ سندانی سے لگی رہتی ہے، اور اندر کی طرف اس کا اتصال کان کے کھلی آلات سے ہوتا ہے، جس میں عصبہ سامعہ کے ریشے پھیلتے ہیں۔

---

[1] تنقیح المناظر صفحہ ۹۹ (فادراک حاسة السمع انما یکون بتکیف سطح التجاویف بکیفیۃ ...)

نغانغ : وہ مشہور سوراخ جو کان اور حلق کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے، وہ فضاء جوبہ ہی سے شروع ہوتا ہے۔ اسی سوراخ کی راہ مرض نزلہ کا اثر حلق سے کان تک منتقل ہوجایا کرتا ہے۔ فضاء جوبہ کی ہوا کا ایک مناسب اندازہ اس نالی کی وجہ سے قائم رہتا ہے ۔۔۔ چنانچہ جب نزلہ کی وجہ سے یہ نالی مسدود ہوجاتی ہے، تو ثقل سمع عارض ہوجاتا ہے۔

نَغَانِغ : نُغْنُغَۃ کی جمع ہے۔
نُغْنُغَتَیْن : تثنیہ ، دونوں طرف کی نالیاں

(۲) اندرونی حصہ (لَوْلَبْ ، عِطَافَات)

اصلی کان، جہاں اعصاب سامعہ کے ریشے پھیلتے ہیں، وہ یہی ہے جو عظم حجری کے اندر پُرپیچ نالیوں اور پُرخم سرنگوں کی شکل میں واقع ہے۔ اس کا ایک حصہ خاص طور پر پیچکش یا گھونگھے سے مشابہ ہے، جسے ابوسہل نے لَوْلَبْ کے نام سے یاد کیا ہے، جس کے معنے "پیچ" یا "پیچکش" کے ہیں اسی کو قَوْقَعَہ اور حَلَزُوْن[1] کہا جاتا ہے۔

اور اس کا دوسرا حصہ متعدد خمیدہ نالیوں پر مشتمل ہے، جسے ابوسہل نے عِطَافَات اور تَعَارِیْج کَثِیْرَہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ وہی تین نالیاں ہیں، جن کو مَجَارِی ہِلَالِیَہ کہا جاتا ہے، جن کے دہانے دہلیز نامی فضاء میں کھلتے ہیں۔

عِطَافَات ، یا عِطْفَات ، موڑ ، بل۔
تَعَارِیْج : خمیدگیاں

پیچیدہ راہوں کا یہ مجموعہ بھول بھلیاں (تیہ) کی سی گمراہ کن کیفیت پیش کرتا ہے، اسی وجہ سے اس حصہ کا یہی لقب قرار پایا، جس میں لولب اور دوسرے عِطَافَات شریک ہیں۔

اِن نالیوں کے اندر ایک جھلی استر کرتی ہے، جس میں اعصاب سامعہ

---

[1] حَلَزُوْن اور قَوْقَعَہ ، گھونگھا۔

کے ریشے پھیلتے ہیں۔ اسی جھلی کو صاحب کامل نے سماعت کا "آلۂ اولی (راست آلہ) قرار دیا ہے، اور کان کے دوسرے دونوں حصوں کو اس جھلی کا خادم بتایا ہے۔ (لہ)

یعنی کان کے اندرونی حصے کی یہ جھلی آنکھ کے اندرونی عصبی پردہ (شبکیہ) مماثل ہے، جس طرح آنکھ کے دیگر اجزاء (جلیدیہ، قرنیہ، عنبیہ، قرنیہ وغیرہ) کا کام یہ ہے کہ وہ رنگوں اور روشنیوں کو طبقۂ شبکیہ کے اعصاب تک پہونچائیں، اسی طرح کان کے دوسرے اجزاء (صارفہ، صماخ، جوبہ، عظیمات السمع) کی خدمت یہ ہے کہ وہ آواز کی لہروں کو اُن اعصابِ سامعہ تک پہونچا دیں، جو اندرونی حصے کی جھلی میں پھیلے ہوئے ہیں، تاکہ یہ اعصاب اعصابِ باصرہ کی طرح، مقدمِ دماغ کے حاسِ اخیر تک پہونچا دیں، جو قوتِ سامعہ کا حقیقی مقام ہے۔

کان کا درمیانی حصہ، یعنی جوبہ، جو طبلہ کا کام کرتا ہے، اور یہ اندرونی حصہ جہاں اعصابِ سامعہ واقع ہیں، اِن دونوں کے درمیان اس قسم کی کھڑکیاں اور منافذ قائم ہیں کہ آواز کی موجیں جوبہ سے اس حصے تک پہونچ جاتی ہیں۔ اسی طرف شیخ اشارہ کرتے ہیں کہ

کان کا سوراخ "یہ کان کا سوراخ (یا بقول ابو سہل کان کی نالی) جو عظمِ حجری میں اپنا راستہ بناتا ہے، وہ مُلَوْلَب (کولب کی طرح پُرپیچ) ہے اور مُعَوَّج (ٹیڑھا بنگا) ہے۔"

اس کے بعد کہتے ہیں کہ

"کان کا یہ سوراخ (جو خمیدگیوں اور پیچیدگیوں کا مجموعہ ہے، گھوم گھام کر اور چکر لگا کر) بالآخر جوبہ پر ختم ہوتا ہے، جس میں ساکن ہوا (ہواء راکد) بھری رہتی ہے۔"

لہ وھٰذہ الثلاثۃ الاجزاء منہا جزء واحد ھو الآلۃ الاولیٰ للسمع، وھو الغشاء المغشی للعظم الحجری، والجزءان الآخران آلتا المنفعۃ ھٰذا الغشاء۔ (کامل الصناعۃ، جلد اول ص۱۱۰)

محل وقوع کے لحاظ سے مجوبہ باہر کی طرف واقع ہے اور یہ اندرونی
کان جوبہ کی سطح انسی میں۔ چنانچہ شیخ کہتے ہیں:

"جوبہ کی اندرونی سطح میں (جہاں لولب اور عطافات واقع ہیں) عصب
سامع کے ریشے پھیلے ہوئے ہیں، جو دماغی ازواج اعصاب میں سے پانچویں
جوڑے سے آتے ہیں۔" (قانون)

(اور جن کو دوسری ترتیب سے شمار کیا جائے تو آٹھواں جوڑا بنتا ہے۔)

عصب سامع

عصب سامع: عصب الوجہ کے ساتھ عظم حجری کے اس سوراخ میں داخل ہوتا ہے، جو اس کی پچھلی سطح میں واقع ہے (صماخ باطن) پھر یہ دونوں اپنا الگ راستہ لیتے ہیں۔ عصب الوجہ تو بل کھا کر ثقبہ اعمیٰ کی راہ (جو حجری کی زیریں سطح میں واقع ہے) باہر آجاتا ہے، مگر عصب السمع شاخ در شاخ ہونے کے بعد مذکورہ تجاویف میں پھیل کر اندر ہی رہ جاتا ہے۔ (لہ)

(۳) قوتِ شامّہ

فعلِ شمّ

قوتِ شامّہ (سونگھنے کی قوت)

یہ قوت اُن دو اعصاب میں ہوتی ہے، جو سر پستان (حَلَمَۃ) کے مانند بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

لہ واما الخشاء فہناک صفتہ:

وھوانہ زوج عصبی ینقسم من الزوج الخامس من ازواج العصب ویصیر الی ثقبی الاذنین الذین فی العظم الحجری، فاذا صار الی ھذا الثقب انبسط کل واحد من ھذا الزوج وعرض وغشی الثقب من داخل۔

(کامل الصناعۃ، جلد اول، ص۱۰۱)

(زائدۂ حلمیّہ)

اس قوت کا کام بُو کا دریافت کرنا ہے، جو اُس ہواء کے ساتھ ناک میں چڑھتی ہے، جو سانس کے ذریعہ کھینچی جاتی ہے (ھَوَاءِ مُسْتَنْشَقْ).

(قرشی)

ناک (انف)

"جن جانوروں میں پھیپھڑے پیدا کئے گئے ہیں، اُن میں لازماً ناک پیدا کی گئی ہے — یعنی جو حیوانات ہوا سے سانس لیتے ہیں، ان میں ناک تنفّس کا ایک آلہ ہے۔"

علی گیلانی (ش ت م)

"ایسا کوئی حیوان نہیں ملتا، جو منھ سے سانس لیتا ہو، مگر صرف انسان۔"

(علی گیلانی. ش. ت. م)

"ناک کا بالائی نصف ہڈی ہے، اور زیریں نصف کری۔"

(ش. ت. م)

"ناک دو کاموں کے لئے بنائی گئی ہے:

ایک، سونگھنے کے لئے

دوسرے، آواز صاف کرنے کے لئے۔ (ش. ت. م)"

جالینوس کہتا ہے:

"تنفس کے آلات اگر بہ ترتیب شمار کئے جائیں، تو ان میں سب سے پہلے دونوں نتھنوں کا شمار ہونا چاہیے۔ رہا منھ۔ تو (کھانے کے علاوہ) اس کے ذریعہ جانور اُن آفتوں سے بچتا (مقابلہ کرتا) ہے، جن میں منھ سے کام لینا پڑتا ہے۔ الغرض منھ آلاتِ تنفس میں داخل نہیں۔"

(ش. ت. م)

(ش. ت. م) سے مراد کتاب شرح تشریح الاعضاء المرکبۃ۔
(تالیف حکیم صادق علی خاں)

تجویفِ انف

ناک کا غار (تجویف انف) بذریعہ ایک کھڑی دیوار کے دو حصوں میں منقسم ہے۔ ان دونوں حصوں کے بنانے میں نیچے اور سامنے کی طرف کریاں داخل ہیں، تو اوپر اور پیچھے کے حصوں میں ہڈیاں۔

ناک کے دونوں بیرونی سوراخ منخرین (نتھنے) کہلاتے ہیں۔

اور پچھلے دونوں سوراخ حلق میں جاکر کھلتے ہیں (منخر خیشومی)

ناک کے غار کے بنانے میں جو ہڈیاں داخل ہیں، وہ بہت ہی نازک پرتوں سے مرکب ہیں، جن میں آڑے، ترچھے، چھوٹے بڑے چھید اور خلائیں پائی جاتی ہیں، ان ٹیڑھے بیڑھے منافذ کو ابو سھل نے تقویب اسفنجیہ اور منافذ اسفنجیہ کی اصطلاح سے یاد کیا ہے۔

غشاء مخاطی — ان سب غاروں میں ایک جھلی کا استر ہوتا ہے، جو بلغمی رطوبت (مخاط) سے کم و بیش ہر وقت تر رہا کرتی ہے، اور نزلہ و زکام کی صورت میں یہ نتھنوں کی راہ باہر بھی خارج ہونے لگتی ہے۔ اس جھلی کا تعلق منھ، زبان، تالو، حلق، حنجرہ، قصبۃ الریہ، اور مری کی جھلی سے ہے، جس کو صاحبِ کامل نے لباس کے نام سے یاد کیا ہے۔

ناک کے غار کی جھلی میں علی الخصوص اس کے بالائی حصوں میں عصبہ شامّہ کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔

عصبۂ شامّہ — ناک کی چھت میں غظم مصفات واقع ہے، جس میں چھلنی کے سے باریک باریک (۲۰) چھید ہوتے ہیں۔ اسی کی بالائی سطح پر دونوں عصبۂ شامہ کے اگلے پھیلے ہوئے سرے واقع ہیں، جو سرِ پستان سے مشابہ ہوتے ہیں، اور جن سے بہت سے ریشے نکل کر، اور مصفات کے سوراخوں کو عبور کرکے ناک کے غار میں پہونچتے، اور وہاں کی غشاء مخاطی میں پھیل جاتے ہیں۔

اور اک شم کا آلۂ اولی (رأس آلہ) صاحب کامل نے اسی

عصبۂ شامّہ کو قرار دیا ہے۔

لیکن صاحب موصوف نے قوتِ سامعہ میں آلۂ اولیٰ اُس جھلی کو قرار دیا ہے، جو عظم حجری کے مخصوص مجاری میں واقع ہے، اور جس میں عصبۂ سامعہ کے ریشے پھیلتے ہیں، تو یہاں بھی اسی اصول پر آلۂ اولیٰ اُن جھلیوں کو قرار دینا چاہیے، جو ناک کے غار میں پھیلی ہوئی ہیں، اور جن میں عصبۂ شامّہ کے ریشے ختم ہوتے ہیں۔

اس لحاظ سے یہ کہنا زیادہ موزوں ہے، جیسا کہ علی گیلانی نے کہا ہے کہ

"عصبۂ شامّہ کا درجہ اُس عصبہ کے برابر ہے، جس سے بینائی وابستہ ہے۔"

جس طرح اسی مرتبے میں عصبۂ سامعہ اور عصبۂ ذائقہ بھی ہیں؛ پھر جس طرح عصبۂ باصرہ طبقۂ شبکیہ نامی جھلی میں، عصبۂ سامعہ کان کی جھلیوں میں، اور عصبۂ ذائقہ زبان کی جھلی میں پھیلتا ہے ---- اسی طرح عصبۂ شامّہ ناک کی جھلیوں میں پھیلتا ہے، اس لحاظ سے سب کی نوعیت عمل میں یکسانی پائی جاتی ہے۔

اور ایک سنتم ناک کے غار میں آڑے ترچھے راستے اسی لیے بنائے گئے ہیں کہ سانس کے ذریعہ جو ہوا اندر داخل ہو، جن میں بودار اشیاء کے ذرات (بہ شکل بخارات) ہوا کرتے ہیں، وہ اِن سطوح کے ساتھ اچھی طرح ٹکرائیں، تاکہ بُو کا احساس بہتر ہو۔ اسی ٹکر کو بڑھانے کے لئے کسی چیز کے سونگھتے وقت ہم بار بار زور سے، اور جھٹکے کے ساتھ، سانس کھینچا کرتے ہیں، جس سے بُو کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

صاحب کامل کہتے ہیں:

"ناک کے نتھنوں سے دو منفعتیں وابستہ ہیں:

(۱) پہلی بڑی منفعت تو تنفس اور بوؤں کے استنشاق سے متعلق ہے؛

(بُو کا سُونگھنا درحقیقت تنفس ہی کا ایک جزو ہے)؎

(۲) دوسری منفعت اُن غلیظ فضلات کے اخراج سے متعلق ہے جو دماغ (وغیرہ) سے اترتے ہیں، اور جن کو مُخاط (رینٹھ) کہتے ہیں؎
(کامل الصناعۃ)

بودار ذرات کی تبخیر

بودار جسم سے بودار اجزاء (جیسا کہ صاحبِ کامل وغیرہ نے بالتصریح بتایا ہے) اُڑا کرتے ہیں، خواہ اتنی مقدار میں اُڑیں کہ ہمیں جلد اُس کا پتہ چل جائے، اور اصل جسم کا وزن تیزی سے گھٹ جائے، جیسے کافورست پودینہ، جوہر شراب (الکحل)، روغن قِنّہ (روغن بہروزہ) وغیرہ ـــــ یا اتنی خفیف مقدار میں صعود کریں، کہ ایک مدت تک ہم اُن چیزوں کے وزن میں معمولی ترازو سے کوئی کمی محسوس نہ کر سکیں، لیکن اگر زیادہ انتظار کیا جائے، تو وہ کمی کچھ مدت گذرنے پر نمایاں ہوجاتی ہے، مثلاً مشک و عنبر وغیرہ۔ الغرض یہ قصور ہمارے حواس کا ہے، جیسا کہ علامہ ابن ہیثم نے بتایا ہے کہ غایت درجہ کی چھوٹی چیزوں کے ادراک پر وہ قادر نہیں۔

(۴) قوتِ ذائقہ

فعلِ ذوق

قوّتِ ذائقہ (چکھنے کی قوت)

یہ قوت اُس عصب میں پائی جاتی ہے، جو جرمِ زبان میں پھیلا ہوا ہے۔

؎ والحِسُّ بالاشیاءِ المشمومۃِ یکون بالمبخاراتِ المتحلّلۃِ مِنَ الاجسامِ المشمومۃِ، تُخالِطُ الھواءَ وتدخُلُ اِلی المِنخرین۔ (کامل الصناعۃ، جلد اول)

اس قوت کا کام مزوں کا ادراک کرنا ہے۔
(قرشی)

زُبان (لسان)

"زبان" اگرچہ مزوں کے چکھنے کا مخصوص آلہ ہے، مگر اس سے قدرت نے دوسرے افعال بھی وابستہ کردیئے ہیں:

چباتے وقت یہ غذاؤں کو حرکت دیتی، دائیں بائیں، اور تلے اوپر کرتی، اور دانتوں کے درمیان لاتی ہے۔

حروف والفاظ کے ادا کرنے، یعنی بات چیت کرنے (کلام) میں بھی اس سے امداد حاصل کی جاتی ہے۔ اس فائدہ کو ابوسھل نے منفعۃ جَلیلَہ سے تعبیر کیا ہے، جس نے انسان کو بَہَائِم، یعنی بے زبان جانوروں سے ممتاز بنا دیا ہے۔

زبان کے جوہر میں جزو اعظم عضلات ہیں، جو ڈھیلے طور پر ملے ہوئے ہیں، جس سے زبان میں نرمی اور اسفنجیت حاصل ہوگئی ہے۔ نیز زبان کی ساخت میں عروقِ دمویہ (شرائین وَاَورِدَہ) کی کثرت ہے، جس سے زبان سُرخ نظر آتی ہے۔

(زبان کے عضلات کی تعداد صاحبِ کامل اور صاحب المِئَۃ نے ۹ بتائی ہے۔)

زبان کی جِھلّی زبان کی مخصوص ناہموار جھلی کا نام نِطْع ہے، جس میں حِسِ ذوق کے علاوہ حسِ لَمْس بھی پائی جاتی ہے۔ "یہ اس سارے رلباس سے اتصال رکھتی ہے، جو منھ کے جوف میں استر کرتا، اور مَرِی وقصبۂ ریہ میں اُتر جاتا ہے۔" (مِئَۃ)

زبان کی بالائی سطح میں چھوٹی بڑی بلندیاں ہوتی ہیں، جن میں اعصاب کے آخری سرے ختم ہوا کرتے ہیں۔

یہ جھلی لعاب دہن سے ہر وقت تر رہا کرتی ہے، جو مزوں کے ادراک میں واسطہ بنا کرتی ہے، جس طرح بوؤں کے ادراک میں بیرونی ہوا واسطہ ہے۔ جس میں بودار چیزوں کے بخارات مخلوط ہو کر ناک کے اعصاب تک پہونچا کرتے ہیں۔ یعنی بودار اجزاء کی طرح مزہ دار جسم کے اجزاء بھی اس رطوبت میں گھل مل کر زبان کے اندر اعصاب تک پہونچتے ہیں، جن سے اعصابِ ذائقہ کے ریشے متأثر ہوتے ہیں، اور مزہ کا ادراک ہوتا ہے۔

قید اللسان زبان کی زیرین سطح اور زیریں جبڑے کے درمیان جو بند (رباط) ہوتا ہے، اُسے قَیْدُ اللِّسَان کہا جاتا ہے۔ جو گاہے اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ زبان آسانی سے حرکت نہیں کر سکتی۔ ایسی صورت میں اسے کاٹنا پڑتا ہے۔

(ص، ک)

لعاب اور اس کی گلٹیاں "اس رباط (قید اللسان کے دونوں طرف چند عروق (مجاری) کے دہانے ہوتے ہیں، جن میں لعاب جاری رہتا ہے۔"

"ان نالیوں کی ابتداء اصل اللسان نامی گلٹیوں سے ہوتی ہے، جو صورۃً خزائن نظر آتی ہیں۔ مگر ان میں ایک بلغمی رطوبت بہا کرتی ہے، جسے لُعاب کہا جاتا ہے۔" (ص، ک)۔

"ان عروق کے دہانے سَیَّاکَۃُ اللُّعَابِ[لہ] (لعاب ڈالنے والے) کہلاتے ہیں۔ (ص۔ ک)

"ان عروق، یا نالیوں کی ابتداء اُن گلٹیوں سے ہوتی ہے، جو زبان کے نیچے، زیریں جبڑے کے پاس واقع ہیں، اور جن کو مُوَلِّدُ اللُّعَاب کہا جاتا ہے۔ (مولِّد: پیدا کرنے والی)

چنانچہ ابو سہل کہتے ہیں:

" زبان کے نیچے دو دہانے پائے جاتے ہیں، جن سے لعاب نکلتا ہے۔

لہ اس کو علی گیلانی نے راشحۃ اللعاب کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔
(سَکْب، گرانا، ڈالنا۔ رَشْح: رسنا)

(ص، ک) سے مراد صاحبِ کامل ہے، جن کی کتاب کا نام الملکی یا کامل الصناعۃ ہے۔

تھوک کی گلٹیاں

(بیرونی منظر)
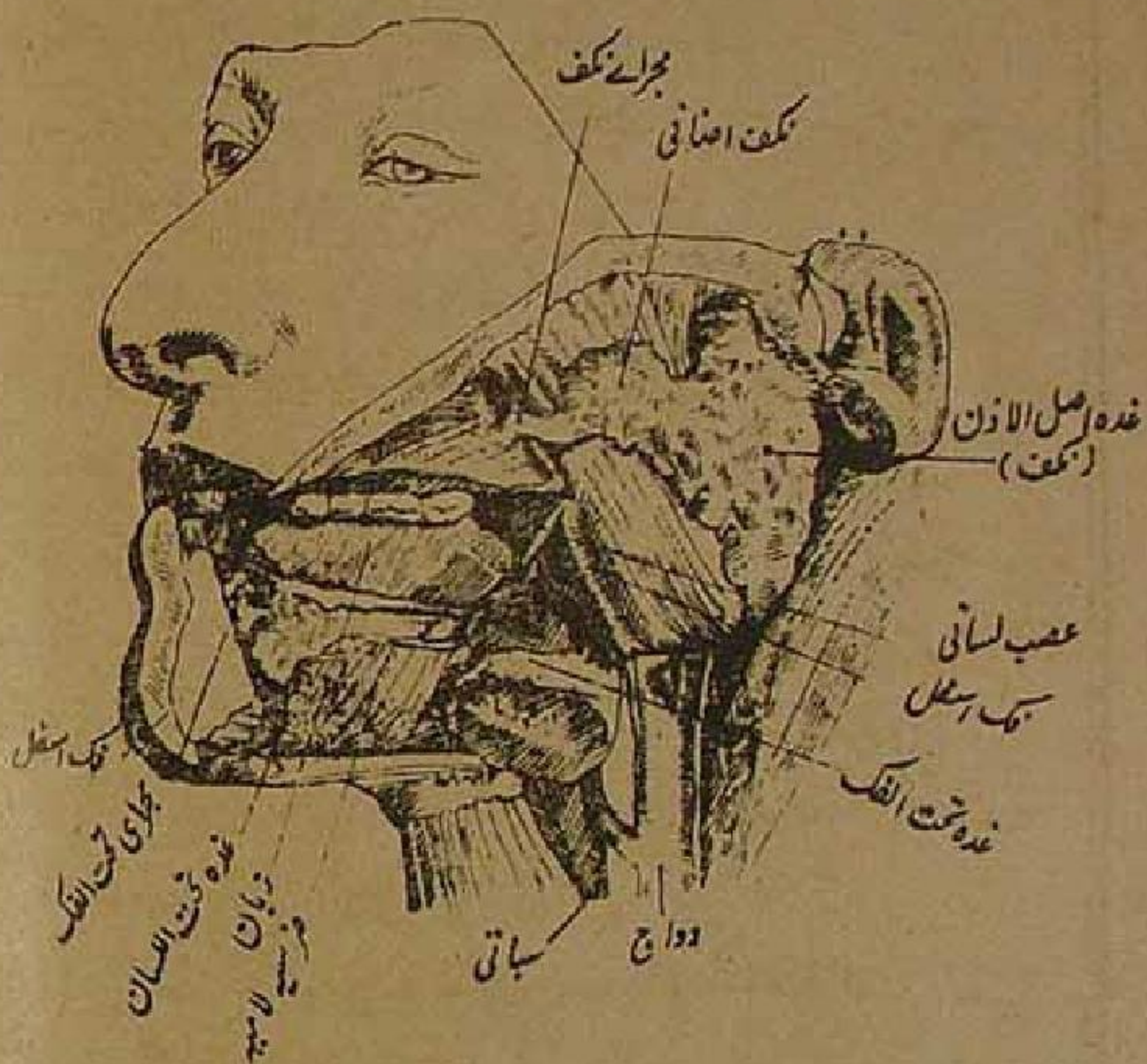
یہ نالیاں اُن گلٹیوں تک پہونچتی ہیں، جو زبان کی جڑ کے پاس (زیرِ زبان) واقع ہیں۔"[1]

زبان کے نیچے یہ غدد ہر طرف دو دو کُل چار ہیں۔ اگلی کو اصطلاحاً غددِ تحتَ اللسان، اور پچھلی کو غددِ تحتَ الفک کہا جاتا ہے۔

یہ گلٹیاں اُن دو گلٹیوں کے علاوہ ہیں، جو کان کی جڑ کے پاس پائی جاتی ہیں جن کو اَصْلُ الاُذن، یا نَکَف کہا جاتا ہے، اور جن کی نالیاں گال میں اندر کی طرف آکر کھلتی ہیں۔

(زبان غدد کا ذکر بحثِ اعصار میں بھی مختصراً گزر چکا ہے۔)

زبان کے اعصاب زبان میں جو اعصاب پھیلے ہوئے ہیں، وہ تین جوڑوں سے آئے ہیں، چنانچہ شیخ گیلانی کہتے ہیں:

"زبان میں جو اعصاب پائے جاتے ہیں، وہ چار اعصاب سے متفرع[2] ہوتے ہیں، جو دماغ سے اُگتے ہیں۔" (قانون)

"ان میں سے دو ہر جانب تیسرے جوڑے سے، اور دوسرے دو ہر طرف ساتویں جوڑے سے، چھٹے کی حرکت میں، اُگتے ہیں۔" (علی گیلانی)

خلاصہ یہ ہے (جیسا کہ علی گیلانی نے بتایا ہے) کہ زبان میں تین جوڑے سے اعصاب آتے ہیں، جن میں حِس اور حرکت دونوں شامل ہیں:

(۱) تیسرے جوڑے (عصب ثلاثی وجہی[3]) کی شاخ ذوقی، زبان کے اگلے اور دونوں پہلو میں پھیلتی ہے۔

(۲) چھٹے جوڑے[4] کی شاخ لسانی، جو زبان کے قاعدہ اور دونوں پہلو کی غشا میں پھیلتی ہے۔

---

[1] یہ دہانے گاہے دو، اور اکثر زیادہ بھی ہوتے ہیں، یعنی جب دونوں طرف کی گلٹیوں کے دہانے باہم مل جاتے ہیں، تو اس وقت یہ دہانے ہر طرف محض ایک ایک ہوتے ہیں ورنہ زیادہ۔

[2] تفرّع: شاخ نکلنا۔ (فرع، شاخ)

[3] ثلاثی وجہی: اس کو دوسری ترتیب میں پانچواں جوڑا گنا جاتا ہے۔

[4] قدیم ترتیب کے لحاظ سے چھٹے جوڑے میں تین اعصاب شامل ہیں، جو سارے کے سارے نفقۂ دماغ سے خارج ہوتے ہیں: لسانی حلقی، عصب راجع، اور نخاعی اضافی۔

ان دونوں اعصاب میں قوتِ ذائقہ اور لامسہ، دونوں ہوتی ہیں۔
(۳) ساتواں جوڑا (تحت اللسان) عضلات کے جوہر میں پھیل کر ان میں قوتِ تحریک بخشتا ہے۔
انتباہ: چار مزے زیادہ ممتاز ہیں: میٹھا، ترش، کڑوا اور نمکین، اور غالباً ان چاروں مزے کے لئے خاص خاص الیاف ہیں، چنانچہ گرمار بوٹی سے فقط مٹھاس کے چکھنے والے اعصاب بیکار ہو جایا کرتے ہیں۔

(۵) قوتِ لامسہ

فعلِ لمس

قوّت لامِسَہ (چھونے کی قوت)

یہ قوت تمام بدن کی جلد، اور اکثر گوشتوں میں پائی جاتی ہے۔

اس قوت کا کام اَجسامِ مَلموُسَہ (چھوئے ہوئے اَجسام) کی حرارت، بُرودت، یبوست، رطوبت، خُشونت (کھردراہٹ)، مَلاست (چکناہٹ) صلابت (سختی)، لیُونت (نرمی)، خِفّت (ہلکاپن) اور ثِقل (بوجھ) کا ادراک کرنا ہے۔ (قرشی)

جلد (کھال، پوست)

ہمارے بدن کی جِلد ایک عام اور وسیع وِقایَہ (حفاظت) اور حِصار

(گھیرا) ہے، جس کو ڈھال، زرہ، یا چار دیواری سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ یہ بیرونی صدمات و آفات سے، بدن کے اندرونی اعضاء کو، اپنی استطاعت و مقدرت کی حد تک، بچاتی ہے۔ یعنی بہترین قدرتی محافظ و نگہبان ہے۔

صاحب کامل کہتے ہیں:

"جس طرح طبیعت نے تمام اعضاء کو کسی نہ کسی جھلی سے ملفوف کیا ہے، جو خارجی و عارضی آفات سے اُن کی حفاظت کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اسی طرح بیرونِ بدن سے بھی سارے اعضاء کے لئے ایک عام پوشش (غطاءِ عام) کا انتظام کیا ہے، جو انھیں ڈھانک کر بیرونی آفات سے اُن کی نگہبانی کرتی ہے۔"

صاحبُ المِئۃ کہتے ہیں کہ

"جملہ اعضاء متشابہۃ الاجزاء (اعضاء مفردہ[۱]) میں

جلد کی ساخت

سے **جِلد** بھی ہے، جو اعضاء کا بیرونی لباس ہے۔ — (جلد کے دو طبقات ہوا کرتے ہیں) بیرونی طبقہ بَشَرَہ کہلاتا ہے، اور اندرونی اَدَمَہ۔ لیکن بشرہ بمقابلہ اَدَمَہ کے زیادہ سخت ہوا کرتا ہے۔" (اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کو قَرْن کے جوہر سے تشبیہ دی ہے)۔

اَدَمَہ کو جِلدِ حقیقی بھی کہتے ہیں، کیونکہ عروق و اعصاب وغیرہ اسی میں پھیلتے ہیں، اور جلد سے جتنے افعال وابستہ ہیں، مثلاً پسینہ وغیرہ کا اخراج، وہ اسی سچی جلد سے متعلق ہیں۔

بَشَرَہ عروق و اعصاب سے خالی ہوتا ہے، اور یہ اَدَمَہ پر استر کر کے اس کے لئے ایک محافظ کا کام کرتا ہے۔ جلد کی رنگت (سیاہی سانولاپن، اور گوراپن) جو باہر سے نظر آتی ہے، وہ اسی میں پائی جاتی ہے۔ موسم سرما میں، اور زخم کے کناروں سے جلد کی پرتیں اتر جایا کرتی ہیں۔ وہ یہی بشرہ ہوتا ہے، جس کے عوض میں دوسرا نیا بشرہ بن جایا کرتا ہے۔

---

[۱] جلد قلیل الاجزاء ہونے کی وجہ سے اعضاء مفردہ میں شمار کی جاتی ہے، جیسا کہ اعضاء میں جالینوس کا قول نقل کیا گیا ہے۔

بشرہ کے طبقات جتنے زیادہ ہوتے ہیں، اُسی قدر اُس مقام کی جلد سخت، اور اُس کی حس کمزور ہوتی ہے، مثلاً ایڑی کی جلد، علی الخصوص ایسے لوگوں میں جو ننگے پاؤں رہتے، اور سخت کام کرتے ہیں، یہی حال اُن مقامات کا ہے، جہاں زیادہ دباؤ اور رگڑ پہونچتی ہے، وہاں بشرہ دبیز ہو جایا کرتا ہے، مثلاً بعض نمازیوں کی پیشانی پر، سجدہ کی وجہ سے، اور بعض لوگوں کے پاؤں میں گھٹے پڑ جایا کرتے ہیں، جو گاہے کافی بڑے اور دبیز ہوتے ہیں۔

بدن کے ہر حصے کی جلد تمام اُمور میں یکساں نہیں ہے:

بال کے لحاظ سے

(۱) کہیں اس پر قطعاً بال نہیں ہیں، مثلاً ہتھیلی اور تلوے کی جلد۔

(۲) کہیں اس پر بال بکثرت ہیں، مثلاً سر، بھاؤں، اور داڑھی کے مقام کی جلد، اور کہیں اس پر بال کم ہیں اور بہت باریک، جن کو روئیں کہا جاتا ہے۔

رقت و غلظت کے لحاظ سے

(۳) بعض مقامات کی جلد بہت ہی باریک ہے، مثلاً کان، پپوٹے، اور قضیب کی جلد۔

(۴) بعض مقامات کی جلد بہت ہی دبیز ہے، مثلاً ران، اور پشت کی جلد۔

زیر جلد اتصال کے لحاظ سے

(۵) بعض مقامات کی جلد زیر جلد عضلات سے اچھی طرح مرتبط ہے کہ الگ کرنا دشوار ہے، مثلاً گال، ہونٹھ اور حلقہ مقعد کی جلد۔

(۶) اس کے برعکس بعض مقامات کی جلد زیر جلد عضلات وغیرہ سے زیادہ ارتباط نہیں رکھتی، بلکہ بہ آسانی ان سے جدا ہو سکتی ہے۔

رنگ کے لحاظ سے

(۷) علی ہذا رنگ کے لحاظ سے ہر مقام کی جلد یکساں نہیں ہوتی۔ اس کا تجربہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کا رنگ سانولا ہے، وہ اپنے جسم کو عریاں کر کے رنگ کے لحاظ سے پیمایش کریں، تو اُن کی آنکھوں کے سامنے اپنے جسم کے ایسے رقبے نظر آئیں گے، جہاں دوسرے حصوں کی نسبت

سے سیاہی زیادہ ہوگی۔

(۸) بعض مقامات کی جلد میں قوتِ لامسہ بہت نازک اور تیز ہوتی ہے، مثلاً زبان کی نوک، انگلیوں کے اگلے پوروں کی جلد۔

احساس کے لحاظ سے

اسی طرح بعض مقامات کی جلد میں خصوصیت کے لحاظ سے حرارت و برودت کا احساس زیادہ ہوتا ہے، مثلاً گال، پشتِ کف اور کلائی کی جلد۔

(لک۔ حس۔ وغیرہ)

"بدن کے ہر حصے میں جلد کے اندر ایک دوسرے سے قریب قریب (باریک باریک) چھید ہوتے ہیں، جن کی راہ بدن کے فضلاتِ بُخاریّہ خارج ہوتے ہیں، جو اعضاء سے تحلیل ہوا کرتے ہیں۔ ان سوراخوں کو مَسَامات کہا جاتا ہے۔ ان سوراخوں سے بجز بخارات (مذکورہ) کے علاوہ بال نکلا کرتے ہیں" (ک س)

مسامِ جلد

(اور بال کی جڑوں کے پاس دہنی رطوبات خارج ہوا کرتی ہیں)

دوسرے اعضاء اور لمس

جلد میں قوتِ لامسہ بہت ہی بلند اور مکمل صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بدن کے گوشت (عضلات) میں بھی حسِ لمس موجود ہے، جس کو حسِ عضلی کہا جاتا ہے۔ اسی حس پر عضلات کے افعال کی باقاعدگی کا مدار ہے۔ نیز جب عضلات سے بہت زیادہ کام لیا جاتا ہے، تو ان میں درد پیدا ہو جاتا ہے، جو حسِ لمس ہی کا تاثر ہے۔

علاوہ ازیں بدن کی جھلیوں میں، اور دوسرے مقامات میں بھی یہ حس پھیلی ہوئی ہے۔ یعنی اس کو ایک وسیع عمومیت حاصل ہے جس سے جسم کا شاید ہی کوئی حصہ اس سے خالی ہو۔

چنانچہ صاحب کامل کہتے ہیں:

"بال اور ناخون کے سوا حسِ لمس بدن کے سارے اعضاء میں موجود ہے۔ کیونکہ ہر عضو میں کوئی نہ کوئی حساس عصب ضرور آتا ہے، خواہ وہ

نخاع سے آئے، یا دماغ سے۔ لیکن بال اور ناخون میں کوئی عصب نہیں آتا۔"

لمس کی اہمیت

شیخ نے شفاء میں لکھا ہے کہ

"پانچوں حواس میں سے یہی قوت لامسہ ہے، جس سے کوئی حیوان خالی نہیں پایا جاتا۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قوتِ لامسہ حیات کے لئے کتنی ضروری قوت ہے۔

پانچوں حواس بلحاظ لطافت

قدماء نے پانچوں حواس میں بلحاظ محسوسات، قوتِ باصرہ کو لطیف ترین قرار دیا ہے، اور قوتِ لامسہ کو کثیف ترین۔ اسی طرح قوتِ باصرہ کے بعد لطافت میں قوتِ سامعہ ہے — اس کے بعد قوتِ شامّہ، اور اس کے بعد قوتِ ذائقہ۔

قوتِ سامعہ میں ہوا کی موجیں ذریعۂ احساس ہیں، تو قوتِ شامّہ میں چیزوں کے بخارات، اور قوتِ ذائقہ میں رطوباتِ دہن، جن کے اندر مزیدار اجزاء محلول ہوتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ رطوبات بمقابلۂ بخارات کے کثیف ہیں، اور بخارات بمقابلۂ ہوا کے۔ رہی قوتِ لامسہ، اُس کا محسوس تو پتھر جیسا سخت مادہ بھی ہو سکتا ہے۔

علیٰ ہٰذا شعاعی انوار، جو ذریعۂ بصر ہیں، ان کے اَلْطَف ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے۔

اندرونی مؤثرات اور اعصابِ حس

پانچوں حواس کو جاسوس اور مُخبِر کہا جاتا ہے، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، کیونکہ یہ بیرونی دنیا کی خبریں دماغ تک پہنچاتے ہیں، یعنی طبعًا یہ بیرونی مؤثرات سے متاثر ہوا کرتے ہیں؛ لیکن غیر طبعی حالات میں ان کے اعصاب اندرونی اسباب سے بھی متاثر ہوا کرتے ہیں؛ ایسی حالت میں یہ جاسوس مُخبرِ کاذب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ باہر کوئی روشنی اور کوئی رنگین شئے نہیں ہوتی، مگر آنکھ کہتی ہے کہ فلاں قسم

کی رنگین شئے موجود ہے[1] ——— باہر کی دنیا خاموش ہوتی ہے، مگر کان میں ایک شور برپا ہوتا ہے (طنین و دوی) ——— باہر کوئی بدبو یا خوشبو نہیں ہوتی، مگر ناک کہتی ہے کہ فلاں قسم کی بو آرہی ہے (فساد شم) ——— منھ کے اندر کوئی چیز نہیں ہے، مگر منھ میں کڑوا، میٹھا، یا ترش مزہ محسوس ہوتا ہے۔ (فساد ذوق) ——— اسی طرح جلد پر نہ چیونٹی ہوتی ہے، اور نہ کانٹا، مگر جلد کی قوتِ لامسہ کو ایسا فریب ہوتا ہے کہ چیونٹیاں[2] پھر رہی ہیں، اور کانٹا چبھ رہا ہے۔ اسی طرح گاہے بلا سبب خارش، درد، اور دوسرے اقسام کے دغدغے معلوم ہوا کرتے ہیں۔

ان تمام حالات میں ہوتا یہ ہے کہ کوئی خلط لذّاع اس مقام عصب میں آکر اسے چھیڑتی ہے، یعنی اپنی کیفیت اور مزاج کی مناسبت سے اس میں لذع و ہیجان (دغدغہ اور تحریک) پیدا کرتی ہے۔ اسی لذع کی نوعیت کی مناسبت سے مخصوص قسم کے تاثرات ہوتے ہیں، جو مخصوص احساسات کی صورت میں اپنے انفعال کو بتاتے ہیں۔

---

[1] تخیلاتِ شاذہ۔

[2] دَبِیب، تَنمُّل (چیونٹیوں کا رینگنا)۔ نَخس، وَخز (چبھنا، کانٹا وغیرہ چبھنے کی سی کیفیت کا احساس)۔ حِکّۃ (خارش، کھجلی)۔ وَجَع، ا لَم (درد، دُکھن)۔

اندرونی قوائے مُدرِکہ

دماغی قویٰ، ذہن، فکر

دماغی قوائے سب سے زیادہ نازک اور شریف ہیں۔ اسی شرافت نے دماغ کو تمام اعضاء پر فوقیت بخشی اور اس کو سب کا سردار (سید الاعضاء) بنا دیا۔ (بقراط) ـــــ مگر تمام اعضاء میں انسان کو سب سے کم معلومات جس عضو کے بارے میں ہیں، وہ دماغ اور اُس کے افعال ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق جو کچھ بتایا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ مبہم اور تاریک ہے، اور اندھیرے میں "ٹامک ٹوئیاں مارنے" سے زیادہ وقیع نہیں۔

مختلف اندرونی قوائے کے مقامات کے بارے میں سادہ طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

"جب دماغ کے فلاں مقام پر کوئی آفت لاحق ہوتی ہے، تو فلاں قوت کا عمل بگڑ جاتا ہے؛ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوت یہیں پائی جاتی ہے۔"

مگر یہ کہہ دینا جتنا آسان ہے اتنا ہی عملی طور پر ثابت کر دکھانا دشوار ہے؛ انسانی دماغ کا کھولنا، اس کے بعد آفت اور مقام آفت کا متعین کرنا، اس کے بعد یہ بتانا کہ فلاں قوت کے عمل میں خلل واقع ہوا، اور دوسرے افعال اپنی طور پر جاری ہیں، محال ہے؛ کیونکہ دماغی افعال بہت ہی نازک، اور دوسرے سے اتنے اُلجھے ہوئے ہیں کہ کسی ایک جزو کے بیمار ہونے سے نہ معلوم دماغ کے دوسرے کتنے افعال مختل ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے تجربات انسانی دماغ پر نہ آسانی کے ساتھ کئے جا سکتے ہیں، اور نہ یقین کے ساتھ صحیح نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

رہے وہ تجربات جو بعض حیوانات پر کئے گئے ہیں، وہ ناقص اور حد درجہ ناقص ہیں، اور جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں، بہت ہی محدود، اور قیاس مع الفارق[1] میں شمار کئے جا سکتے ہیں؛ اور وہ بھی اندرونی قویٰ سے متعلق نہیں ہیں، جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کے بام بلند پر چڑھا دیا ہے۔ کہاں انسان کا دماغ، اور اس کے بلند ترین قوے، اور کہاں جانور — ایک کو دوسرے پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار دماغی امراض کی ماہیت اب تک مجہول ہے، اور ان کے علاج و تدبیر میں جو کچھ برتا جاتا ہے، وہ سب اندھیرے ہیں۔

اس مقام پر جب انسان پہنچتا ہے؛ تو علم و دانش کا فخر و غرور اُس سے سراسر کافور ہو جاتا ہے۔ (۲)

صاحب کامل کہتے ہیں:

دماغی قوتوں کے مختلف نام

"قویٰ نفسانیہ وہ ہیں، جن کا مقام اور سرچشمہ دماغ ہے،

قوائے نفسانیہ کی جنسیں تین ہیں:

(ا) ایک جنس تو ایسے قوے کی ہے، جن کے توسط سے دماغ جو کچھ کرتا ہے، وہ (بلا توسط آلات دیگر) خود کرتا ہے۔ یہ وہ قوتیں ہیں، جن سے تدبیر حاصل ہوتی ہے۔ قوے کی اس جنس کو مجموعی طور پر ذہن اور فکر کہا جاتا ہے۔ (اور قوت مُدبّرہ بھی)[3]

(ب) ایک جنس ایسے قوتیٰ کی ہے، جن کے ذریعہ سے دماغ جو کچھ کرتا ہے،

---

[1] قیاس مع الفارق، کسی چیز کو اس سے مختلف اور جداگانہ چیز پر قیاس کرنا۔ (فارق: جداگانہ)

[2] وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (القرآن الحکیم)

[3] جیسا کہ ابو سہل کے بیانات سے ظاہر ہے۔ دماغی قوتے کو مُدبّرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان میں تدبیر و سیاست اور سمجھ بوجھ (تمیز) کا مادہ ان ہی قوتے سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ اعصاب کے توسط سے کرتا ہے۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں:
وہ قوائے جن سے حِس حاصل ہوتی ہے (قُوئ حسّاسہ)۔
(ج) وہ قوائے جن سے اِرادی حرکات حاصل ہوتی ہیں (قوائے مُحرّکہ)۔" (کامل الصناعہ)

اسی طرح ابو سہل کہتے ہیں:
"قوّت نفسانیہ تین ہیں:
حسّاسہ ـــ مُحرّکہ ـــ مُدبّرہ"
(دماغی قوائے کو قوائے مدبرہ کے علاوہ قوای سیاسیّہ بھی کہا جاتا ہے)

دماغی قوائے ان کی تعداد، اور مقامات

دماغی قوائے کی تعداد اور ان کے محلِ وقوع میں اختلاف ہے:
ایک گروہ (اطبائے قدیم) کے نزدیک ان کی تعداد تین ہے:-
تخیُّل۔ تفکُّر۔ تذکُّر۔
لیکن دوسرے گروہ (فلاسفۂ یونان) کے نزدیک پانچ:
(۱) حِسّ مشترک، (۲) خیال، (۳) واھمہ
(۴) مُتصرّفہ (۵) حافِظہ۔

چنانچہ صاحبِ کامِل اور صاحبِ مِئَۃ نے قدیم اطباء کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے اندرونی قوی کو تین کی تعداد میں ذکر کیا ہے، اور علامہ علاء الدین قرشی، مصنفِ کتاب نے فلاسفۂ یونان کے مسلک پر انھیں پانچ کہا ہے؛ جیسا کہ ذیل کے بیان سے ظاہر ہوگا:

حِسّ مشترک اور خیال

اندرونی قوائے مُدرکہ میں سے ایک قوت کا نام حِسّ مشترک ہے، جو اُن جُزئی صُوَر (صورتوں) کو ادراک کرتی ہے، جنھیں بیرونی حواس نے اِدراک

کیا ہے۔
حِسِّ مشترک کا مقام دماغ کے بطنِ مقدم (جزء مقدم) کا اگلا حصّہ ہے،
اور اس کا خزانہ خیال ہے، جس کا مقام دماغ کے بطنِ مقدم کا پچھلا حصّہ ہے۔
(قرشی)

حِسِّ مشترک

صُوَر اور مَعَانی

"(صُوَر: صورت کی جمع) صُوَر — سے یہاں ایسی چیزیں مراد ہیں، جو بیرونی حواس سے دریافت کی جا سکتی ہیں (مثلاً اجسام کی شکل، بو، مزہ، آواز، اور کیفیاتِ ملموسہ یعنی حرارت، برودت، خشونت و ملاست وغیرہ)۔"

"اور مَعَانِی — سے ایسی چیزیں مراد ہیں، جن کا ادراک بیرونی حواس سے نہیں ہو سکتا (مگر دماغ اُن باتوں کو سمجھتا ہے، مثلاً محبت، عداوت، بُغض، حَسَد، رَشک، قوت، ضعف، رشتے، الفاظ کے معانی و مطالب، مضرت، منفعت، وغیرہ)، جیسا کہ خواجہ نے شرح اشارات میں تصریح کی ہے۔"
(نفیس)

وجہ تسمیہ

"اس قوت کا نام حِسِّ مشترک اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس کا عمل پانچوں حواس ظاہرہ کے لئے مشترک ہے؛ پانچوں بیرونی حواس میں سے ہر قوتِ حاسّہ جو کچھ ادراک کرتی ہے، اُسے حِسِّ مشترک تک بھیج دیتی ہے، اس لئے بیرونی حواس کی ساری محسوسات اس کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہیں، اور یہ سب کو یک جائی طور پر ادراک کرتی ہے۔"
(نفیس)

حِسِّ مشترک کو یونانی زبان میں بنطاسیا[۱] کہا جاتا ہے، جس کا

---
[۱] بنطاسیا: (فردوس الحکمۃ)

ترجمہ ہے: نفس کی لوح۔ (لَوح: تختی)۔ (جامع الشروحین)

فائدہ

"حسِ مشترک کا فائدہ یہ ہے کہ جو اعراض و علامات (صورتیں) بیرونی حواس سے (الگ الگ) محسوس ہوتی ہیں، وہ سب کی سب ایک قوت کے پاس جمع ہو جائیں، اور وہ یہ معلوم کر سکے کہ یہ اعراض و کیفیات ایک چیز میں پائی جاتی ہیں، یا بہت سی چیزوں میں۔" (نفیس)

یعنی پانچوں حواس الگ الگ اپنے محسوسات کا ادراک کرتے ہیں، اور حسِ مشترک سب کو یک جائی طور پر ادراک کرتی ہے۔ الغرض حسِ مشترک ایک حاکم کی طرح ہے، جس کے سامنے مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاضر ہوتے ہیں۔ برخلاف ازیں حواسِ خمسہ محض اپنے محسوساتِ متعلقہ کا ادراک کر سکتے ہیں، ان کے روبرو سب جمع نہیں ہو سکتے۔

مشاہدہ اور تخیل

"حسِ مشترک کے عملِ ادراک کے لئے یہ شرط لازم نہیں ہے کہ مادّہ اور جسم حاضر ہی ہو: اس کا ادراک دونوں طور پر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اگر (باہر) جسم حاضر ہو، تو اُسے اصطلاحاً **مُشَاهَدَہ** کہا جاتا ہے۔

اور اگر جسم غائب ہو، تو اُسے **تَخَیُّل** (خیال کرنا) ـــ (اور تصوّر) کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس بیرونی حواس کے ادراک میں یہ شرط لازم ہے کہ مادّہ اور جسم حاضر ہو۔" (نفیس)

یعنی حواسِ خمسہ کے ادراک کے بعد جب ہم چاہتے ہیں، دوبارہ سابقہ چیزوں کا خیال قائم کر سکتے ہیں۔ یہ قدرت ہمیں اسی حسِ مشترک کی وجہ سے حاصل ہے، کیونکہ بیرونی حواس میں یہ قدرت نہیں، کہ چیزیں ان کے سامنے سے غائب ہو جائیں، اور وہ ادراک کر سکیں: مثلاً آنکھیں اُسی وقت تک دیکھ سکتی ہیں، جب تک چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں؛ جہاں وہ نظر سے اوجھل ہوئیں، پھر اُن کا ادراک آنکھوں سے نہیں ہو سکتا۔

سؤال: جب ہر چیز کے ادراک کے لئے پانچوں حواس موجود تھے، تو پھر حِسّ مشترک کی کیا ضرورت تھی؛ اور کس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حِسّ مشترک، دماغ کے اندر موجود ہے؟

وجودِ حِسّ مشترک

جواب: اس کا جواب علامہ نفیس اس طرح دیتے ہیں:

"حِسّ مشترک کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ

(۱) گرتا ہوا قطرہ ہمیں سیدھی لکیر کی شکل میں نظر آیا کرتا ہے، حالانکہ خارج میں لکیر نہیں ہوتی ہے۔ پھر یہ لکیر آخر کہاں ہوتی ہے؟ یہ لکیر حِسّ مشترک ہی کے اندر ہو سکتی ہے؛ قوتِ باصرہ میں نہیں ہو سکتی، کیونکہ قوتِ باصرہ کسی چیز کو وہی دیکھتی ہے، جو وہ خارج میں ہوتی ہے (قطرہ کو قطرہ ہی دیکھتی ہے، لکیر نہیں دیکھ سکتی)۔ اس لئے وہ قطرہ اگر لکیر کی صورت میں نظر آتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی "دوسری قوت" میں جاکر چھپتا ہے (اور جب ایک قطرہ کی شکلیں بار بار اور مسلسل چھپتی جاتی ہیں، تو وہ ایک لمبی لکیر کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے)۔"

"(۲) حِسّ مشترک کے وجود کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم میں ایک ایسی قوت پائی جاتی ہے، جو سارے محسوسات کو ادراک کرتی ہے۔ اگر ایسی قوت ہمارے دماغ میں نہ ہوتی، تو ہم یہ کہنے اور حکم لگانے پر قادر نہ ہوتے کہ "جس چیز کو ہم چھو رہے ہیں، وہ اس رنگ کی رنگین ہے"۔ کیونکہ قاضی (حاکم) کے حضور میں دونوں خصم (فریقین: مدعی و مدعا علیہ) کو موجود رہنا چاہیے، تاکہ دونوں کے درمیان جو لگاؤ اور نسبت ہے، اُسے وہ ملاحظہ کر سکے۔ رہے بیرونی حواس، ان میں ایسی کوئی قوت نہیں ہے (جس کے پاس سارے محسوسات اکٹھے رہتے ہوں)، کیونکہ بیرونی حواس میں سے ہر قوت محض ایک قسم کی محسوسات کو ادراک کیا کرتی ہے، چنانچہ کسی سفید چیز کے بارے میں جب یہ بتانا ہو کہ اس میں مٹھاس ہے! تو اس وقت

ایک ایسی اندرونی قوت کی ضرورت ہے، جو ایک ساتھ سفیدی کو بھی ادراک کرتی ہو، اور مٹھاس کو بھی، اور تمام محسوسات کے ساتھ اُسے ایک جیسا تعلق اور لگاؤ ہو۔" (النفیس)

"(۲) سویا ہوا انسان، (خواب میں، جبکہ تمام بیرونی حواس معطل ہوتے ہیں) بلکہ انبیار (واولیار اور صاحبِ کرامات) وغیرہ کی طرح بیدار انسان بھی مختلف قسم کی صورتیں مشاہدہ کرتا ہے، آوازیں سنتا ہے، اور ان سب چیزوں کو ایک دوسرے سے امتیاز کے ساتھ پہچانتا ہے، درانحالیکہ خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کہیں نہ کہیں اندرونی دماغی قوی میں موجود ہوتی ہیں۔ پس جس اندرونی قوت میں، یہ موجود ہوتی ہیں، اُسی کا نام حِسّ مشترک ہے۔"

(محمود آملی)

فریب نظر

بارش کا قطرہ گرتا ہوا فضا میں جب دیکھا جاتا ہے، تو وہ (جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے) قطرہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ایک لمبی سی لکیر نظر آتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نقطہ تیزی کے ساتھ گھمایا جائے، تو وہ نقطہ کی بجائے ایک دائرہ معلوم ہوتا ہے۔ [1]

چنانچہ ایک لکڑی کے دونوں سروں پر آگ روشن کر کے اُسے تیزی کے ساتھ گھمایا جاتا ہے۔ تو ہم کو دونوں سروں کی روشنی الگ الگ معلوم نہیں ہوتی، بلکہ شعلہ کا ایک دائرہ محسوس ہوتا ہے، جیسا کہ بانے اور بنیٹھی (بنگیٹھی) میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

یہ ایک "فریب نظر" ہے، جس کی توجیہ مذکورہ بالا بیان سے یہ ہے کہ

پہلی توجیہ

"حِسّ مشترک میں آنکھ سے پے در پے جو محسوسات پہونچتی ہیں، وہ فوراً زائل نہیں ہوتیں، بلکہ یہاں کچھ دیر تک مرتسم رہتی ہیں یہاں تک

[1] انا نُدرِکُ القطرۃ النازلۃ خطًا والنقطۃ اذا اُدیرت بسرعۃ دائرۃً (آملی)

کہ ایک نقطہ اور ایک قطرہ دراز ہوکر ایک خط یا ایک دائرہ بن جاتا ہے۔"

دوسری توجیہ | دوسرے لوگ اس کی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ
"آنکھ کے طبقۂ شبکیہ پر جو صورتیں چھپتی ہیں، اُن کے عکس فوراً زائل نہیں ہوجاتے، بلکہ ان کے دُور ہونے پر کچھ دیر تک ان کی صورتیں شبکیہ میں مرتسم رہتی ہیں"

تطبیق | اِن دونوں توجیہوں میں محض الفاظ و عبارت کا فرق ہے؛ نتیجہ اور مآل دونوں کا ایک ہے، کیونکہ شبکیہ میں صورتیں دیر تک قائم رہیں، یا دماغ میں، بصر کے ادراک میں وہی فریب واقع ہوگا کہ ایک قطرہ لکیر نظر آئیگا، اور ایک شعلۂ جوالہ دائرہ۔ کیونکہ یہ ہر گروہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ شبکیہ میں جو اعصاب باصرہ پھیلے ہوئے ہیں، وہ خود مُدرک نہیں ہیں؛ وہ تو اپنے اثرات دماغ تک پہونچانے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ دیکھنے والی قوت تو اندر ہی ہے، خواہ اُس کا نام حسِ مشترک رکھیں، یا کچھ اور ــ اس لئے جو قوت قطرہ کو لکیر محسوس کرتی ہے، وہ درحقیقت دماغی قوت ہی ہے، خواہ اس غلطی کی بنیاد شبکیہ کی قوتِ گرفت کو قرار دیا جائے، یا اندرونی مقامِ انطباع اور مرکزِ بصر کو۔ اِن دونوں رایوں میں سے کوئی رائے ایسی کمزور نہیں ہے، جسے دوسری رائے توڑدے۔

خَیَالَہ: بیرونی مرئیات کے ہٹ جانے کے بعد ان کی صورتیں (اَشباح) کچھ دیر تک جو باقی رہتی ہیں، ان کو اصطلاحاً خَیَال کہا جاتا ہے۔ یہ کتنی دیر تک باقی رہتی ہیں؟ اس کا اندازہ ایک ثانیہ کے آٹھویں حصے کے برابر ہے۔ چنانچہ جب ایک قسم کی تصویریں پے در پے اسی وقفہ کے اندر آتی رہیں؛ تو نظر فریب کھا جاتی ہے، یعنی ان کا تمیز کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُوپر کی مثالوں میں بتایا گیا ہے کہ ایک روشن نقطہ، نقطہ کی بجائے، ایک دائرہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی اصول پر تماشا گاہوں میں متحرک تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ (خیالہ) بوجود اصل متحرک نہیں ہوتیں، بلکہ اس تیزی کے ساتھ متعدد

تصویریں، اختلافِ وضع کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آتی، اور بھاگ جاتی ہیں، کہ نگاہ اس کا تعاقب نہیں کرسکتی؛ اس کو اس کی تمیز ہی نہیں ہوتی کہ کوئی تصویر بھاگ گئی، اور اس کی جگہ دوسری نئی تصویر آگئی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسی سابقہ تصویر میں حرکت پیدا ہوگئی، اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی +

قوتِ خیال

حسِ مشترک کا خزانہ "یہ خزانہ اُن صورتوں کی حفاظت کرتا ہے، جو حسِ مشترک میں چھپتی ہیں، جبکہ یہ بیرونی حواس سے غائب ہوجاتی ہیں (چنانچہ بیرونی حواس سے محسوس کی ہوئی چیزیں اسی خزانہ میں جمع رہتی ہیں، جو ان کے غائب ہونے کے بعد عند الضرورت یاد کی جاتی ہیں، اور از سرِ نو ان کا تصور ممکن ہوتا ہے۔"

(قوتِ خیال کو مُصَوِّرَہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہی قوت تصور و تخیل کا ذریعہ ہے۔"

"یہ قوت حسِ مشترک کی خدمت اس طرح کرتی ہے کہ یہ اُس کی محسوس کی ہوئی چیزوں کو یاد رکھتی ہے۔"

"اگر یہ قوت نہ ہوتی، تو ہمارے لئے مثلاً اُس شخص کا پہچاننا ناممکن ہوتا جسے ہم نے کبھی پہلے دیکھا ہے، اور غائب ہونے کے بعد ہمارے سامنے بارِ دگر آیا ہے۔ علٰے ہٰذا دنیا و دین (معاش و معاد) کے سارے کام بگڑ جاتے کیونکہ ان سارے کاموں میں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ پہلی مرتبہ ہمیں جو کچھ محسوس ہوا ہے، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ، اور اس کے بعد بھی وہ چیز اُسی طرح محسوس ہورہی ہے۔ اس قوت کی غیر موجودگی میں ہمیں مُضر اور مفید میں اور دوست اور دشمن میں کوئی تمیز نہ ہوتی۔" (النفیس)

کیونکہ پہلے جو کچھ ہمیں معلوم ہوتا، بعد کو اُسے ہم بھول جاتے؛ اس لئے نہ یہ یاد رہتا کہ یہ وہی مُضر چیز ہے، جس کا ہمیں پہلے تجربہ ہوچکا ہے، نہ اس کا پتہ چلتا کہ یہ وہی دوست ہے، جس نے کل ہمارے ساتھ بھلائی کے
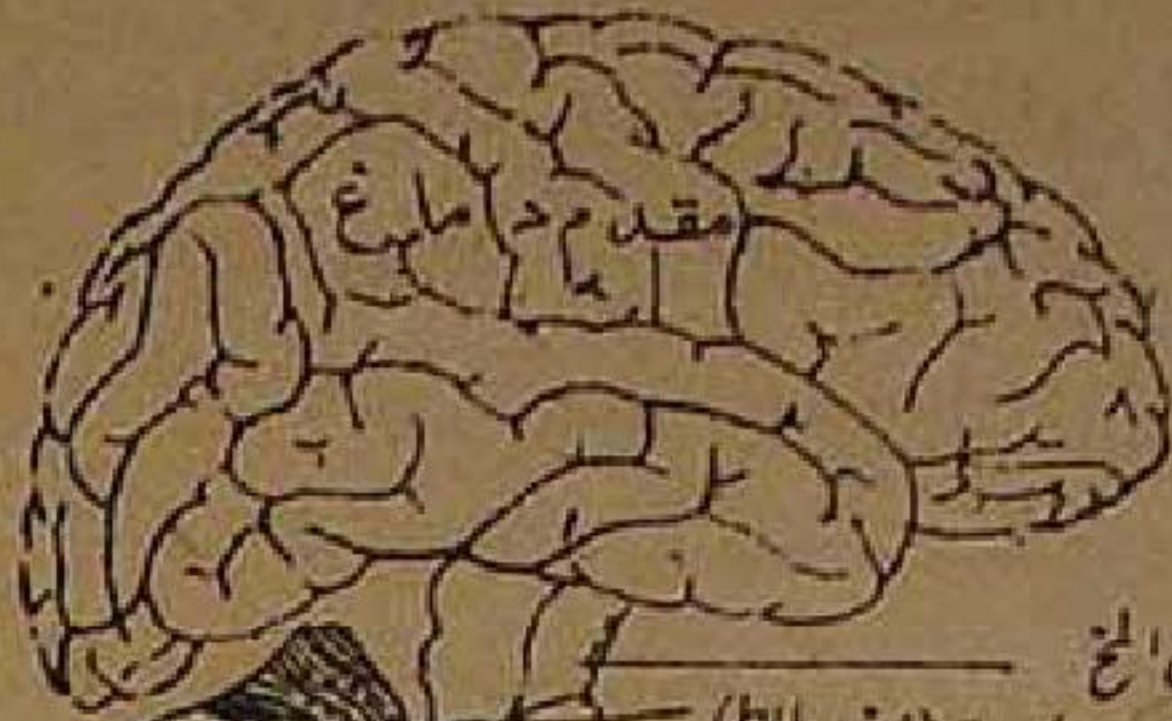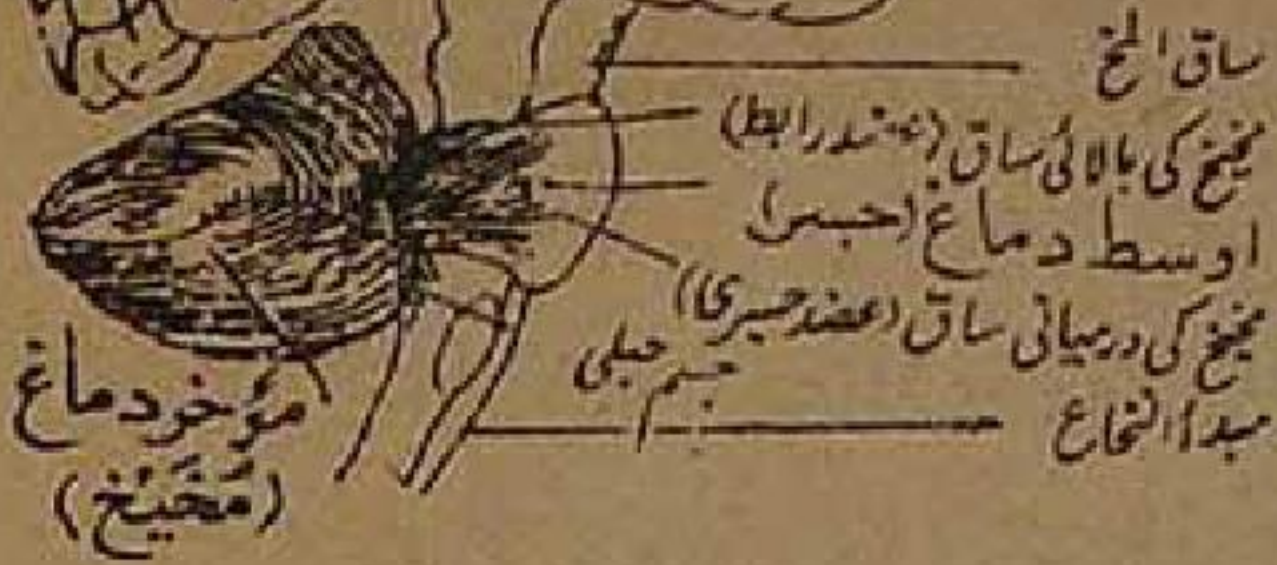
کام کئے تھے.

بہت سی چیزیں ہمارے دماغ میں محفوظ ہیں، اور قوتِ حافظہ یا خیال میں رکھی ہوئی ہیں، مگر ہر وقت تمام چیزیں یاد نہیں رہتی ہیں، اور نہ ایسا ممکن ہے یعنی تمام چیزیں نفس کے سامنے ہر وقت حاضر نہیں رہتی ہیں، بلکہ مختلف اوقات میں نفس کے زور دینے اور توجہ کرنے سے وہ یاد آیا کرتی ہیں، یعنی بھوز اور فراموشی کے بعد ادراک کی زد میں آجاتی ہیں.

بُطونِ دماغ

دماغ کے اندر تین فضائیں، یعنی تین وسعتیں پائی جاتی ہیں، اگلی فضار کو جو مقدمِ دماغ میں واقع ہے، بَطنِ مُقَدَّم کہتے ہیں، یہ تعداد میں دو ہیں، اور درمیان میں ایک جھلی (فاصل لامع) حائل ہے.

دوسری فضار کو، جو بطنِ مقدم سے پیچھے ہے، اور جو سریر بصری (دودہ دماغ) کے اندر ہوتی ہے، بَطنِ اَوسَط کہتے ہیں.

تیسری فضار کو، جو بطنِ اوسط سے پیچھے اور نیچے واقع ہے، بَطنِ مُؤخّر کہتے ہیں. یہ مؤخر دماغ کے سامنے اور مبدا النخاع کے اوپر اور پیچھے واقع ہے.

گاہے دماغ کی فضاؤں کے علاوہ، دماغ کے حصّوں کو بھی بُطون کہتے ہیں: مقدمِ دماغ کو بَطنِ مقدم، درمیانی حصّے کو بَطنِ اَوسَط اور مؤخر دماغ کو بَطنِ مُؤَخَّر.

علامہ علی حسین گیلانی نے تحقیق کی ہے، جو صحیح ہے کہ "دماغی بطون (تجاویف دماغیہ) کے اندر ایک رطوبت بھری رہتی ہے" اس رطوبت کو رطوبتِ مُخِّیَّہ (دماغیہ نخاعیہ) کہا جاتا ہے۔ اس کا تسلسل نخاع کی رطوبت سے ملا رہتا ہے، جب دماغ میں ورم، یا امتلاء (اجتماعِ خون) ہوتا ہے، تو یہ رطوبت کھوپڑی سے باہر نکل کر حرام مغز کی جھلیوں میں بھاگ جاتی ہے، جس سے دماغ پر بہت زیادہ دباؤ نہیں پڑتا، اور اس کا کام بند نہیں ہوتا.

پھر خلار کے وقت وہیں واپس چلی آتی ہے۔

دماغی قوائے کے محل و قوع

جیسا کہ ابتدا (تمہید) میں اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دماغی قویٰ کے معلومات بہت زیادہ مبہم اور تاریک ہیں، اسی زمرہ میں ان کے محلِ وقوع کی تعیین بھی ہے۔ یعنی اس سلسلے میں مختلف آرا ہیں جن میں سے کوئی بھی اعتماد کے قابل نہیں۔ اس قسم کے بیانات وثوق کے قابل اس زمانہ میں ہو سکیں گے، جب انسان کا علم اس مرتبہ پر پہنچ جائے گا کہ ایک حافظِ قرآن کا دماغ کھول کر بتا دیا جائے کہ دماغ کے اس حصّے میں پورا قرآن لکھا ہوا ہے، جسے وہ کھڑا ہو کر چند گھنٹے میں سُنا دیتا ہے، اور جب کہیں اٹکتا ہے تو پیچھے پلٹ کر اسے پھر سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے، حتیٰ کہ شبہہ کے مقام سے گزر جاتا ہے۔ ـــــ لیکن یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا زمانہ کب آئے گا، اور آئے گا بھی یا یہ کہ کبھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ بہر صورت قیاس و تخمین سے یا کسی اور بنار پر قدمار نے دماغی قوائے کے مقامات اس طرح متعین کئے ہیں کہ:

متقدمین کی رائے

(۱-۲) حسِ مشترک "مقدمِ دماغ" کے اگلے حصّے میں اور خیال "مقدمِ دماغ" کے پچھلے حصّے میں ہے۔

(۳) قوّتِ وَھم سارے دماغ میں، مگر سلطنت "اوسط دماغ" میں۔

(۴) قوّتِ حافِظہ (حافظِ معانی) "مؤخر دماغ" میں۔

(۵) قوّتِ مُتصرِفہ (مفکرہ، متخیلہ) دودۂ دماغ میں، مگر عمل و دخل سارے دماغ میں۔

متاخرین کی رائے

علیٰ ہذا متاخرین نے بھی گول مول، بلا تعیین مقام، سارے دماغی قوائے کو مقدمِ دماغ میں جمع کر دیا ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر بالفرض یہ سارے دماغی قوائے مقدمِ دماغ ہی میں واقع ہیں، تو لازماً ان مختلف قوائے کے مراکز (مجالس) بھی الگ الگ ہونگے۔ لیکن اب تک یہ کوئی نہیں بتا سکا کہ مقدمِ دماغ کے فلاں حصے میں قوتِ حافظہ ہے، اور فلاں جزو میں مفکرہ اور متخیلہ وغیرہ؛ جس طرح بیرونی حواس (بصر، سمع وغیرہ) اور

قوتِ تحریک کے لئے، کمزور قیاس و تخمین اور اٹکل ہی سے سہی، مقامات و مراکز کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے

علی حسین گیلانی کہتے ہیں:

قوتِ تمیز و فکر کا مقام

"یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان میں تمیز و فکر کی قوت پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ سارے حیوانات سے ممتاز ہو گیا ہے۔ اس بات پر سارے اطباء کا اتفاق ہے، اور اس کو شدت کے ساتھ اہمیت دی ہے لیکن اس ایک قوت، یا ان دونوں قوائے کے محل کی تعیین[1] کی طرف ان اطباء نے کم ہی توجہ کی ہے، خواہ اسے ایک قوت تصور کیا جائے، یا دو سمجھا جائے۔"

(جامع الشرحین)

قوتِ واہمہ اور حافظہ

اندرونی قوائے مدرکہ میں سے "قوتِ وَہم" ہے، جو اُن جزئی[2] معانی کو ادراک کرتی ہے، جو اِن ہی متعین اور خاص صورتوں کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔

قوتِ وہم کا مقام دماغ کا بطنِ اوسط (اوسطِ دماغ) ہے۔ اور اس کا خزانہ حافظہ ہے، جس کا مقام دماغ کا بطنِ مؤخر (مؤخرِ دماغ) ہے۔

(قرشی)

---

[1] قوتِ فکر کا مقام بقول صاحب کامل اوسط دماغ ہے، جیسا کہ اس کے قول میں آنے والا ہے۔

[2] جُزئی: یہ ایک منطقی اصطلاح ہے، جس سے ایک متعین فرد مراد ہے۔ اور اس کو ادا کرنے کے لئے اُردو میں گاہے خاص اور گاہے مخصوص، اور متعین کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کُلّی ہے، جس کا ترجمہ اُردو میں عام کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔

قوتِ واہمہ

معانی جزئیہ کا ادراک

"یہ قوت اُن جزئی (متعین) معانی کو ادراک کرتی ہے، جو ان ہی جزئی صورتوں کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔"—— جنھیں حسِ مشترک ادراک کرتی ہے۔ مثلاً اُس متعین (جزئی) محبت کا ادراک، جو زید کو اپنے بچے کے ساتھ ہے، اور اس مخصوص (جزئی) عداوت کا ادراک، جو کسی مخصوص (جزئی) بھیڑیے کو کسی متعین بکری کے ساتھ ہے۔" (نفیس)

چنانچہ جنگل میں جب بکری کی نظر کسی بھیڑیے پر پڑ جاتی ہے، یعنی بھیڑیے کی صورت اُس کے دماغ تک پہونچ جاتی ہے، تو بکری کی قوتِ واہمہ بتا دیتی ہے کہ یہ دشمن ہے، اور بس چلتا ہے تو وہاں سے بھاگنے کی، اور چرواہے کی طرف آنے کی کوشش کرتی ہے؛ ورنہ خوف کے طاری ہونے کی وجہ سے اُس کے حواس قابو میں نہیں رہتے، اور عضلات بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ الغرض انسان کی طرح حیوانات کے دماغ میں بھی **قوتِ واہمہ** موجود ہے، جس سے وہ اپنے دوست، دشمن، اور فائدہ اور نقصان کو سمجھتے ہیں: مضر چیزوں سے بچنے اور مفید چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

معانی

دوستی، دشمنی، وغیرہ ایسے اُمور ہیں، جو آنکھ، کان، ناک، زبان، اور جلد سے معلوم نہیں کئے جا سکتے، بلکہ دماغ کی کسی دوسری قوت سے دریافت کئے جاتے ہیں، اس قسم کی چیزوں کا نام مَعانی ہے، اور ان کی مُدرِک کا نام قوتِ واہمہ۔ مثلاً جب ہماری نظر کسی آدمی پر پڑتی ہے، تو پہلے ہم اُس کی تصویر سے پہچان لیتے ہیں، کہ یہ فلاں شخص ہے، اس کے بعد ہمارا دماغ بتا دیتا ہے کہ یہ دشمن ہے، یا دوست۔ الغرض یہاں دو باتوں کا احساس ہوتا ہے: پہلے اُس کی ظاہری شکل و صورت معلوم ہوتی ہے، اور اس کے بعد اُس کی دوستی یا دشمنی کا ادراک ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلا کام بیرونی حواس اور حسِ مشترک کا ہے، اور دوسرا کام قوتِ واہمہ کا۔

انسان اور حیوان میں فرق

"مَعانی جزئیہ کا مدرک وہم ہے"—— یہ مسئلہ قدماء

کے اس خیال پر مبنی ہے کہ انسان میں عقل ہے۔ اور جانور عقل سے خالی ہوتے ہیں، یعنی انسان کلیات اور جزئیات دونوں کا مدرک ہے، اور حیوانات محض جزئیات کا ادراک کرتے ہیں، کلیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔
چنانچہ انسان میں قوتِ واہمہ بھی ہے، اور قوتِ عاقلہ بھی، مگر حیوانات میں محض واہمہ ہوتی ہے، قوتِ عاقلہ نہیں ہوتی، چنانچہ انسان کی قوتِ عاقلہ نفسِ ناطقہ سے متعلق ہے، جو مدرکِ کلیات ہے، الغرض فلاسفۂ قدیم کے مسلمات سے ہے کہ دماغی قوتیں محض جزئی اور خاص خاص معانی کا ادراک کرتی ہیں، جو مثلاً زید، عمر، بکر سے متعلق ہیں، اور کلی مفہوم کا ادراک ایک بالاتر قوت سے حاصل ہوتا ہے، جسے قوّتِ ناطقہ اور عاقلہ کہتے ہیں۔

مَعَانِیِ جُزئِیّہ کی مثال وہ عداوت ہے، جو زید کو بکر کے ساتھ ہے، اور **مَعَانیِ کلیہ** (عام معانی) کی مثال عام مفہوم عداوت ہے جس کا ترجمہ دشمنی ہے، خواہ کسی شخص کو کسی شخص کے ساتھ ہو۔

قوتِ واہمہ کا ثبوت "الغرض ان معانی کا ادراک اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے دماغ میں کوئی ایسی قوت ضرور موجود ہے، جو اس قسم کی باتوں کو ادراک کرتی ہے، اور چونکہ یہ معانی بیرونی حواس سے دماغ تک نہیں پہونچتے (اور بیرونی حواس ان معانی کے مدرک نہیں ہیں) اس لئے یہ اس بات کو بتاتے ہیں کہ یہ "قوّت" حسِ مشترک سے جداگانہ ہے۔
رہا یہ امر کہ یہ "قوت" خیال سے بھی مختلف ہے، تو یہ ایک کھلی ہوئی چیز ہے، کیونکہ قوتِ خیال محسوس کی ہوئی صورتوں کی حفاظت کرتی ہے، اور قوتِ واہمہ ان محسوسات کے ساتھ ایسے معانی کا حکم لگاتی ہے، (ایسے معانی وابستہ کردیتی ہے) جو بیرونی طور پر محسوس نہیں ہو سکتے" (نفیس)
مثلاً کسی شخص کو دیکھکر یہ کہنا کہ جو صورت سامنے آئی ہے، یہ میری دشمن یا میری دوست ہے۔

علامہ علی حسین گیلانی کہتے ہیں:

واہمہ کا مقام :- قوتِ واہمہ کو دماغ کی تمام قوتوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے، اور اس کا مقام سارا دماغ ہے۔ لیکن اس کی سلطنت (دارالسلطنت) بطنِ اوسط کے پچھلے حصہ میں ہے۔" (جامع الشرحین)

قوتِ واہمہ کی ہمہ گیری :- بعض فضلاء کا یہ خیال ہے کہ سارے قوائے حساسہ میں قوتِ واہمہ ہی حاکم ہے، اور باقی قویٰ قوتِ واہمہ کے آلات ہیں؛ قوتِ واہمہ ہی معانی اور صُور کی مُدرِک ہے، اور قوتِ واہمہ ہی دیگر قویٰ کی وساطت اور مدد سے ان میں جوڑ توڑ بھی کیا کرتی ہے۔ (تفصیل و ترکیب بھی کیا کرتی ہے۔)"

" لیکن دوسری دماغی قوتوں کو چونکہ معانی کے ادراک میں کچھ دخل نہ تھا، اس لئے فقط معانی کا ادراک قوتِ واہمہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔"

" رہے دوسرے ادراکات اور احساس کے دوسرے کام تو وہ وہم سے بھی صادر ہوتے ہیں، اور ایک دوسری قوت سے بھی، جو رتبۃً قوتِ واہمہ سے پست اور ماتحت ہے۔ اس لئے ہر کام کو اس دوسری قوت کی طرف منسوب کر دیا گیا جس میں وہم اور وہ دوسری قوت دونوں شریک ہیں، خواہ وہ کام ادراک کے قبیلے سے ہو، یا تصرف کی قسم سے۔" (نفیس)

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اعمالِ حِسّیہ تین ہیں: (۱) صورتوں کا ادراک — (۲) معانی کا ادراک — (۳) صُور اور معانی میں کاٹ چھانٹ اور تصرف۔ ان تین کاموں میں سے ایک کام، معانی کا ادراک، خصوصیت کے ساتھ قوتِ واہمہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ بقیہ دونوں کام واہمہ اور ایک دوسری قوت سے حاصل ہوتے ہیں: چنانچہ صورتوں کا ادراک حِسِ مشترک اور واہمہ سے، اور صُور و معانی میں تصرف قوتِ متصرفہ اور واہمہ سے انجام پاتا ہے۔

الغرض قوتِ واہمہ کا مخصوص فعل ادراکِ معانی ہے، جو اس کی طرف منسوب کر دیا گیا، اور ادراکِ صُور کو حِسِ مشترک کی طرف، جو اس سے

بھی انجام پاتا ہے، اور واہمہ سے بھی: اور تصرف کو قوتِ متصرفہ کی طرف، جو اس سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اور واہمہ سے بھی۔

اختلافِ مذاہب | شیخ الرئیس کہتے ہیں:

"بعض لوگ قوتِ واہمہ کا نام تخیّل رکھتے ہیں، جس کا انھیں حق ہے۔" (قانون)

یعنی قوت واہمہ کے افعال کو وہ لوگ قوتِ تخیلہ کے افعال میں شریک کرتے ہیں، جیسا کہ صاحب کامل کے قول سے مترشح ہوتا ہے۔ یہ لوگ قوتِ واہمہ کا الگ کوئی مستقل بیان نہیں کرتے۔

چنانچہ شیخ کہتے ہیں:

"قوتِ واہمہ کے جاننے اور اس کے پہچاننے کی اطباء پرواہ نہیں کرتے۔" (قانون)

یعنی اطباء دماغ کے سارے افعال کو تین قوتوں کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں، متخیلہ، مفکرہ اور حافظہ

اس لئے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں واہمہ کا الگ نہ کوئی مستقل وجود تسلیم کیا گیا ہے، اور نہ قوائے دماغیہ کے بیان میں اس نام کا عنوان آیا ہے۔

قوتِ حافظہ

"یہ قوت اُن جزئی معانی[1] کی حفاظت کرتی ہے، (خزانہ ہے) جو قوتِ واہمہ سے ادراک کئے جاتے ہیں۔"

"یعنی قوتِ حافظہ کو واہمہ سے وہی لگاؤ ہے، جو خیال کو حسِ مشترک کے ساتھ ہے۔" (نفیس)

[1] یعنی صُوَرِ جزئیہ کا خزانہ جس طرح خیال ہے جو بیرونی حواس سے پہونچتی ہیں، اُسی طرح معانیِ جزئیہ کا خزانہ "حافظہ" ہے، جو قوت واہمہ سے پہونچتے ہیں۔ رہے معانی کلیہ اور صُوَر کلیہ، ان کا خزانہ، فلسفۂ قدیم کے خیال کے مطابق "عقلِ فعّال" (عقلِ عاشر) ہے جس سے قوت ناطقہ ان کو لیتا اور سپرد کرتا رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح حسِ مشترک صورتوں کو ادراک کرکے اپنے خزانۂ خیال میں سپرد کردیتی ہے، اسی طرح قوتِ واہمہ ان صورتوں کے معانی کو (مثلاً زید کی محبت، اور عمر کی عداوت کو) ادراک کرکے اپنے خزانۂ حافظہ میں رکھ دیتی ہے، اور پھر ضرورت کے وقت یہ سپرد کی ہوئی باتیں یاد آجایا کرتی ہیں۔ (حافظہ: حفاظت سے رکھنے والی قوت)

"قوتِ حافظہ قوتِ واہمہ کے افعال کی مددگار اس طریقے سے ہے کہ یہ واہمہ کی محسوس کی ہوئی باتوں کو حفاظت سے رکھتی ہے، اور ضرورت کے وقت واہمہ کے سامنے ان باتوں کو پیش کردیا کرتی ہے۔" (نفیس)

ذکر (یاد) "ایک گروہ نے قوتِ حافظہ کا نام **قوتِ ذاکرہ** (یاد دلانے والی) رکھا ہے، کیونکہ کسی چیز کی یاد اسی قوت سے پوری ہوتی ہے۔ کسی چیز کے یاد آنے (ذکر) کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ دماغ میں رکھی ہوئی بات ذہن سے اُتر جانے کے بعد ذہن کے سامنے آجائے۔"

"الغرض **ذکر** (یاد آنا) دو باتوں سے مرکب ہے:

(۱) ایک چیز کا دوسرے وقت ادراک کرنا، جو کبھی پہلے ادراک کی گئی ہے؛

(۲) اُس چیز کو (پہلے ادراک کے بعد) دماغ میں محفوظ رکھنا (کہ دوسرے وقت وہ یاد کی جاسکے)۔ چنانچہ اُس چیز کا ادراک کرنا قوتِ واہمہ کا کام ہے، اور اُس کو دماغ میں محفوظ رکھنا قوتِ حافظہ کا کام۔" (نفیس)

تخیّل "جس طرح **تخیّل** (خیال کرنے) کے معنی یہ ہیں کہ خیال میں رکھی ہوئی صورتیں ان کے غائب ہوجانے اور ہٹ جانے کے بعد ذہن کے سامنے آجائیں۔ الغرض تخیّل بھی دو باتوں سے مرکب ہے:

(۱) کسی صورت کا دوسرے وقت میں ادراک کرنا، جو کبھی پہلے ادراک کی جاچکی ہے؛

(۲) اُس صورت کو ادراک کرنے کے بعد دماغ میں محفوظ رکھنا (کہ دوسرے وقت وہ یاد کی جا سکے)۔

چنانچہ اُن کا ادراک کرنا حِس مشترک کا کام ہے، اور اُن کو محفوظ رکھنا خیال کا کام۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو قوتِ ذاکرہ (یاد دلانے والی قوت) حقیقت میں دو قوتوں سے مرکّب ہے: ایک قوتِ مُدرکہ، اور دوسری قوتِ حافظہ۔" (تفہیس)

"قوتِ حافظہ کو قوتِ مُتذکِّرہ (یاد کرنے والی) اور مُسْتَرجِعَہ (لوٹانے والی) بھی کہتے ہیں: اس کے یہ نام اس وجہ سے رکھے گئے ہیں کہ اُس قوت میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ یہ معانی جب ذہن سے غائب ہو جائیں تو دوبارہ اِن معانی کو سرعت کے ساتھ ذہن کے سامنے لا کر ان کی تحقیق اور تصور کرا دے۔ کیونکہ تذکّر (یاد کرنے) کے معنی یہ ہیں کہ جو باتیں دماغ میں محفوظ ہیں، ذہن سے اُتر جانے کے بعد وہ ذہن کے سامنے آ جائیں، اور تصور سے نکل جانے کے بعد لوٹ کر تصور میں آ جائیں۔"

"چنانچہ "تذکّر" میں تین کاموں کی ضرورت ہے:

(۱) اُن صورتوں میں تصرف کرنا پڑتا ہے جو خیال میں محفوظ ہیں، اور اِن کو قوتِ وہم کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے، تاکہ وہ ان صورتوں سے معانی اخذ کر کے ادراک کر سکے، یہ کام قوتِ متخیلہ کا ہے۔

(۲) اِن صورتوں کے معانی کا اخذ کر کے ادراک کرنا؛ یہ کام قوتِ واہمہ کا ہے۔

(۳) اِن معانی کی حفاظت کرنا اور ذخیرۂ معلومات میں محفوظ رکھنا؛ یہ کام قوتِ حافظہ کا ہے۔"

"اس لحاظ سے قوتِ متذکرہ (یاد دلانے والی قوت) درحقیقت تین قوتوں سے مرکب ہے، (قوتِ متخیلہ — واہمہ — حافظہ۔ لیکن یہ نام محض قوتِ حافظہ کا رکھا گیا ہے۔ (نفیس)

مُتَصَرِّفہ، مُفَکِّرَہ، مُتَخَیِّلَہ

اِن ہی اندرونی قوائے مُدرکہ میں سے مُتَصَرِّفَہ ہے، پھر اِس لحاظ سے کہ اس قوت سے نفسِ ناطقہ ـــــ کلی معانی میں ـــــ خدمت لیتا ہے، اس کا نام مُفَکِّرَہ رکھا جاتا ہے ـــــ اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے قوتِ واہمہ جزئی صُوَر اور معانی میں خدمت لیتی ہے، اُس کا نام مُتَخَیِّلَہ رکھا جاتا ہے۔

قوتِ متصرفہ کا مقام سارا دماغ ہے۔

(قرشی)

(مُتَصَرِّفَہ ـــ کے معنی ہیں: تصرف کرنے والی۔)

علامہ نفیس کہتے ہیں:

"قوتِ مُتَصَرِّفَہ محسوس کی ہوئی صورتوں میں، اور اُن معانی میں تصرف کرتی ہے، جو اُن ہی صُوَرِ محسوسہ سے اخذ کئے جاتے ہیں، جس کی دو صورتیں ہیں: ـــ گاہے یہ تَرکیب دیتی ہے (جوڑتی ہے)، اور گاہے تَفصِیل کرتی ہے (توڑتی ہے، اور ملانے کی بجائے الگ کر لیتی ہے)۔"

ترکیب کی صورتیں

"چنانچہ ترکیب کی بہت سی صورتیں ہیں:

(۱) بعض صورتوں کے ساتھ بعض صورتوں کو جوڑ دیتی ہے، مثلاً ایک ایسا انسان دماغ میں بنا کر ذہن کے سامنے پیش کر دیتی ہے، جس کے دو بازو ہوں (جیسا کہ پریوں کی خیالی تصویریں بنائی جاتی ہیں: یہاں مکمل انسان کے ساتھ بازو جوڑ دیئے گئے ہیں۔)"

"(۲) بعض معانی کے ساتھ بعض معانی کو جوڑ دیتی ہے، مثلاً کسی مخصوص دوستی کے ساتھ کسی خاص دشمنی کا خیال کرنا (جیسے زید کی دوستی کے ساتھ عمر کی عداوت کو ملا کر تصور کرنا)۔"

"(۳) بعض معانی کو بعض صورتوں کے ساتھ جوڑ دیتی ہے، مثلاً زید کی صورت کے ساتھ کسی خاص محبت کو جوڑ کر خیال کرنا، جیساکہ انسان اکثر اپنے تصوّر میں فرض کر لیا کرتا ہے، خواہ وہ شخص قطعاً محبت سے خالی ہو)"

"اسی طرح تَفْصِیل (توڑنے) کی بھی متعدد صورتیں ہیں:

تفصیل کی صورتیں

"(۱) بعض صورتوں کو بعض صورتوں سے جدا کر لیتی ہے، مثلاً ایسے انسان کا تخیّل، جو سر نہ رکھتا ہو (یہاں سر کو انسان کی پوری تصویر سے جُدا کر لیا گیا ہے)"

"(۲) بعض معانی کو بعض معانی سے جُدا کر لیتی ہے، مثلاً کسی خاص دشمنی کا خیال کرنا جس سے کسی مخصوص دوستی کو ذہن میں جُدا کر لیا جائے"

"(۳) بعض معانی کو بعض صورتوں سے جُدا کر لیتی ہے، مثلاً زید کا اس طرح خیال کرنا، کہ اُس کی مخصوص دوستی دُور ہو چکی ہے (اور اس کو دوستی سے خالی فرض کرنا، درانحالیکہ پہلے وہ دوست تھا)"

"اس قسم کے دماغی تخیلات اور تصوّرات اور جوڑ توڑ گاہے بیرونی واقعات کے مطابق ہوتے ہیں، اور گاہے یہ واقعات کے مخالف" (النفس)

(اس قسم کے تخیلات و تصورات کو فرضی تَصَوُّرات کہا جاتا ہے، جیسا کہ دن رات کے معاملات میں دوستوں اور دشمنوں کے متعلق اظہار رائے کے وقت کہا جاتا ہے کہ "بالفرض" اگر وہ ایسا نہ کرے — "بالفرض" اگر وہ اندرونی طور پر دشمن ہو، اور بظاہر دوست۔

چنانچہ اس قسم کے فرضی تصورات گاہے واقعات کے عین مطابق نکل آتے ہیں، اور گاہے یہ واقعات اصلی کے مخالف۔

متصرفہ کے دو کام اور دو نام

(۱) مُفَکِّرہ: "اس لحاظ سے کہ اس قوت (متصرفہ) سے نفسِ ناطقہ کلی معانی میں خدمت لیتا ہے، اس کا نام مُفَکِّرہ رکھا جاتا ہے"

؎ اس کا نام "مُفَکِّرَہ" اس وجہ سے رکھا جاتا ہے کہ یہ قوت، فکر کے سامان (مَوَادِ فِکْرِیَّہ) میں تصرف اور ادل بدل کرتی ہے۔ (نفیس)

(۲) مُتَخَیِّلَہ :- اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے قوتِ واہمہ جزئی صُوَر اور معانی میں خدمت لیتی ہے، اس کا نام مُتَخَیِّلَہ رکھا جاتا ہے۔

؎ اس کا نام "مُتَخَیِّلَہ" اس مناسبت سے رکھا جاتا ہے کہ یہ قوت خیالی صورتوں اور اُن کے معانی میں تصرف اور ادل بدل کرتی ہے۔ (نفیس)

قوتِ متصرفہ کی نوعیتِ عمل

قوتِ متصرفہ کو ہم ایک "پیشکار" سے تشبیہ دے سکتے ہیں، جو خود کسی امر کا فیصلہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اور ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو "حاکم" کے سامنے رکھ دیا کرتا ہے۔

چنانچہ چھوٹے چھوٹے معاملات (امورِ جزئیہ) کو یہ قوت چھوٹے حاکم ——— واہمہ ——— کے سامنے پیش کیا کرتی ہے، اور بڑے بڑے معاملات (امورِ کلیہ) کو سب سے بڑے حاکم ——— قوتِ عاقلہ ——— کے سامنے رکھا کرتی ہے، جو ان معاملات کو سمجھ کر فیصلہ کیا کرتے ہیں۔

فرق صرف اس قدر ہے کہ عدالت کا پیشکار تمام کاغذات بجنسہٖ، بلا تغیر و تبدل حاکم کے سامنے رکھدیا کرتا ہے، اور اُسے تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا، مگر یہ دماغی پیشکار مقدمہ کی روداد کو مختلف صورتوں سے تصرف کرنے اور کاٹ چھانٹ کے بعد پیش کیا کرتا ہے، تاکہ دماغی حاکم کو نتیجہ نکالنے میں آسانی ہو: ——— اگر ایسا ہوا تو یہ ہوگا ——— اگر ویسا ہوا تو وہ ہوگا ———

متصرفہ کا محل

؎ قوتِ متصرفہ کا مقام سارا دماغ ہے۔"

"کیونکہ اس کا تصرف بھی عام ہے (اس کو ہر جگہ سے صُوَر اور معانی لینے پڑتے ہیں)، لیکن اس کی سلطنت دماغ کے درمیانی حصے میں ہے، تاکہ یہ (بیچ میں ہونے کی وجہ سے) صورتوں سے بھی قریب رہے، اور معانی سے بھی:

؎ مَوَادِ فِکْرِیَّہ غور و فکر کا سامان، وہ اُمور جن میں انسان سوچ بچار کرتا ہے۔ فکر کے مواد معانی کلیہ ہیں۔ انسان جب کسی بات کو سوچتا ہے، اور سوچ کر کوئی نتیجہ نکالنا چاہتا ہے، تو مختلف مقدمات کو ترتیب دیتا ہے۔ جن میں مقدماتِ کلیہ بھی ہوتے ہیں۔

اور ان میں سے جو لینا چاہے، وہ آسانی کے ساتھ لے لیا کرے۔" (نفیس)

متصرفہ سے انکار

"بعض لوگوں کا قول ہے (جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے) کہ قوتِ متصرفہ دراصل قوتِ واہمہ ہی ہے۔" (نفیس)

ایسے لوگوں کے نزدیک دماغی قوتوں کی تعداد پانچ نہیں، بلکہ چار ہی رہ جائے گی، جس طرح اطباء کے نزدیک ان کی تعداد محض تین ہے۔

اِدراکِ کُلّیات:

نفس کے قوائے مُدرِکہ میں سے ایک قوت باقی رہ گئی ہے، جس کو **قوّتِ عاقلہ اِنسانیہ** اور **عقل و تمیز** کہا جاتا ہے، اور جو کلی اُمور اور عام مفہوم کی مُدرِک ہے، لیکن فلاسفۂ قدیم[1] کا خیال ہے کہ یہ کام خود نفس کا ہے، جو دماغ کے کسی حصے سے متعلق نہیں ہے۔ باقی چیزوں (صُوَرِ جزئیہ اور معانیِ جزئیہ) کا ادراک بھی اگرچہ نفس ہی کرتا ہے، مگر دماغی قویٰ کی وساطت سے؛ یعنی یہ قویٰ اس بارہ میں نفس کے آلات بنتے ہیں۔ یہ قوت محض انسان میں پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے انسان میں غور و فکر کرنے اور نتائج نکالنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ بڑے بڑے کام اور ایجادات کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

شیخ الرئیس کہتے ہیں:-

"رہی وہ قوت جو نفس کے قوائے مدرکہ میں سے باقی رہ گئی ہے، تو وہ **قوت اِنسانیّہ ناطقہ** ہے۔"

"جو محض انسان میں پائی جاتی ہے، اور اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کا نام قوتِ عاقلہ اِنسانیہ ہے، اسی کی وجہ سے انسان دیگر حیوانات سے

---

[1] فلاسفۂ یونان کی رائے ہے کہ نفس ایک جوہرِ مجرد ہے، وہ کسی مادہ اور جسم کے ساتھ مقید نہیں۔

لیکن اطبائے یونان کا خیال اس کے خلاف ہے۔ وہ قائل ہیں کہ "نفس ناطقہ کا محل دماغ ہے۔" (فردوس الحکمۃ ص۱۴۳)

سے اشرف ہو گیا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان میں تمیز اور فکر اور سوچ بچار کی قوت حاصل ہو گئی ہے۔)

اس کے بعد موصوف کہتے ہیں:

"اطبار جبکہ قوتِ وَھْمِیَّہ (واہمہ) سے بحث نہیں کرتے، تو اس قوت سے تو انھیں بدرجۂ اتم گریزاں ہونا چاہیئے" (قانون)

کیونکہ یہ قوت تو، فلاسفۂ یونان کے مسلمات کے مطابق، اعضار کے کسی خاص حصے کے ساتھ وابستہ بھی نہیں ہے، کہ اُس کی آفت سے اُس کے افعال میں خرابی آجائے، اور اُس کی تدبیر کی ضرورت ہو۔

"بلکہ اطبار کی نظر محض اُن ہی مذکورہ بالا تین قوتوں (تخیل، تفکر، تذکر) کے افعال تک محدود رہا کرتی ہے، اس سے زیادہ نہیں" (قانون)

دماغی قوٰی کا باہمی تعاوُن

"دماغ کی اندرونی قوتیں اُن آئینوں کے مانند ہیں، جو ایک دوسرے کے مقابل رکھے ہوئے ہوں: پس ایک آئینہ میں جو تصویر چھپتی ہے، دوسرے آئینہ میں اُس کا عکس آجاتا ہے (اسی طرح دماغی قوتوں میں جو چیزیں ہوتی ہیں، وہ دوسری قوتوں میں جاتی ہیں)" (نفیس)

اس تشبیہ سے، جس سے دماغی اعمال پر دُھندلی سی روشنی پڑتی ہے، اس سؤال کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب دماغ کے مختلف مراکز و مقامات ہیں، اور ہر مقام میں جو کام ہوتا ہے، وہ دوسرے سے الگ ہوتا ہے، کہیں تصویریں چھپتی ہیں، کہیں اُن کے معانی دراک کئے جاتے ہیں، اور کہیں ان میں جوڑ توڑ ہوتا ہے، تو پھر اس سرعت سے دماغی کام کیسے سرانجام پایا کرتے ہیں۔ یہ تو ایک طول اَمل ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سارے دماغی قوے اُن آئینوں کے مانند ہیں جو آمنے سامنے رکھے ہوئے ہوں۔ ان میں سے کسی ایک آئینہ میں جو چیز چھپتی ہے، اُس کا عکس دوسرے آئینوں میں آنِ واحد میں چھپ جاتا ہے۔

اسی مثال پر دماغی قویٰ کی رفتار اور ان کی تیزیٔ عمل کو قیاس کیا جائے۔

مذہبِ اطباء اور دماغی قویٰ

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، قدیم اطباء یونان تمام دماغی افعال کو تین قویٰ کے ذیل میں بیان کرتے ہیں: تخیل، فکر، اور ذکر؛ اور ان ہی تین کے مطابق معالجات کی کتابوں میں ان کے تین امراض لکھے جاتے ہیں:

(۱) فسادِ تخیل، (۲) فسادِ فکر، (۳) فسادِ ذکر

اس لئے طبی کتابوں میں اطباء کے بیانات ہی کی پابندی مناسب ہے، ان میں فلسفیانہ دلائل کو زیادہ دخیل کرنا مقصودِ اصلی کے لئے اُلجھاؤ کا باعث بن جاتا ہے۔

اطباء کے مسلمات بہت واضح اور صاف ہیں، اس لئے اس موقعہ پر ان کی ترجمانی مناسب ہے۔

چنانچہ صاحبِ کامل کہتے ہیں:

(۱) تخیل یا قوتِ متخیلہ "وہ قوت جس سے تخیّل حاصل ہوتا ہے، یہ وہ ہے جو ان امور کو، جو تصور و توہم کے ذریعہ سمجھے گئے ہیں، انھیں قوتِ فکر کے سامنے (نفاذِ احکام اور مناسب فیصلہ کے لئے) پیش کر دیا کرتی ہے۔" (فکر، سوچ بچار)

تخیل کے متعلق صاحبِ کامل اس قدر مزید صراحت فرماتے ہیں:

"تخیّل کا مقام دماغ کا وہ حصہ ہے، جس میں دونوں بطن مقدم واقع ہیں۔ (مقدم دماغ)"

"تخیّل میں غیر حاضر چیز اس طرح ادراک کی جاتی ہے، گویا کہ وہ حاضر ہے۔"

(۲) فکر، یا قوتِ مفکّرہ "اور وہ قوت جس سے فکر وابستہ ہے، یہ وہ قوت ہے، جو اُن (مذکورہ) اُمور میں، جن کا تخیل اور توہم کے ذریعہ تصور کیا گیا ہے، سوچ بچار کرتی، اور تمیز و تدبیر عمل میں لاتی ہے، خواہ وہ اُمور صناعات و علوم سے ہوں، یا دوسرے اعمال سے۔"

"پھر اگر یہ اُمور اُن کاموں سے ہوں، جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں (دست کاری)، اور اُن کی تکمیل میں اعضاء کو حرکت دینا پڑتا ہے، تو فِکر کے اس عمل کے بعد اس کام کی عَزِیمت (عزم، قصد، ارادہ) پیدا ہوتی ہے اور اس عزم کے بعد اُن اعضاء میں تَحرِیک واقع ہوتی ہے، جو ارادہ سے حرکت کیا کرتے ہیں۔"

"اور اگر یہ امور ایسے ہوں، جن کا محض یادداشت میں رکھنا کافی ہے، تو غور و فکر کے بعد (جو نتیجۂ فکر حاصل ہوتا ہے) وہ حافظہ (ذاکرہ) میں رکھ لئے جاتے ہیں۔"

"فِکر (تفکّر) کا مقام دماغ کا وہ حصّہ ہے، جس میں بطن اوسط واقع ہے۔"

(۳) ذِکر یا قوت ذاکرہ "رہی وہ قوت جس سے حِفظ (ذِکر، یادداشت) وابستہ ہے، یہ وہ قوت ہے، جو اُن اُمور کی حفاظت کرتی ہے، جو فِکر یا گمان سے حاصل ہوئے ہیں، اور ان کو اپنے مقام میں (مقام یادداشت میں) چھاپ کر رکھ لیتی ہے، جو وہاں اسی طرح محفوظ پڑے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب (کسی وجہ سے) ان کی ضرورت پیش آتی ہے، (اور انھیں ذہن کے سامنے لانا پڑتا ہے) تو قوت حافظہ انھیں قوت سے فعل میں لے آتی ہے (یعنی جو چیز غائب بہ ظاہر معدوم، اور بالفعل مفقود تھی، وہ ذہن کے سامنے حاضر ہو کر موجود ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام یاد یعنی ذُکر ہے)۔ (ذِکر: یاد کرنا۔ ذُکر: یادداشت)

"ذِکر (تذکّر) کا مقام دماغ کا وہ جزو ہے، جس میں بطنِ مؤخر واقع ہے۔"

(کامل الصناعہ)

اِنتباہ

اس پورے بیان پر اگر نظرِ امعان ڈالی جائے، تو واضح ہوگا کہ اطباء کے نزدیک:

(۱) قوّتِ مُتَخَیّلَہ کی حیثیت ایک پیشکار کی ہے، جو ہر قسم کے چھوٹے بڑے معاملات کو اپنے حاکم کے سامنے مناسب احکام کے لئے پیش کر دیا کرتی ہے، خواہ یہ معاملات جزئی ہوں، یا کلی — اور خواہ اُن کا تعلق صورتوں سے ہو، یا معانی سے۔

(۲) قوتِ فِکر (مُفکّرہ) کی حیثیت بادشاہ اور حاکم کی ہے، جس کے متعلق ہر قسم کی تمیز و تدبیر وابستہ ہے۔ تمام اُمورِ کلیہ و جزئیہ میں اسی کے احکام چلا کرتے ہیں۔

(۳) قوتِ ذِکر (ذاکرہ، حافظہ) میں ہر قسم کے امور مخزون و محفوظ رہا کرتے ہیں، جو ضرورت کے وقت یاد کئے جا سکتے ہیں، ان میں نہ صُوَر کی تخصیص ہے، اور نہ معانی کی۔

رہے اس قسم کے فلسفیانہ جھگڑے کہ

معانی کا خزانہ الگ ہونا چاہیئے، اور صُوَر کا الگ — کلیات کا خزانہ الگ ہونا چاہیئے، اور جزئیات کا الگ — جزئیات کا ادراک اگر ایک قوت سے ہو، تو کلیات کا دوسری قوت سے، اس قسم کی اُلجھنوں سے اَطبّاء کا قول پاک ہے، جس کی عملی طور پر چنداں ضرورت بھی نہیں، پھر یہ جھگڑے ایسے ہیں کہ ان میں اُلجھ جانے کے بعد ان سے باہر آنا دشوار ہے۔ اس لئے ان میں پھنسنا علم طب کے لحاظ سے قطعاً بے سود، جیسا کہ شیخ نے ہر جگہ (چھیڑنے کے بعد) اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

(۳) قوتِ حیوانیہ

(قوتِ حیات)

قُویٰ کی تیسری جنس قوّتِ حَیَوَانِیّہ ہے.
قوتِ حیوانیہ وہ قوت ہے، جو تمام اعضاء
کو قوائے نفسانیہ کے قبول کرنے کے لئے آمادہ کر دیتی
ہے. (قرشی)

اس قول کی شرح میں علّامہ نفیس کہتے ہیں:

شرح "یہ قوت (حَیَوانِیہ) تمام اعضاء کو حِسّ کی قوت اور حرکت ارادی کی قوت قبول کرنے کے لئے آمادہ کر دیتی ہے. نیز یہ قوت تمام اعضاء کو اُن قویٰ کے قبول کرنے کے لئے بھی تیار کر دیتی ہے، جو غذا میں حَیَوانِی تَصَرّفات[1] کرتی ہیں؛ خواہ یہ تصرف حیاتِ شخصی کی بقاء کے لئے ہو، یا حیاتِ نوعی کی بقاء کے لئے." (نفیس)

علامۂ نفیس کے قول کی توضیح یہ ہے کہ:

توضیح قوتِ حیوانیہ روحِ حیوانی کے ذریعہ تمام اعضاء کی حیات کو قائم رکھتی ہے، جس کا ذریعہ یہ ہے کہ قلب کی قوتِ حیوانیہ شرائین کی راہ خون روحانی

[1] حَیَوانی تَصَرّفات: یعنی غذا میں ایسے تصرفات اور استحالات پیدا کرتی ہے، جس سے وہ حیوان کے تغذیہ میں داخل ہو جانے کے قابل ہو جاتی ہے.

روانہ کرتی ہے، جو اپنی روح کے ذریعہ تمام اعضاء کی ساختوں کو زندہ رکھتا ہے، جب یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، تو اعضاء سے حیات منقطع ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اعصاب کے ذریعہ حس و حرکت کی قوت (قوتِ نفسانیہ) جو وہاں پہونچا کرتی ہے، وہ بیکار اور رائگاں جاتی ہے، یہی حال قوتِ طبعیہ کا ہے، جس سے تغذیہ کے افعال وابستہ ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اعضاء کی یہ قوتیں اُسی وقت اپنا عمل ظاہر کرتی ہیں، جبکہ اعضاء میں حیات ہو، اور اعضاء میں حیات اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک خونِ شریانی[1] کے ذریعہ روح حیوانی برابر پہونچتی رہے۔

لیکن اس کے برعکس ایسی صورتیں پائی جاتی ہیں کہ اعضاء میں حس اور ارادی حرکت نہیں ہے، یا کھو گئی ہے، مگر وہ زندہ ہیں، چنانچہ خدر و فالج اور بے حس و حرکت اعضاء اس کی مثالیں ہیں۔

وجود قوتِ حیوانیہ

چنانچہ نفیس کہتے ہیں:

"قوتِ حیوانیہ کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ عضوِ مفلوج زندہ رہتا اور اس میں حیات موجود ہوتی ہے اگرچہ یہ قوتِ نفسانیہ (یعنی حس و حرکت سے خالی ہوتا ہے): اگر عضوِ مفلوج میں زندگی نہ ہوتی، تو یہ متعفن ہو کر فاسد ہو جاتا، خلاصہ یہ کہ اس میں وہ باتیں پیدا ہو جاتیں، جو مردوں کی لاشوں میں پیدا ہو جاتی ہیں: اسی طرح عضوِ مفلوج پر مٹی اور دوسرے بے حس و حرکت اعضاء کو بھی قیاس کرنا چاہئیے"۔ (نفیس)

قوتِ حیوانیہ اور دوسرے قوے

روح کے بیان میں ابو سہل کا قول آچکا ہے کہ

"دوسری قوتوں (نفسانیہ و طبعیہ) پر قوتِ حیوانیہ مقدم ہے، کیونکہ جب تک اعضاء میں یہ قوت کارفرما نہیں ہوتی، روح اور حرارت غریزیہ حاصل نہیں ہوتی، جو تمام قویٰ کے افعال کے لئے واسطہ ہیں"[2]۔

---

[1] حکیم حسین گیلانی نے خونِ شریانی کو دم حار (گرم خون) کی اصطلاح سے یاد کیا ہے (جامع الحکمتین)

[2] اس سے ثابت ہوا کہ قوتِ حیوانیہ قوتِ نفسانیہ سے الگ ایک قوت ہے جس سے اعضاء میں حیات حاصل ہوتی ہے۔

"نیز دوسری قوتیں اور ان کے افعال اعضاء میں قوتِ حیوانیہ کے بعد ہی وجود میں آتے ہیں، اور اس کے فقدان کے ساتھ مفقود ہو جاتے ہیں"

قوتِ حیوانیہ کے افعال کی توضیح

پچھلے بیانات میں آچکا ہے کہ

(۱) جو اعضاء ہوا ور روح میں تصرفات کرتے ہیں، وہ اعضاءِ حیوانیہ کہلاتے ہیں، یعنی ایسے اعضاء میں جو قوتیں پائی جاتی ہیں، وہ قوائے حیوانیہ کہلاتی ہیں۔

(۲) یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس گروہ میں سب سے بڑی اہمیت قلب کو حاصل ہے، (رئیس یعنی سرگروہ ہے) جو تاز یست سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔

(۳) یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ عروق کے ذریعہ اگر اعضاء میں کچھ مواد ان کے تغذیہ کے لئے پہنچتا ہے، تو کچھ مواد تولیدِ حرارت کے لئے، جس سے حرارت غریزیہ حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ تغذیہ کا مواد جو قوت فراہم کرتی ہے، وہ طبعیہ کہلاتی ہے، اور تولیدِ حرارت کا مواد جو قوت مہیا کرتی ہے، وہ حیوانیہ کہلاتی ہے۔

الغرض قوّتِ حیوانیہ وہ قوت ہے، جو قلب میں انقباض و انبساط پیدا کرتی ہے — جس سے تنفس کا عمل جاری ہے — اور جس سے شریانوں میں تڑپ (نبضان) قائم ہے۔

یا بہ الفاظِ دیگر — قوتِ حیوانیہ وہ قوت ہے، جو اعضاء کو روح مہیا کرتی ہے — جو اعضاء کی حیات کو مسلسل قائم رکھتی، اور ان کو سڑنے گلنے سے بچاتی ہے، — اور جو اعضاء میں حرارتِ غریزیہ پیدا کرتی ہے:

قلب کے انقباض و انبساط کا فائدہ

یہ بتایا جا چکا ہے کہ:

قلب دو خانوں میں منقسم ہے، جن کو بطون کہا جاتا ہے۔[1] ان دونوں خانوں میں ہر طرف آمد و رفت کے دو دو راستے یا عروق[2] ہیں۔ ان

---

[1] وفی البطن الایمن فوھتان .... وفی البطن الایسر ایضاً فوھتان (کتاب المختارات، ابن ھبل)۔

[2] ان القلب یخرج منہ عروق اربعۃ: اما الشریان الوریدی فعلی مخرجہ غشاءان واما الثلاثۃ الاخر فعلی کل واحد ثلاثۃ اغشیۃ۔

(شرح قانون۔ علامہ علاء الدین قرشی)
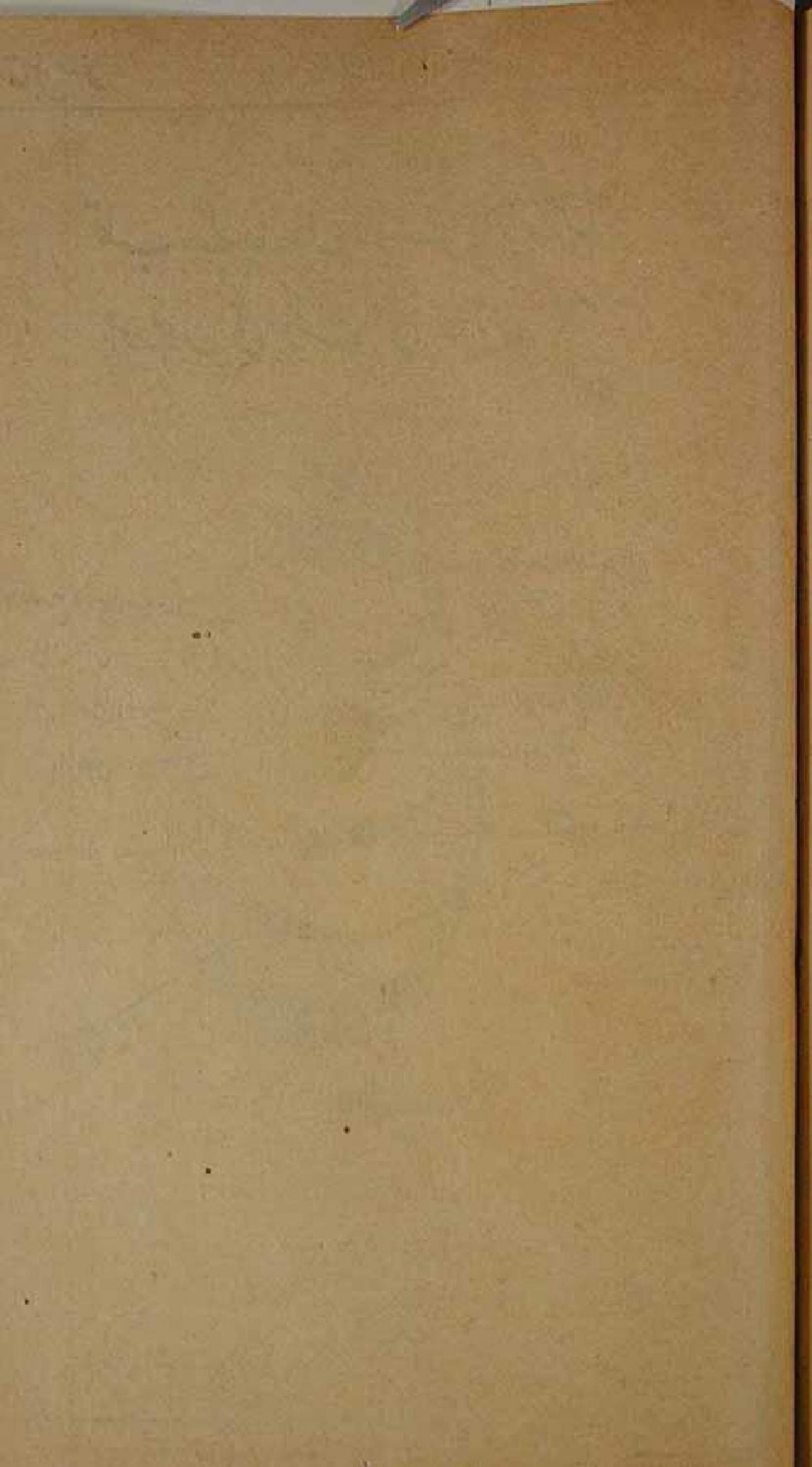
قلب کے چاروں دہانے، چاروں رگیں، اور خون کی حرکت کی راہیں

پھیپھڑے

داخنہ (ورید شریانی)

دایاں اذن

اجوف (دونوں)

دایاں بطن

جگر

عروق شعریہ عام بدن

صنج (شریان وریدی)

بایاں اذن

ابہر (اورطی)

بایاں بطن

معدہ و امعاء

دونوں گردے

GOVT. NIZAMIA TIBBI COLLEGE
LIBRARY
No.
Date
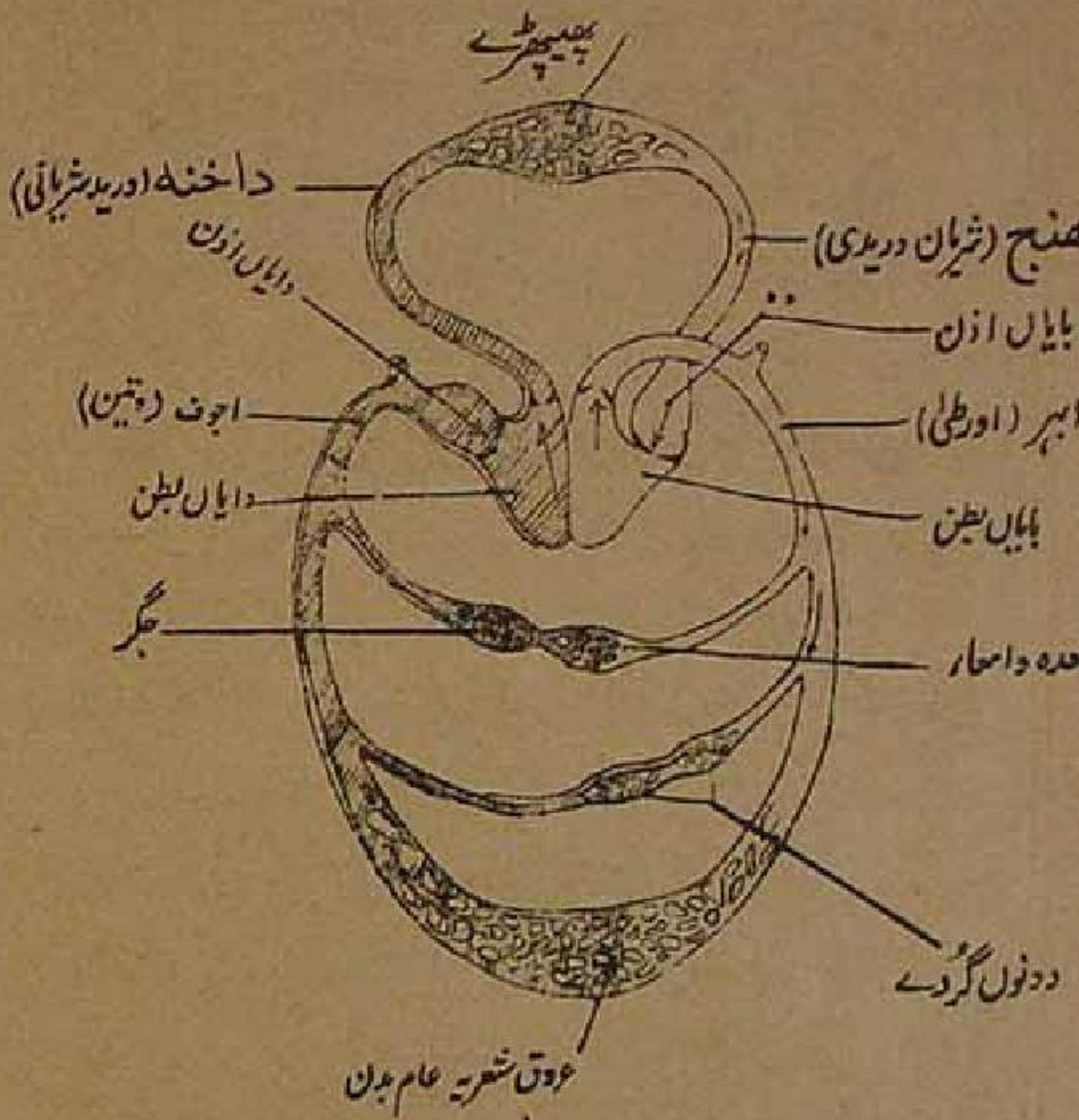
چار راہوں میں سے دو کا تعلق پھیپھڑوں سے، اور دو کا تعلق عام بدن سے ہے،

پھیپھڑوں کی دونوں راہیں جن دو راہوں کا تعلق پھیپھڑوں سے ہے، ان میں سے

(۱) ایک کی راہ روح کے فضلات (بخارات دخانیہ) قلب کے دائیں بطن سے، اس کے انقباض کے ذریعہ، پھیپھڑوں تک پہونچتے ہیں۔ (ادردیہ شریانی)۔

(۲) دوسرے کی راہ پھیپھڑوں سے اجزاء نسیم منجذب ہو کر قلب کے بائیں بطن میں، اس کے انبساط کے ذریعہ، پہنچ جاتے ہیں۔ (شریان وریدی)۔

عام بدن کی دونوں راہیں جن دو عروق کا تعلق عام بدن سے ہے،

(۳) ان میں سے ایک کی راہ وریدی خون، جن میں بخارات دُخانیہ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے، قلب کے دائیں بطن تک پہونچتے ہیں، جن کو دائیں بطن کا انقباض پھیپھڑوں کی طرف روانہ کر دیتا ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا (اجوف، وتین)۔

(۴) دوسری رگ کی راہ شریانی خون، یا بہ قول صاحب کامل، حیوانی خون[1]، قلب کے بائیں بطن سے، اس کے انقباض کے ذریعہ تمام بدن میں دوڑ جاتا ہے (اَورطی، اَبْہر) یہ وہی خون ہے جس میں اجزاء نسیم بکثرت ہوتے ہیں، اور جو پھیپھڑوں سے شرائین وریدیہ کے ذریعہ قلب میں آتے ہیں، جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔

قلب کے سکڑنے اور پھیلنے کی منفعت کیا ہے؟ مذکورہ بیان سے اس پر اچھی طرح روشنی پڑجاتی ہے؛

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قلب کا تعلق پھیپھڑوں سے کیا ہے، اور سارے بدن سے کیا۔

اس سے یہ بھی روشن ہو جاتا ہے کہ قلب تمام اعضاء کی حیات کا باعث کس طرح بنتا ہے؟ وہ پھیپھڑوں سے نسیم جذب کر کے براہ شرائین تمام اعضاء تک روانہ کر دیتا ہے، جو اعضاء کی حیات اور حرارت کو قائم رکھتے ہیں۔

---

[1] حیوانی خون: دم حیوانی، وہ خون جس میں حیات ہو، (سامان حیات، وزندگی ہو)۔

نسیم کو جذب کرنے کے لئے اگر قلب کے بائیں بطن کو پھیلنا پڑتا ہے (انبساط)، تو اس کو تمام اعضاء تک پہنچنے کے لئے سکڑنا پڑتا ہے (انقباض)۔

اسی طرح بخاراتِ دخانیہ کو پھیپھڑوں تک پہنچنے کے لئے، کہ وہاں سے خارج ہو سکیں، قلب کے دائیں بطن کو سکڑنا پڑتا ہے، اور تمام بدن سے قبول کرنے کے لئے اسے پھیلنا پڑتا ہے۔

قلب کے چار دہانے مذکورہ بالا شرح و تفصیل سے واضح ہے کہ قلب سے چار عروق تعلق رکھتی ہیں:

(۱) اجوف یا وتین	(۲) ورید شریانی (داخنہ)
(۳) شریان وریدی (بادھنج)	(۴) ابھر یا اورطی

اس لئے قلب میں چار دہانوں (فوہات) کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان دہانوں پر طبیعت نے ایسی جھلیاں بنا دی ہیں، جو کواڑیوں کی طرح ایک وقت کھلتی ہیں، اور دوسرے وقت بند ہو جاتی ہیں؛ تاکہ بطونِ قلب کے انقباض کے وقت جو خون قلب سے خارج ہو کر متصلہ رگوں میں چلا جاتا ہے، وہ پھر قلب میں واپس نہ آجائے۔

اسی طرح بطونِ قلب کے انبساط کے وقت جو خون متصلہ عروق کے ذریعہ قلب کے اندر داخل ہوتا ہے، وہ اس کے انقباض کے وقت اُدھر ہی واپس چلا نہ جائے۔ جدھر سے آتا ہے۔

اگر ایسی صورت ہو تو قلب کے انقباض و انبساط کی جو اصلی غرض ہے وہ پوری طرح حاصل نہ ہو۔

ان چاروں دہانوں کا ذکر ابو سہل نے اس طرح کیا ہے:

(۱) فُوْهَةُ الْوَتِيْن (اجوف کا دہانہ)، جس کی راہ جگر کی طرف سے آیا ہوا خون (وریدی خون) قلب کے دائیں بطن کی طرف چلا جاتا ہے — یہ دہانہ اندر سے باہر کی طرف اُن جھلیوں (کواڑیوں) کے ذریعہ بند ہو جاتا ہے، جو اس دہانہ پر واقع ہیں۔" (مسیحی)

قلب کے چاروں دہانے اور انکی رگیں
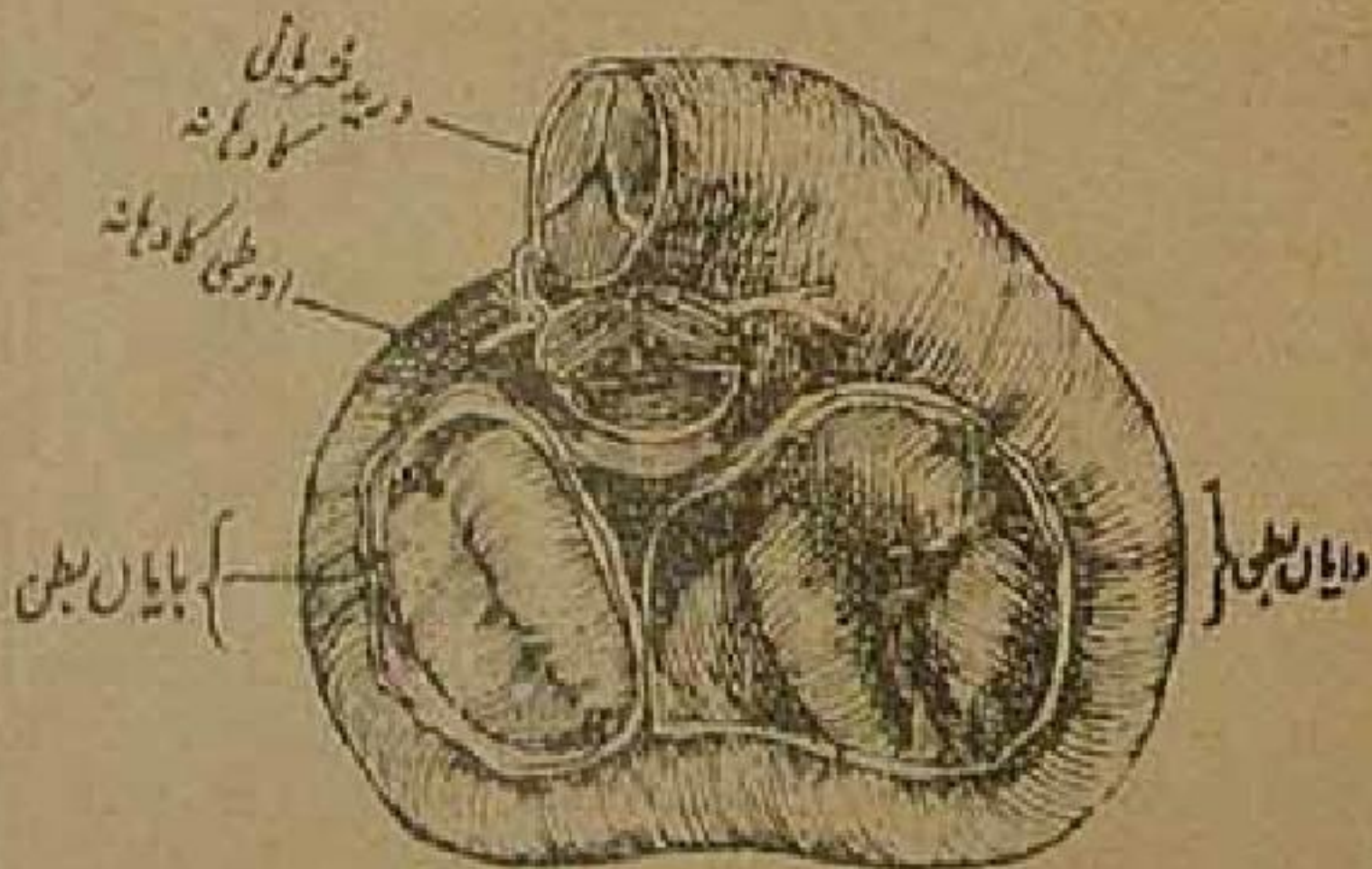
قلب کی کواڑیوں کا خاکہ (جن کے سارے پٹ گیارہ ہیں)

(۲) فُوْهَةُ الوَرِيْدِ الشِّرْيَانِيّ (ورید شریانی کا دہانہ):

"اور اس رگ کا دہانہ جو اس بطن (داہنے بطن) سے متصل ہے، اور جو پھیپھڑوں تک جاتی ہے، اور جس کی راہ دُخان (بخارات دُخانیہ) خارج ہوتا ہے ——— یہ دہانہ باہر سے اندر کی طرف بذریعہ چند جھلیوں (کواڑیوں) کے بند ہوجاتا ہے، جو اس دہانہ پر واقع ہیں" (مترجم)

داخنہ[1]

(۳) فُوْهَةُ الشِّرْيَانِ الوَرِيْدِيّ (شریانِ وریدی کا دہانہ):

"اور اس شریان کا دہانہ جو پھیپھڑے سے متصل ہے، اور جس کی راہ پھیپھڑے سے قلب کی طرف ہوا (نسیم) آتی ہو ——— یہ دہانہ اندر سے باہر کی طرف چند جھلیوں کے ذریعہ بند ہوجاتا ہے، جو اس دہانہ پر واقع ہیں" (مترجم)

باذہنج (نافذہ)[2]

(۴) فُوْهَةُ الأَبْهَر (اورطی کا دہانہ): (جس کی راہ قلب کے بائیں بطن کا شریانی خون تمام بدن میں تقسیم ہوجاتا ہے) ——— یہ دہانہ باہر سے اندر کی طرف اُن چند جھلیوں (کواڑیوں) کے ذریعہ بند ہوجاتا ہے، جو اس دہانہ پر واقع ہیں[3] (مترجم)

خلاصہ یہ کہ قلب تک جو سامان ہوائی و غذائی، پھیپھڑے اور جگر وغیرہ سے پہونچتا ہے، اُسے قلب براہ کر پچکاری کی طرح متصلہ رگوں میں روانہ کردیتا ہے، اگر ان عروق کے دہانوں پر کواڑیوں کا یہ انتظام نہ ہوتا، تو خون ایک رُخ پر حرکت کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ کواڑیاں ایک ہی طرف کھلتی ہیں، اور خون واپس آنے لگتا ہے، تو بند ہوجاتی ہیں۔ اس طرح خون اور اخلاط خون (جو بہ قول گیلانی، دائم الحرکۃ ہیں) کی حرکت نظام و ترتیب کے ساتھ مسلسل قائم رہتی ہے، اور تمام اعضاء سامان ہوا (الروح) اور غذا سے برابر سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

---

[1] داخنہ: (لغۃ) وہ کھڑکی یا ہوادان، جس سے دھواں خارج ہو، دُودکش۔

[2] بَادْهَنج: وہ آلہ جس کی راہ صاف ہوا چھت سے مکان میں داخل ہو۔
نافِذَہ (لغۃ) دیوار کا وہ سوراخ، جس کی راہ ہوا اور روشنی داخل ہو۔ (روشن دان)

[3] کتاب المئۃ میں فُوْهَةُ الأَبْهَر کا ذکر فوہۃ الشریان الوریدی سے مقدم ہے، مگر میں نے حرکتِ خون و روح کی ترتیب کے لحاظ سے اسے مؤخر کردیا ہے۔

قوتِ فاعلہ منفعلہ

قوتِ حیوانیہ کے اس حصّے کو، جس سے قلب میں انقباض وانبساط برابر جاری رہتا ہے، جس سے شریانیں برابر تڑپتی رہتی ہیں، اور خونِ حار، یا خونِ حیوانی کے ساتھ روحانی ہوائی اجزا تمام اعضاء میں برابر تقسیم ہوتے رہتے ہیں، جس سے ان کی حیات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا، اور تولید حرارت کا عمل علی الدوام جاری رہتا ہے، قوتِ فاعلہ (کام کرنے والی قوت) کہا جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں قلب وعروق کے اُن تأثرات وانفعالات کو جو غصہ، خوف، خوشی، غم، شرمندگی، جذبۂ انتقام، اور دیگر تصورات وجذبات سے حاصل ہوتے ہیں، اور اس سلسلے میں قلب وعروق کی حرکت اور خون وروح کی حرکت میں فرق آجاتا ہے، قوت منفعلہ (متاثر ہونے والی قوت) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان نفسانی عوارض (احداثِ نفسانیہ) سے قوتِ حیوانیہ، اور ان کے آلات (قلب وعروق) متاثر ہوتے ہیں۔ اسی تأثر کا نتیجہ ہے کہ غصہ میں چہرہ اگر سرخ ہو جاتا ہے، تو خوف میں پھیکا، جسے "فق ہوجانا" کہتے ہیں۔

صاحبِ کامل کہتے ہیں:

"قوای حیوانیہ وہ قوتیں ہیں، جن سے حیات قائم ہے، اور جن کا معدن قلب ہے۔ یہ قلب ہی سے شروع ہوکر اور شرائین میں نفوذ کرکے سارے اعضاءِ بدن تک پہونچتی، اور ان کو حیات عطا کرتی ہیں۔"

ان قوائے حیوانیہ میں سے ایک قوتِ فاعلہ ہے، جس سے قلب وشرائین میں انقباض وانبساط حاصل ہوتا ہے۔"

"اور ان ہی میں سے ایک قوتِ منفعلہ ہے، جس سے غصہ، خوف، خوشی، غم، سرداری وبرتری (ترؤُس وانَفَة) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔" (الملکی)

ملہ اسی وجہ سے ضعیف القلب انسان میں سرداری اور احساس برتری کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔

قلب کے ایک جوف کا خاکہ

اجوف

اجوف

دایاں اذن

دایاں بطن

قلب کے ایک جوف کا خاکہ

اجوف

اجوف

دایاں اذن
بند کواڑی

دایاں بطن

اسی طرح شیخ الرئیس لکھتے ہیں:
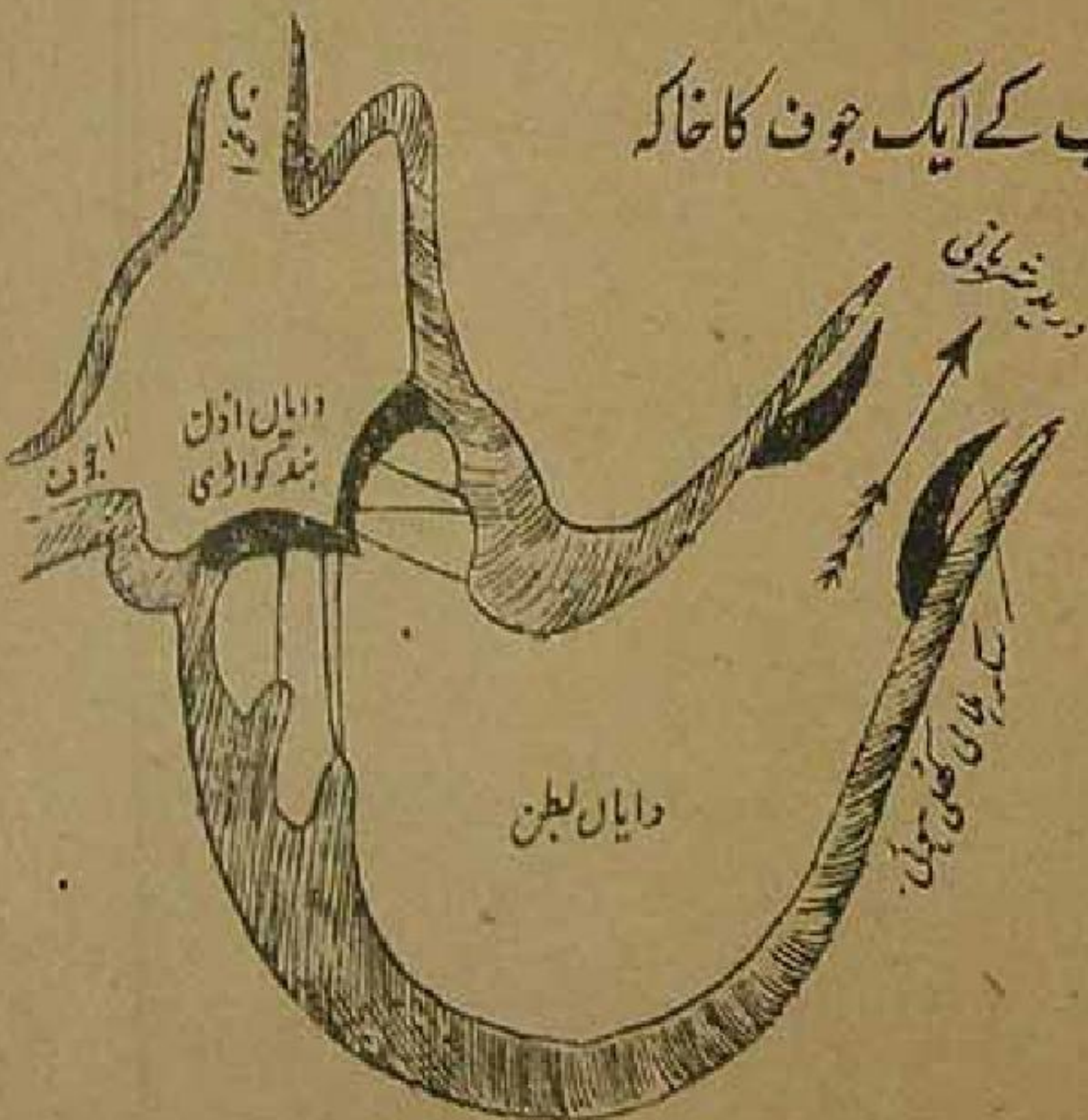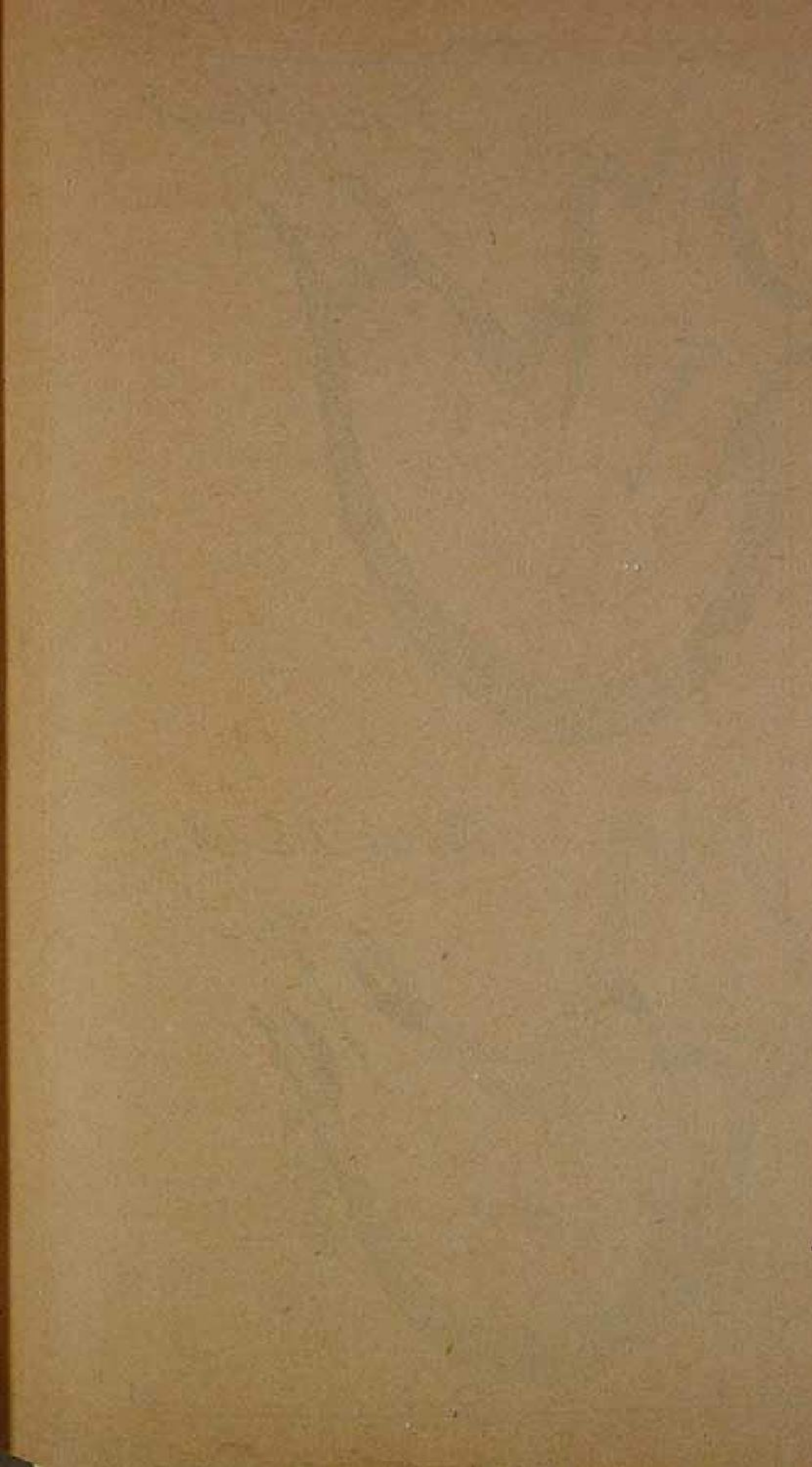
"اطبار کہتے ہیں کہ یہ قوت (حیوانیہ) جس طرح اعضار کو حیات کے لئے آمادہ کرتی ہے، اسی طرح یہ جوہر روحی لطیف کی حرکت کا بھی مبدأ ہو جس سے روح اعضار کی طرف چلی جاتی ہے، اور تنسیم و تنقی[1] کے لئے روح کے بسط و قبض کا بھی مبدأ ہے۔" (قانون)

"روح کا بسط و قبض"

یعنی قلب و روح کی وہ حرکات انبساطی و انقباضی، جن سے نسیم حاصل ہوتی، اور بخارات دخانیہ خارج ہوتے ہیں۔ ان کا باعث و فاعل قوت حیوانیہ ہی ہے۔ (قوت فاعلہ)

نیز شیخ کہتے ہیں:

"حرکات خوف اور حرکات غضب (وغیرہ) کو بھی اطبار اسی قوت کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں، کیونکہ ان حالات میں اسی روح کے اندر انبساط و انقباض عارض ہوتا ہے، جو قوت حیوانیہ کے ساتھ منسوب ہے۔

چنانچہ خوف میں روح حیوانی، خون شریانی کے ساتھ، بیرونِ بدن سے بھاگ کر اندر چلی جاتی ہے (انقباض روح)؛ اور غصہ میں اس کے برعکس واقع ہوتا ہے (انبساط روح) پہلی صورت میں چہرہ اگر فق ہو جاتا ہے، تو دوسری صورت میں خون سے تمتما اٹھتا ہے۔

روح کے انقباض و انبساط اور اس کی حرکت سے اسی طبعی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

علیٰ ہذا شیخ فرماتے ہیں:

"چونکہ غصہ اور خوف اور اسی قسم کے دیگر نفسانی عوارض اس قوت کے تاثرات (انفعالات) ہیں، اس لئے ان نفسانی عوارض کو اس قوت کی طرف منسوب کیا گیا ہے؛ اگرچہ ان نفسانی عوارض کا مبدأ حِس (حِس مشترک)، وہم اور دوسری قوائے مدرکہ (دماغیہ) ہیں۔" (قانون)

---

[1] تنسیم: نسیم پہنچانا ۔۔۔ تنقی: بخارات دخانیہ سے پاک و صاف کر دینا۔

عوارض نفسانیہ کو اطبار نے قوت حیوانیہ کی طرف کیوں منسوب کیا،
اگرچہ ان کا تعلق راست دماغی قویٰ سے ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب
اطبار نے یہ دیکھا کہ عوارض نفسانیہ کی حالت میں روح حیوانی خون شریانی
کے ساتھ گاہے اندر کی طرف، اور گاہے باہر کی طرف، اور گاہے دونوں طرف
حرکت کرتی ہے۔ اس لئے اطبار نے ان امور کو اسی قوت حیوانیہ کی طرف
منسوب کر دیا، جو قلب و عروق کی حقیقی محرک ہے، اگرچہ یہ قوت ابتداءً
حس مشترک اور وہم سے متاثر ہوتی ہے، یعنی انسان پہلے مثلاً کوئی
خطرناک شکل دیکھکر ڈرتا ہے، اس کے بعد قلب و عروق کی قوت حیوانیہ
بہ توسط اعصاب اس سے متاثر ہو کر روح کو اس کے مرکب (خون) کے
ساتھ اندر کی طرف حرکت دیتی ہے۔

(۷) افعال

امور طبیعیہ میں سے آخری چیز
افعالِ اعضاء ہیں۔

(۱) قویٰ اور افعال کے درمیان لازم و ملزوم کا تعلق ہے، قوائے اگر اسباب ہیں، تو افعال اُن کے مسبَّب[1] یہی وجہ ہے کہ قویٰ کا وجود افعال ہی کے مشاہدہ کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے قویٰ کے بیان و شرح کے بعد افعال کے لئے کوئی بڑی وسیع جگہ باقی نہیں بچتی، اور نہ اس کی حاجت قائم رہتی ہے: جو بیان قویٰ کا، وہی بیان افعال کا، اور جتنی قسمیں قوائے کی، اتنی ہی قسمیں افعال کی۔ چنانچہ شیخ الرئیس نے قویٰ اور افعال کے بیان کو ایک ہی باب میں جمع کر دیا ہے (جیسا کہ تمہیدی بیان میں بتایا گیا ہے) اور اخیر میں اطبار قدیم کے قدیم دستور کے مطابق ضمیمہ کے طور پر، ایک چھوٹی سی فصل، افعال کے عنوان پر قائم کرکے اس میں چند متفرق باتیں درج کر دی گئی ہیں، جسے اگر دیکھا جائے، تو وہ درحقیقت قوائے ہی کے بیان کا ایک تکملہ ہے — یہ کوئی مستقل بیان نہیں۔

چنانچہ ابو سہل مسیحی قوت و فعل کا ذکر کرتے ہوئے سارے بدن کے افعال کو قویٰ کی طرح چار جنسوں میں تقسیم کرتے ہیں:

"قوت فعل کا سبب ہوتی ہے، اور کل افعال، جو پورے بدن سے صادر ہوتے ہیں، اُن کی چار قسمیں ہیں:

[1] مسبَّب: (معلول) سبب سے جو چیز پیدا ہو مثلاً نجار اگر سبب ہے، تو تخت اس کا مسبب، جس طرح علت کے مقابلہ میں معلول کہا یا تا ہے۔

(۱) فعل سیاست (۲) فعل حیات (۳) فعل تغذیہ

(۴) فعل تولید - پس اس طرح بدن میں قوتیں بھی چار ہوئیں"

---

(۲) طبی نقطۂ نظر سے قویٰ کی اہمیت افعال ہی کی وجہ سے ہے، کیونکہ قویٰ محسوسات میں سے نہیں ہیں، اس لئے وہ نظر نہیں آسکتے۔ مشاہدہ میں آنے والی جو چیز ہے، وہ افعال ہیں۔ طبیب صحت و مرض سے بحث کرتا ہے، اور ان دونوں امور میں طبیب کی نگاہ بدن کے افعال ہی پر ہوتی ہے کہ آیا افعال صحیح، پورے، باقاعدہ اور منتظم ہیں، یا ناقص، ردی، بے قاعدہ اور بے نظم و بے ترتیب۔

چنانچہ فاضل مسیحی نے، یہ سمجھانے کے بعد کہ مرض اور عرض کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے، اور یہ کہ افعالِ اعضاء کے خلل ہی کا نام عرض ہے۔ افعال کی تقسیم اس طرح کی ہے:

"افعال تین ہیں: نفسانیہ - حیوانیہ - طبعیہ - اس لئے اعراض، جو درحقیقت افعال ہی کے خلل ہیں، کی بھی تین ہی جنسیں ہیں"

"(۱) پھر افعال نفسانیہ تین ہیں: مُدبّرہ - حِسّیّہ - حَرکیّہ - اس لئے افعال نفسانیہ کے ضرر (اعراض) بھی تین ہیں۔"

"(أ) افعال مُدبّرہ بھی تین ہیں: تخیّل - فِکر - حِفظ - اس لئے افعال مدبرہ (افعال دماغیہ) کے ضرر کی قسمیں بھی تین ہی ہیں۔"

"(ب) افعالِ حِسّیّہ پانچ ہیں، کیونکہ حواس پانچ ہیں، اس لئے ان کے ضرر کی قسمیں بھی پانچ ہیں:"

"(۲) افعال طبعیہ تین ہیں: اِغتذاء - نُمُوء - تولید

---

[۱] فعل سیاسۃ سے مراد قوت نفسانیہ کے افعال ہیں (افعال نفسانیہ)

[۲] اگر تغذیہ اور تولید کو ملا کر طبعیہ کہا جائے تو ان کی تعداد تین ہوگی، جیسا کہ آگے آنے والا ہے۔

— اور گاہے حیوان میں ایک چوتھے فعل — شہوۃ (خواہش اور بھوک) کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے؛ اس لحاظ سے افعال طبعیہ کے ضرر کی قسمیں چار ہیں۔"
(مئة۔ کتاب ۲۴)

اس کے بعد مسیحی نے، غاذیہ کے اصول پر، اغتذاء کے چاروں افعال، جذب، امساک، ہضم، اور دفع، کا ذکر کیا ہے، جن سے اغتذاء کی تکمیل ہوتی ہے، — پھر ہضم کی تینوں اقسام معدی، کبدی اور عضوی کا ذکر کیا ہے — اور بتایا ہے کہ ان سب افعال، اور ان کے مقامات کے لحاظ سے، ان کے خلل و ضرر کی تعداد ہوگی۔

آخر میں قوتِ حیوانیہ کا ذکر کیا ہے کہ اس کا عمل نبض میں ہوتا ہے، وہ روح حیوانی بناتی، اور سارے بدن کو حیات اور حرارت غریزیہ بخشتی ہے، — ان سب افعال کی جو تعداد ہوگی، اسی کے لحاظ سے ان کے ضرر کی بھی تعداد ہوگی۔

ناظرین مسیحی کی اس شرح و تفصیل سے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں:
(۱) افعال کی ساری قسمیں قویٰ کے مطابق ہیں۔
(۲) صحت و مرض میں، جو طبیب کے خاص موضوع ہیں، طبیب کی نگاہ افعال ہی پر ہوتی ہے، اور ان ہی کو دیکھکر وہ حکم لگانے پر قادر ہوتا ہے کہ آیا صحت ہے، یا مرض۔

افعالِ مُفردہ و مُرکّبہ

اطباء کا دستور ہے کہ افعال کا عنوان قائم کرکے اس میں محض ایک بات لکھا کرتے ہیں کہ بعض افعال مفرد ہوتے ہیں، اور بعض مرکب، چنانچہ مصنفؒ نے بھی اس بارے میں دیگر مؤلفین کی تقلید کی ہے:

افعال کی دو قسمیں ہیں:
(۱) مفرد ——— اور (۲) مرکب۔

اَفعالِ مُفردَہ وہ افعال کہلاتے ہیں، جو محض ایک قوت سے پورے ہوجاتے ہیں، مثلاً جذب، دفع، امساک، اور ہضم

اَفعالِ مُرکّبہ وہ افعال کہلاتے ہیں، جو دو یا زیادہ قوتوں سے مکمل ہوتے ہیں، مثلاً اِزدِرادُ (نگلنا)۔

(قرشی)

فعلِ مرکب (ازدراد)

اِزدِرادُ (لقمہ نگلنا): علامہ نفیس فرماتے ہیں کہ "یہ دو قوتوں سے پورا ہوتا ہے: ایک (مری اور) معدہ کی طبعی قوت جاذبہ (جو طبعاً یعنی بلا ارادہ کام کرتی ہے)، اور دوسری حلق کے عضلاتِ ازدرادیہ کی ارادی قوتِ دافعہ (جس پر انسان کو ارادہ کا قابو حاصل ہوتا ہے)"۔

"ان دونوں میں سے جب ایک قوت بھی باطل ہوجاتی ہے، بلکہ اگر ایک بھی (باطل ہونے کی بجائے) اپنے کام کے لئے آمادہ نہیں ہوتی ہے تو نوالہ کا نگلنا دشوار ہوجاتا ہے"۔ (نفیس)

چنانچہ جب کسی بدمزہ چیز کو انسان اپنی قوتِ ارادی کے زور سے اور عضلاتِ حلق کی امداد سے نگلنا چاہتا ہے، تو بڑی دشواری پیش آتی ہے، کیونکہ اندرونی قوتِ جاذبہ اسے قبول نہیں کرتی ہے، جیسا کہ نفیس لکھتے ہیں:

"عملِ ازدراد کے مرکب ہونے (اور دو قوتوں سے انجام پانے) کی دلیل یہ ہے کہ بدمزہ دواؤں کا نگلنا اس وجہ سے دشوار ہوا کرتا ہے کہ قوتِ جاذبہ طبعیہ کراہت و نفرت کی وجہ سے جذب نہیں کرتی ہے (بلکہ اس کے برعکس بعض اوقات قوتِ دافعہ اس کو واپس کردیتی ہے، اور وہ چیز الٹی حلق سے نکل آتی ہے)، حالانکہ قوتِ ارادیہ ایسی مکروہ چیز کو کسی (متوقع

نفع کی وجہ سے، جو بعد کو حاصل ہونے والا ہے، نیز وزن کلنا چاہتی ہے۔"

"رہی ایسے فعل مرکب کی مثال جس کی تکمیل میں دو سے زیادہ قوتیں کام کریں، وہ تغذیہ ہے، جو تین قوتوں سے پایۂ تکمیل کو پہونچتا ہے:

فعل تغذیہ

(۱) مُحَصِّلَہ (جو ہر بدل یعنی غذا کو حاصل کرنے والی)۔

(۲) مُلصِقَہ (غذا کو جو ہر عضو سے چپکانے والی)۔

(۳) مُشَبِّہَہ (غذا کو عضو سے مشابہ بنانے والی)۔" (نفیس)

صاحب کامل اور افعال

افعال کے زیر عنوان صاحب کامل کا بیان نسبۃً منتظم اور مکمل ہے، جو یہاں (بعض مثالوں کی جزوی ترمیم کے بعد) درج کیا جاتا ہے۔ گو اس سے بعض مطالب کی تکرار ہوتی ہے، مگر یہ تکرار نفع سے خالی نہیں۔

"چونکہ قوائے طبیعیہ، حیوانیہ، اور نفسانیہ کی کیفیت و ماہیت، اور ان کے اجناس و انواع (اقسام) کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں، اس لئے اب افعال کی ماہیت و کیفیت کا جان لینا غیر ممکن نہیں رہا؛ کیونکہ افعال ان ہی (مذکورہ) قوائے سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔"

(اس کے علاوہ ان کا کوئی مستقل وجود نہیں)

"یعنی ان میں سے بعض قوائے طَبِعِیّہ کے افعال ہیں، بعض قوائے حَیَوانِیہ کے، اور بعض قوائے نفسانیہ کے۔"

(اسی لئے ان کو افعال طبعیہ، افعال حیوانیہ اور افعال نفسانیہ کہا جاتا ہے۔)

"اور جہاں ہم نے قوی کا ذکر کیا ہے، وہیں ان کے افعال بھی اچھی طرح واضح کر دئے ہیں کہ ہر قوت کا فعل کس طرح صادر ہوتا ہے۔"

فعل مفرد اور فعل مرکب

"مذکورہ بیانات پر اگر غور کیا جائے، تو یہ واضح ہو سکتا ہے کہ بعض افعال مُفرَد ہیں، اور بعض مُرَکَّب۔

"(۱) مُفرَد افعال وہ ہیں، جو ایک قوت سے تکمیل پاتے

ہیں، — چنانچہ:

"افعال طبعیہ میں ان کی مثالیں فعل جذب (غذا کا جذب کرنا) فعل امساک (غذا کا روکنا)، فعل ہضم، اور فعل دفع ہیں (جو بہ ترتیب قوتِ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ سے حاصل ہوتے ہیں)۔

"اور افعال حیوانیہ میں ان کی مثالیں انقباض و انبساط ہیں (یعنی قلب کا، یا شرایین کا، یا شُش کا سکڑنا اور پھیلنا)۔

"اور افعال نفسانیہ میں ان کی مثال وہ حرکت ہے، جو عضلات ارادیہ سے صادر ہوتی ہے (اور وہ احساس ہے، جو انواع حواس کے متعلقہ اعصاب سے فرداً فرداً حاصل ہوتا ہے)۔

"(ب) **مُرکّب افعال** وہ ہیں، جو دو، یا زیادہ قوتوں سے انجام پاتے ہیں، جیسے:

افعال طبعیہ کے: "افعال طبیعیہ میں بھوک لگنا (شہوتِ غذاء) غذا کا نفوذ کرنا (ازدراد، نگلنا)، فعل ہضم، فعل تغذیہ، فعل تولید، اور فعل تربیۃ (بدنی پرورش و افزائش)"۔

"چنانچہ شہوتِ غذاء (بھوک) کی تکمیل دو قوتوں کے افعال سے ہوتی ہے: ایک قوتِ جاذبہ، اور دوسری قوتِ حسّاسہ"۔

یعنی بھوک کے وقت معدہ کی طبعی قوت اس کی ساخت کے اندر کوئی ایسی تحریک پیدا کرتی ہے، جس سے معدہ کے اعصابِ حسّی متاثر ہوتے ہیں۔ یہی تاثر بھوک کہلاتا ہے، جو غذا کھانے کے بعد مٹ جاتا ہے۔ — شیخ نے اس تحریک کو قوتِ جاذبہ کے فعلِ جذب کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس عمل کو امتصاص (چوسنا) کے نام سے یاد کیا ہے۔

"ھضمِ غذاء کی تکمیل بھی دو قوتوں کے فعل سے ہوتی ہے: ایک قوتِ ماسکہ (جو غذا کو مقامِ ہضم میں روکے رکھتی ہے) — دوسری قوتِ ہاضمہ (جو تغیر پیدا کرتی ہے)"۔

"تغذیہ کا فعل چار قوتوں سے مکمل ہوتا ہے: جاذبہ، ماسکہ،

ہاضمہ، اور دافعہ"۔

"تولید میں تین قوتیں کام کرتی ہیں:

"(۱) قوتِ مُغَیِّرَہ، جو رقیق منی میں تغیر پیدا کر کے اُسے غلیظ بنا دیتی ہے (حتی کہ اُس سے ہڈی جیسے سخت اعضاء بھی پیدا ہو جاتے ہیں)۔

"(۲) قوت مُصَوِّرَہ، جو اعضاء کو مختلف شکلوں میں ڈھالتی، ان میں نالیاں (مجاری، وغیرہ) بناتی، اور حسب ضرورت اعضاء کی سطح کو کھردرا اور چکنا بناتی ہے"۔

"قوتِ مُرَبِّیَہ، جو (جنین کے) اعضاء کو بڑھا کر چھوٹے سے بڑا کرتی ہے"۔

"فعل تَرْبِیَہ (تنمیۂ اعضاء) بھی قوتِ نامیہ اور قوتِ غاذیہ سے پورا ہوتا ہے"۔

افعال حیوانیہ کے

"افعال حَیَوانیہ میں فعلِ مرکب کی مثال تَنَفُّس ہے، جو (عضلاتِ صدر کی) قوتِ باسطہ اور قوتِ قابضہ سے انجام پاتا ہے"۔

افعال نفسانیہ کے

افعال نفسانیہ میں فعل مرکب کی مثال فکر (سوچنا) ہے، جس میں قوتِ مفکرہ، متخیلہ، اور حافظہ یعنی دماغ کی تینوں قوتیں کام کرتی ہیں۔

اور حرکات میں افعال مرکبہ کی واضح ترین مثالیں چلنا، دوڑنا، کودنا، ڈنڈ پیلنا، بیٹھکی کرنا، وغیرہ ہیں، جن میں قوتِ باعثہ وغیرہ کے علاوہ بدن کے اتنے عضلات کام کرتے ہیں، کہ اِن کا تفصیل سے بتانا، اور شمار کرنا دشوار ہے۔

لہ یہاں صاحب کامل کی مثال (فعل جنس) بدل گئی ہے، کیونکہ فعل جنس کو فعل منفرد کہنا زیادہ موزوں ہے۔

لہ یہ ارادی حرکات کے قبیلے سے ہیں، اور گزشتہ بیانات میں علامہ نفیس کے حوالے سے اِس کا تذکرہ آچکا ہے کہ ارادی حرکات میں کتنی دماغی قوتیں کام کرتی ہیں۔ (دیکھو: قوتِ محرکہ)

مثلاً چلنے میں قدم، پنڈلی، ران، سُرین، پشت، گردن، اسر اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں، اور سارا بدن متوازن و متناسب رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ چلنے میں ان سب اعضاء کے دونوں جانب کے عضلات حرکت کرتے ہیں، جن میں عضلات قابضہ کے ساتھ عضلات باسطہ وغیرہ بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے اعمال میں اگر یہ کہا جائے، تو بہت حد تک درست ہے کہ ان میں بدن کے سارے عضلات، یا بیشتر عضلات، شریکِ کار ہوتے ہیں۔

خاتمۂ اُمورِ طبیعیہ

یہاں ساتوں امورِ طبیعیہ (اَرْکان — اَمْزاج — اَخلاط — اعضاء — اَرْواح — قویٰ — اَفعال) کا بیان ختم ہوگیا، جو بدن کے اجزاءِ مُقَوِّمہ ہیں — یعنی یہ ایسے اجزاء ہیں کہ بدن کا وجود ان ہی سے قائم ہے۔

"یہ سارے اُمور جب اپنے طبعی اوضاع پر ہوتے ہیں، تو انسان تندرست (صحیح) رہتا ہے، اور جب یہ اپنے طبعی اوضاع سے ہٹ جاتے ہیں، تو مرض یا حالۃ ثالثہ (جیسا کہ اطباء کا ایک گروہ قائل ہے) پیدا کردیتے ہیں"۔ (مختارات ابن ہبل)

صاحبِ کامل کہتے ہیں:

"واضح ہو کہ سارے امورِ طبیعیہ جب اپنے حالات پر قائم رہتے ہیں، تو یہ بدنِ انسان کے قِوَام (وثبات) کا ذریعہ بنتے ہیں، اور جب تک یہ اپنے اعتدال پر ہوتے ہیں، اُس وقت تک بدن میں صحت حاصل رہتی ہے۔ اور جب یہ اپنے اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں، تو یا مرض پیدا ہوجاتا ہے، یا تیسری حالت" (جیسا کہ اطباء تین حالات کے قائل ہیں۔)

وامیہ

یعنی

فہرستِ ہجائی کتاب ہذا